# جوڑ توڑ

شوکت تھانوی

ادارۂ فروغِ اُردو لاہور

# جوڑ توڑ

شوکت تھانوی

ادارہ فروغِ اردو لاہور

بارِ اوّل

قیمت - چار روپے



محمد طفیل پرنٹر پبلشر نے عالمگیر الیکٹرک پریس سے چھپوا کر شائع کی

حکومت ہندوستان

کے نام

جو اُردو کی "بہت بڑی حامی" ہے

# ۱

نیا مکان یوں تو بہت اچھا تھا کھُلا ہوا، ہوادار، روشن، بڑے بڑے کمرے صاف ستھرا، اور کچھ ایسا زیادہ پُرانا بھی نہیں تھا۔ مگر تجربہ سے ثابت یہ ہوا کہ شرکت کے مکان میں رہنا ہے واہیات۔ وہ جو ایک گھریلو خودمختاری اور آزادی انسان کو صرف اپنے گھر میں مل سکتی ہے وُہ شرکت کے مکان میں میسّر نہیں آ سکتی۔ نہ مرضی کے مطابق سکون اور یکسوئی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ذرا دیر سو رہیں اور وہاں بج رہا ہے ریڈیو پوری آواز کے ساتھ اور ریڈیو میں بھی ہو رہی ہے کسی ایسے قوّال کی قوالی جس کے آباؤ اجداد میں کوئی نہ کوئی بزرگ چوکیدار ضرور گذرے ہوں گے اس لئے کہ اُس کی آواز میں بھی "جاگتے رہو" کی تمام کرختگی موجود ہے۔ یہاں بیٹھے ہیں کچھ لکھنے کے لئے اور وہاں کچھ گھریلو قسم کا جھگڑا ایسا شروع ہو گیا ہے کہ میاں بیوی کے علاوہ چند بچّے بھی چیخ رہے ہیں اور ایک آدھ ملازم بھی۔ اب جب وہاں سکون ہوا تو ہمارا جی چاہتا ہے کچھ ہنگامہ برپا کرنے کے لئے۔ مختصر یہ کہ پروگرام کچھ متضاد سا ہو کر رہ جاتا ہے گویا یہ اتفاق نہیں بلکہ دانستہ عدم ضد ہے یہی وجہ ہے کہ جس دن سے اس مکان میں آئے ہیں نہ تو مرضی کی نیند سوئے نہ کوئی سلیقہ کا ادبی

کام گیا اور نہ اپنے کو ایک منٹ کے لئے آزاد سمجھا۔ اور تو اور غسل خانہ میں اگر نہانے بھی گئے تو پتہ چلا کہ چونکہ اُن کے یہاں نل کھلا ہُوا ہے لہٰذا ہم غسل بھی اُس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ پڑوسی کو عرضی دے کر نل بند نہ کرا ئیں۔ مگر اس پہ بھی خدا کا شکر ادا کرنا پڑتا تھا کہ مکان مل ہی گیا ورنہ آجکل مکان ملتا کس کو ہے اور غالباً یہی بات مالک مکان صاحب کے ذہن میں بھی تھی کہ کرایہ تو خیر ہم اخلاقاً لیتے ہی رہیں گے لیکن اس احسان کا بدلہ تو کرایہ دار ادا ہی نہیں کر سکتا کہ ہم نے اس کو سر چھپانے کا ٹھکانہ دے دیا ہے۔

قصّہ دراصل یہ تھا کہ کوٹھی کو بیچ میں سے دو حصّوں میں تقسیم کر کے نصف میں خود مالک مکان صاحب رہتے تھے اور نصف ہم نے کرایہ پر لے لی تھی۔ ہم اپنے حصّہ میں صرف ایک ملازم کے ساتھ رہتے تھے۔ مسافرانہ زندگی تھی اور ایک کنوارے کی زندگی تو گھر میں بھی مسافرانہ ہی ہوتی ہے۔ خیر اس بات کی تو کوئی شکایت نہیں مگر مالک مکان صاحب کے یہاں ماشاءاللہ وہ چہل پہل تھی اور ہر عمر اور ہر سائز کے مرد اور عورتیں موجود تھیں کہ ان کے یہاں واقعی ایک ہنگامہ بپا موقوف تھی گھر کی رونق۔ کبھی نوحۂ غم تو کبھی نغمۂ شادی اور ان دونوں کے ماتحت ہماری یکسوئی کی بربادی۔ خیر اس کے بھی رفتہ رفتہ عادی ہو جاتے مگر یہ شیخ صاحب یعنی مالک مکان عجیب خدائی فوجدار قسم کے بزرگ تھے۔ کثرتِ اولاد نے غالباً ان کی نگاہوں سے یہ امتیاز اُٹھا دیا تھا کہ وہ کس کے باپ ہیں اور کس کے نہیں عام طور پر وہ

یہ سمجھنے کے عادی ہو گئے تھے کہ وہ ہر ایک کے قبلہ و کعبہ ہیں۔ بزرگی اور چار پیسہ کی وجہ سے محلہ والے ان کی عزت ضرور کرتے تھے مگر اب اتنی بھی عزت نہیں کہ سب ولدیت کے خانہ میں ان ہی کا نام لکھنے لگتے اور وہ بھی محض اس لئے کہ وہ عام طور پر ہر ایک کو "برخوردار من" اور زیادہ بے تکلّف ہوئے تو "بیٹے" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ اس شفقت سے بھلا ہم کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ ہم تو گویا ان کے پڑوسی بلکہ ان کی رعایا ہی تھے۔ دن رات کا ساتھ۔ دفتر سے آنے کے بعد سے دفتر جانے کے وقت تک ان ہی کے قبضہ میں رہتے تھے اور ان کی بوالعجبیوں کے تماشے دیکھا کرتے تھے اور ان کی مرغیوں کو اپنے برآمدے میں جملہ اقسام کی بدتمیزیاں کرتے دیکھ دیکھ کر خون پانی ایک کیا کرتے تھے البتہ اگر وہ مرغیاں برآمدے کی حدوں سے گذر کر کمرے میں بھی آنا چاہتیں تو شیخ صاحب سے نظر بچا کر ان کو ہنکا دیا کرتے تھے کہ مبادا وہ دیکھ لیں اور کہیں کہ ہماری ہی بلّی اور ہم ہی سے میاؤں۔ یعنی ہمارا ہی کرایہ دار اور ہماری ہی مرغیوں کے ساتھ یہ بد اخلاقی۔ مرغیاں تو مرغیاں خود وہ مرغِ مسلّم صاحب ہر وقت ہمارے ہی برآمدے کے سامنے ہاتھ میں تسبیح لئے ٹہلا کرتے تھے اور نگاہیں ہوتی تھیں ہمارے کمروں کے اندر۔ نتیجہ یہ کہ خود اپنے گھر میں ہم کو بلا وجہ تکلّف برتنا پڑتا تھا۔ آخر ہم نے کمروں کے دروازوں پر چلمنیں ڈلوا دیں مرغیوں کے کمرے میں آنے کا خطرہ بھی نہ رہا اور شیخ صاحب کی نگاہوں کی زد سے بھی آزاد ہوئے پھر بھی ہم روز بروز یہ اندازہ کر

رہے تھے کہ شیخ صاحب ہم پر مسلط ہوتے جاتے ہیں اور ہم مسلسل ان کی حکومت تسلیم کر رہے ہیں۔ مثلاً رات کو دیر میں گھر آئے تو دوسرے دن شیخ صاحب کے لئے یہ پوچھنا ضروری تھا:۔

"کہیئے مسٹر رات کہاں غائب رہے"؟

عرض کیا "ذرا سینما چلا گیا تھا"؟

شیخ صاحب نے فرمایا "سینما ہمیشہ پہلے شو میں جانا چاہیئے۔ زیادہ رات تک جاگنا نہ صحت کے لئے مفید ہے نہ یہ کوئی شریفانہ عادت ہے"؟

جی تو چاہا کہ ان سے پوچھیں کہ آخر آپ کیا ہمارے اتالیق ہیں بھٹیکیدار ہیں۔ دلی ہیں آخر کیا ہیں۔ مگر اس کو شیخ صاحب کا اقبال کہیئے یا ہماری فطری بزدلی کہ نہایت مہمل سا جواب دے دیا "درست ہے مگر کل اتفاقاً چلا گیا تھا"۔ کاش ہم سوچتے کہ یہ آئندہ کے لئے ایک قسم کا وعدہ ہے۔

کبھی اگر دوست احباب جمع ہو گئے اور برج پارٹی جم گئی تو احباب کے جانے کے بعد شیخ صاحب سے جوابدہی کیجئے کہ "کیا ہو رہا تھا آج تو دن بھر سب جمع رہے"؟ کوئی بہانہ کہ دیا کہ "یوں ہی ذرا غپ شپ ہوتی رہی کچھ دفتر کے لوگ آ گئے تھے"؟

شیخ صاحب نے فرمایا "میں سمجھا تھا کہ شاید تاش وا‌ش ہو رہے ہیں۔ آجکل کے نوجوانوں کو خدا جانے یہ منحوس شوق کیوں ہو گیا ہے حالانکہ یہ اتنا منحوس شوق

ہے کہ جس جگہ چالیس دن تک تاش کھیلے جائیں وہ جگہ ویران ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ بات یہ ہے کہ اس میں ہر طرف سے آواز آتی ہے چلو۔ ارے بھئی چلو۔ یہ چلا چلی بہت منحوس چیز ہوتی ہے۔ نحوست جان کو لگے یا مال کو جو کچھ بھی نہ ہو تھوڑا ہے۔"

لیجئے یہ بھی طے ہو گیا کہ تاش بھی نہیں کھیل سکتے۔ چالیس دن کیا معنی برسوں کالج میں دن رات یہی شغل رہا اور ہم سے پہلے خدا جانے کب سے کالج میں دن رات یہی ہوتا رہا ہے مگر آج تک تو کالج ویران ہوا نہیں بلکہ داخلہ کی درخواستیں دینے والوں کو یہی جواب ملتا ہے کہ جگہ نہیں ہے۔ یہ جو سینکڑوں کلب ہر جگہ کھلے ہوئے ہیں محض تاش کھیلنے کے لئے اِن میں سے کوئی ایک بھی ویران ہو جاتا تو ہم کہتے کہ ہاں شیخ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اور کالجوں اور کلبوں کو جانے دیجئے اب تو گھر گھر تاش ہوتے ہیں اگر سب گھر ویران ہی ہونے لگیں تو صرف دو چار شیخ صاحب کی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں اور ساری دنیا ہی تباہ ہو جائے۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ بحث کون کرتا ان حضرت سے البتہ یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ آخر یہ ہمارے معاملات میں دخل کیوں دیتے ہیں ظاہر ہے کہ جو کرایہ ہم ان کو دیتے تھے وہ صرف مکان کا تھا اپنے اخلاق و اطوار کو سنوارنے کی فیس تو نہیں دے رہے تھے کہ وہ اس کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور گویا ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ ہم سے کوئی جوانی کی لغزش سرزد ہو اور وہ پیری کی ناصحانہ عادت سے مجبور ہو کر ہمارے

پیچھے پڑ جائیں۔ یہاں تک کہ ان کی اجارہ داری اب اس حد تک بڑھ گئی کہ مہتر نے جھاڑو دے کر کوڑا باہر نکالا تو آپ سگرٹ کے ٹکڑوں کو کھڑے ہوئے گن رہے ہیں" افوہ۔ اتنی سگرٹ پیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیونکر تندرستی ٹھیک رہ سکتی ہے جب کلیجہ کو پھونکنے کے لئے اتنا ایندھن صرف کیا جائے"!

نوکر سودا لے کر آ رہا ہے کہ آپ نے راستہ میں روک لیا" یہ کیا لائے ہو۔ گوشت۔ اور آلو۔ یہ آخر آلو کیوں بہت کھاتے ہیں۔ آلو میں دھرا ہی کیا ہے نہ کمبخت اناج نہ ترکاری۔ ارے بھئی شلجم لایا کرو۔ چقندر لایا کرو۔ لوکی ہے۔ پالک ہے۔ یہ آلو کیا واہیات ہے۔ اور یہ —— یہ —— ارے توبہ۔ یہ۔ تم ڈالڈا کھلاتے ہو ان کو۔ ارے میاں کیوں جان کے پیچھے پڑے ہو۔ اس سے تو تیل کھلاؤ۔ سخت نقصان کی چیز ہے۔ نہایت مہمل۔ اس کو تو ابھی جا کر واپس کر آؤ"!

لیجئے صاحب شیخ صاحب قبلہ حلق کے دربان بھی ہو گئے۔ نوکر نے جب یہ تفصیلات سنائی ہیں تو ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ مگر غصہ نوکر ہی پر اتار دیا کہ تم کو بھی تو کوئی مکان نہیں ملتا ہے کہ میں اس جیل سے نکل سکوں"!

ایک دن دفتر سے واپس آنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ نوکر روتا ہوا پہنچا۔ ہم حیران کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے اس کو نکال دیا ہے اور کہا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھنا۔ تفصیلات دریافت کیں تو معلوم ہوا کہ وہ جلانے کی لکڑیاں لا رہا تھا کہ شیخ صاحب نے راستہ میں ٹوکا کہ کس حساب سے

لائے ہو اس نے کہا ساڑھے تین روپیہ من۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ تم لوٹ رہے ہو اپنے صاحب کو خود میرے یہاں تین روپے من آتی ہیں لکڑیاں۔ اس کے بعد گوشت کا بھاؤ پوچھا۔ شکر کا خرچ دریافت کیا اور اس تمام حساب فہمی کے بعد حکم دیا کہ نکل جاؤ اسی وقت۔

اب تو ہم کو سخت غصہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ نوکر واقعی لوٹ رہا تھا ہم خود جانتے تھے مگر اس قسم کی لوٹ مار نوکروں کا حق ہوتا ہے اور نہ بھی ہو تو آخر شیخ صاحب کون تھے حساب فہمی کرنے والے اور پھر نوکر کو نکالنے والے۔ مگر اس خیال سے کہ فی الحال یہ یکطرفہ بیان ہے ہم کو شیخ صاحب کا بیان بھی سُننا چاہیئے ہم گھر جو پہنچے تو شیخ صاحب ندارد تھے۔ کمرے میں جا کر کوٹ اتار ہی رہے تھے کہ ایک بڑی بی کھیسین نکالے ہوئے ہاتھ میں ایک ٹرے لئے تشریف لائیں

"یہ حصہ لے لیجئے"

ہم نے کہا "کیسا حصہ؟ کہاں سے آیا ہے"

بڑی بی نے فرمایا "شیخ صاحب کے یہاں سے لائی ہوں بڑی بٹیا ریحانہ بی بی کی سالگرہ کی مٹھائی ہے"

ہم نے حصہ لے کر سالگرہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی تازہ مطبوعہ دو کتابیں اور آئینہ کنگھے کا سٹ جو سلمیٰ کی سالگرہ کے لئے خرید کر رکھ لیا تھا اسی کشتی میں رکھ کر کہا "یہ سالگرہ کا تحفہ دے دیتا"

تھوڑی ہی دیر کے بعد شیخ صاحب تشریف لائے۔ میں نے کہا مسٹر یہ تکلف کیسا۔ بالکل انگریزوں کی سی بات۔"

ہم نے کہا "اس قسم کی باتوں سے بیگانگت بڑھتی ہے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "اور ہاں آج میں نے آپ کے ڈاکو ملازم کو برطرف کر دیا ہے اتنا حق تو مجھ کو حاصل ہی ہونا چاہیئے تھا سخت لٹیرا ہے بالکل لوٹ رہا تھا تم کو اور جب تک دوسرا ملازم نہیں آتا تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی" چنانچہ اس کا ثبوت فوراً مل گیا کہ ایک کشتی میں نہایت پر تکلف چاء مع ناشتہ کے آگئی اور ہم حیران ہی رہ گئے کہ ان حضرت کا شکریہ ادا کریں یا شکایت کریں۔ رات کو باقاعدہ کھانا ڈالڈا میں پکا ہوا نہیں بلکہ خالص گھی میں اور آلو بھی نہیں بلکہ چقندر اور لوکی۔ اور ساتھ میں میٹھی ڈش بھی۔ خدا جانے اس کا نتیجہ کیا ہونے والا تھا۔

# ۲

جب سے ہم اس ملازمت کے سلسلہ میں لکھنؤ آئے تھے والدہ صاحبہ کو تو خیر یوں ہی سا مگر سلمٰی صاحبہ کو بیحد شوق تھا کہ لکھنؤ جا کر بھائی جان کا مکان دیکھیں لکھنؤ کی سیر کریں اور چند دن اُس بھائی کے یہاں جا کر مہمان رہیں جو حال ہی میں ملازم ہو کر گویا ایک قسم کا گھر والا بنا تھا۔ ہم نے بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ ضرور سب کو بلائیں گے۔ مگر آجکل کیسے بُلاتے نہ گھر پہ کوئی نوکر نہ چاکر خود ہم شیخ صاحب کے رحم و کرم پر پڑے ہوئے تھے۔ کہ یکایک چھوٹے بھائی کا تار آگیا کہ ہم لوگ کل پہنچ رہے ہیں۔ ہوش ہی تو اُڑ گئے۔ آجکل وقت پر دیا سلائی کی ڈبیا تو ملتی نہیں نوکر کہاں سے مل جاتا۔ اس وقت شیخ صاحب پر سخت غصہ آیا کہ بیٹھے بٹھائے مارے خیر خواہی کے نوکر کو برطرف کر دیا اب بتائیے کہ ہم کیا کریں گے۔ دفتر سے اسی فکر میں گھر پہنچے اور اتفاق سے شیخ صاحب اپنی مرغیوں کو دانہ ڈالتے ہوئے مل گئے۔ ہم نے ان کو دیکھتے ہی کہا "اب بتائیے میں کیا کرونگا۔ اسی لئے اس نوکر کو برداشت کر رہا تھا کہ آجکل نوکر ملتے ہی نہیں۔ یہ تار آیا ہے گھر سے والدہ۔ بہن اور چھوٹا بھائی کل صبح تینوں پہنچ رہے ہیں"۔

شیخ صاحب نے مرغیوں کے ڈربے کو کھولتے ہوئے فرمایا "تو ٹھیک ہے جم جم آئیں۔ آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے"

اب بتائیے ہم ان کو کیا بتاتے کہ پریشانی کی کیا بات ہے جبکہ سوائے پریشانی کے اور کوئی بات ہی نہ تھی۔ ہم نے کہا "بغیر نوکر کے صرف میرا کام تو چل سکتا تھا مگر۔"

شیخ صاحب نے بات کاٹ کر فرمایا "اگر مگر کچھ نہیں۔ وہ سب میرے مہمان ہوں گے۔ اور میرے نوکر ان کی خدمت کریں گے۔ میرا موٹر ان کو اسٹیشن لینے جائے گا۔ کیا ضروری ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر اگر ایک ڈاکو ملازم نہ ہو تو کام ہی نہ چلے"

ہم نے آج صاف گفتگو کرنے کے ارادے سے کہا "یہ تو درست ہے۔ مگر میرے لئے بھی شرمندگی کیا کم ہے کہ خود میرا بار آپ پر پڑا ہوا ہے۔ اپنے اخراجات دینا چاہتا ہوں تو آپ قبول نہیں کرتے۔ ہوٹل میں انتظام کرتا ہوں تو آپ برہم ہوئے جاتے ہیں۔ ملازم ڈھونڈھتا ہوں تو ملتا نہیں۔ خیر اپنی ذات تک تو غنیمت تھا مگر ــــــ"

شیخ صاحب نے پھر قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا "مگر اب تین عزیزوں کا اور بوجھ اگر مجھ پر چند دن کے لئے ڈالا گیا تو میری بدھیا بیٹھ جائے گی۔ کیوں؟ برخوردار من!! ایسی چھوٹی باتیں نہ میں کرنے کا عادی ہوں نہ سننے کا لائق۔ بے نارہ مجھ کو دو اور جا کر چاء پیو۔ تم کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے مہمان آ رہے ہیں

میں جانوں اور میرا کام"۔ اور مرغیوں سے مخاطب ہو گئے" ڈربے ڈربے ڈربے۔ خانے خانے خانے"۔

دوسرے دن صبح ہی صبح شیخ صاحب کے ملازم ہمارے گھر کی صفائی میں مصروف تھے۔ عزیزوں کے رہنے کے لئے تمام انتظامات شیخ صاحب خود اپنی نگرانی میں مکمل کرا رہے تھے" یہ سونے کا کمرہ ہے۔ یہ بیٹھنے کا۔ گھر میں سے وہ مسہری لاکر یہاں لگاؤ۔ میرے کمرے سے صوفہ سٹ نکال لو وہ اس کمرے میں لگا دو"۔

تھوڑی ہی دیر میں سب ٹھیک ہو گیا اور ٹرین کے وقت پر موٹر بھی موجود۔ سب لوگ بخیریت تمام آ گئے۔ سلمیٰ کی خوشی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا بھائی کے گھر میں اس طرح گھوم رہی تھی گویا کوئی خود مختار سلطانہ اپنی قلمرو کا دورہ کر رہی ہو اُس غریب کو کیا معلوم یہ جتنا انتظام اور اہتمام نظر آتا ہے اس کی وجہ خود بھائی جان کی سمجھ میں بھی اب تک تو آئی نہیں ہے۔ والدہ صاحبہ بھی بیحد خوش بیٹے کے یہاں پہلی مرتبہ جو آئی تھیں اور آکر بیٹے کی ایسی شاندار زندگی دیکھی تھی کہ اسٹیشن سے موٹر پر آئیں موٹر سے کوٹھی میں اُتریں اُترکر کوٹھی کو ہر قسم کے فرنیچر سے دُلھن کی طرح آراستہ پایا۔ چھوٹا بھائی الگ اکڑا اکڑا پھر رہا تھا کہ میں اس کا بھائی ہوں جس کے پاس یہ کوٹھی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں جب یہ سب نہا دھو کر فارغ ہوئے کھانے کے کمرے میں میز سجائی جا چکی تھی مُرغ اور پلاؤ سے لیکر مربّے اور اچار تک، پڈنگ سے لے کر پھل تک سب ہی کچھ تو موجود تھا اور ہم اس فکر میں

کہ ان عزیزوں کو کس طرح سمجھائیں گے کہ یہ ہماری فضول خرچیاں نہیں بلکہ شیخ صاحب کی میزبانی ہے۔ اور اس میزبانی کی وجہ اور سبب خود ہم کو معلوم نہیں۔

دوسرے دن تک والدہ صاحبہ اور سلمٰی سے شیخ صاحب کے یہاں کی مستورات کا میل جول ہو گیا بلکہ شیخ صاحب کی وہی سالگرہ والی صاحبزادی ریحانہ اور سلمٰی میں دوستی بھی ہو گئی چنانچہ تیسرے دن اتوار جو پڑا اور سیر کا پروگرام جو بنا تو معلوم ہوا کہ ریحانہ بھی سلمٰی کے ساتھ جا رہی ہیں۔ اب ہم کو یہ فکر کہ ایسی حالت میں ہمارا ساتھ جانا کیونکر مناسب ہو سکتا ہے کہ برآمدے میں شیخ صاحب نے آکر آواز دی۔

"میں نے کہا مسٹر!"

اور ہم باہر نکل آئے "فرمایئے۔"

شیخ صاحب نے کہا "مستورات تینوں اندر بیٹھ جائیں گی میں نے پردہ لگوا دیا ہے موٹر میں آپ اور برادر عزیز اگلی سیٹ پر بیٹھ جائیں ڈرائیور کے پاس۔"

ہم نے کہا "خالد تو خیر بچہ ہے مگر میرا جانا مناسب نہ ہو گا۔"

شیخ صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا "سبحان اللہ تو گویا میں ریحانہ کو اور آپ کی بہن کو ڈرائیور کے ساتھ تنہا بھیج دوں گا کبھی تو عقل سے کام لیا کرو مسٹر۔ جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ۔ پروگرام یہ رکھو تینوں امام باڑے۔ دکھا دو۔ بنارسی باغ گھما دو۔ اور حضرت گنج ہوتے ہوئے امین آباد سے نکل کر گھر آ جاؤ۔"

ہم نے کہا "بہتر ہے۔"

برقعہ میں ملفوف تین عورتیں۔ میاں خالد اور ہم، تینوں امام باڑوں سے تو خیریت کے ساتھ گذر گئے مگر اب جو آصف الدولہ کے امام باڑہ سے کار روانہ ہوئی ہے تو اندر سے پہلے تو ہنسی کی کچھ کھنکھناہٹ سُنائی دی اس کے بعد ایک نئی آواز صاف کانوں میں آئی "نہیں میں سچ کہتی ہوں بالکل سچ لکھا ہے ساجد صاحب نے کہ لکھنؤ اب بنا سپتی بن کر رہ گیا ہے اور اصل لکھنؤ کچھ دنوں سے لاپتہ ہے"

ظاہر ہے کہ یہ آواز نہ سلمیٰ کی تھی، نہ والدہ صاحبہ کی اور ساجد صاحب کہنے والی بھی سوائے ریحانہ کے کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ ہمارے ہی ایک مضمون کا حوالہ دیا جا رہا تھا۔ اس قسم کے موقعوں پر روح میں جو ایک قسم کی بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے اس کو خدا جانے کمزوری کہنا چاہیئے یا شہ زوری بہر حال ہم اس وقت کچھ خوش ہوئے تھے اور جی چاہتا تھا کہ ریویو کا سلسلہ جاری رہے مگر وہ سلسلہ ختم ہو گیا اس وقت گاڑی چھتر منزل کی طرف سے گذر رہی تھی۔ اُسی نئی آواز کو ہم نے پھر سُنا "یہ دیکھو یہ چھتر منزل ہے آجکل اس میں شام کو ٹینس اور رات کو تاش کھیلے جاتے ہیں مگر نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ سنگین کھیل ہُوا کرتے تھے"

کیا تبصرہ تھا اور کس قدر جامع تنقید تھی۔ کتنی معنویت تھی "سنگین کھیل" کی معمولی سی ترکیب میں۔ اس لڑکی کی ذہانت کا اندازہ تو خیر اتنی ہی سی بات سے ہو گیا تھا مگر حیرت یہ تھی کہ شیخ صاحب کی صاحبزادی اس قدر طباع کیونکر ہو سکتی

ہیں۔ ابھی ہم چھتر منزل کی تنقید کا لطف ہی اٹھا رہے تھے کہ حضرت گنج کے متعلق تبصرہ سننے میں آیا۔ "یہ یہاں کا فیشن ایبل بازار ہے خصوصیت صرف یہ ہے کہ چیزیں ذرا مہنگی ملتی ہیں تاکہ رؤسا کو خریداری کے وقت شرم نہ آئے"۔

طنز کی شگفتگی نے طبیعت باغ باغ کر دی۔ اور ہم ان تنقیدوں کا لطف اٹھاتے ہوئے بنارسی باغ میں داخل ہو گئے پھر وہی آواز آئی "لیجئے بنارسی باغ آ گیا یہاں سب سے بڑا جانور اُن جانوروں کی مجبوریاں دیکھنے آتا ہے جن کو اس نے قبضہ میں کر رکھا ہے"۔

کار ایک درخت کے سایہ میں روک دی گئی اور ہم نے سلمیٰ سے کہا "آپ لوگ یہاں پیدل ہی سیر کر سکتے ہیں۔ بس برقع سنبھالئے اور نکل آئیے"۔

تینوں خواتین کار سے نکل آئیں اور ہم سب دیر تک بنارسی باغ میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ اِس قسم کے موقعوں پر بے پردگی ہو ہی جاتی ہے خصوصاً ان حالات میں کہ دیکھنے والا دیکھنا چاہے اور پردہ کرنے والی خود بھی اس کا موقع دے۔ ہم یہ تو خیر نہیں کہتے کہ ریحانہ نے دانستہ ہم کو اس کا موقع دیا کہ ہم اُس کی جھلک دیکھ سکیں مگر یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ اپنے کو بہت زیادہ چھپانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ نہایت شاعرانہ خد و خال۔ چہرہ پر ذہانت کا وقار اور ادبی قسم کی شگفتگی۔ آنکھوں کا اندازہ نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ وہ چار ہی نہ ہوئیں۔ مگر لاحول ولا قوۃ ہم کو ان باتوں سے کیا سروکار اور ہم ہوتے ہی کون تھے اُس کو دیکھنے اور یہ دیکھنے

والے۔ یہ تو نہایت غیر شریفانہ حرکت تھی کہ ہم اس طرح دیدار گویا چرا رہے تھے نگاہوں کی اس چوری پر دل نے ہم کو ملامت کی اور خودبخود نگاہیں اس طرف سے ہٹ گئیں آنکھیں جھک گئیں اور فوراً ہی دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا کہ ہم ہیں واقعی شریف ورنہ آجکل اس قسم کی احتیاطوں کا شرافت سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان باتوں کو نوجوانی کا جائز حق سمجھا جاتا ہے۔ ان ہی باتوں کو نہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ شرمناک اور غیر شریفانہ باتوں کو بھی، خیر اس حد تک تو ہم بھی قائل تھے کہ اگر نظر اور نظارہ کے درمیان دیکھنے اور دکھانے کا سمجھوتہ ہو چکا ہو اور کوئی پردہ درمیان نہ ہو تو ناظر کے سر الزام نہیں آسکتا۔ مثلاً بہت سی عورتیں نکلتی ہی اس لئے ہیں کہ ان کو دیکھا جائے اور اگر نہ دیکھا جائے گا تو ان کو گویا شکایت ہو گی نہ دیکھنے والوں سے، اس قسم کی دعوتِ دیدار کو ٹھکرا دینا بھی غلط ہے مگر یہ تاکا جھانکی کہ برقعہ کی نقاب کو ذرا سی جنبش ہو جائے اور دیکھنے والے کی نگاہ کے چھرے اُڑے اگر سچ پوچھیے تو اُچکا پن ہے اور غالباً اسی قسم کے اُچکے پن میں اس وقت ہم بھی مبتلا تھے شکر ہے کہ فوراً ہوش آگیا اور اپنے شجرے کا خیال بھی کہ ہم شریف زادے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جس قدر دیکھ چکے تھے اس کے بعد عام طور پر اور دیکھنے کی تمنا ہوتی ہے اور نظر لاکھ چرائی جائے مگر گھسٹتی اسی طرف ہے لیکن ہم سے یہ نہ ہو سکا کہ جن محترم بزرگ نے اپنی لڑکی کو ہمارے اعتماد پر ہمارے

ساتھ بھیجدیا ہے ہم ان کے اعتماد کو یہ خفیف سا سہی مگر صدمہ پہنچائیں - اس قسم کی باتیں سوچنے کے بعد انسان خود اپنی نظر میں بلند ہو جاتا ہے - ہم بھی اسی بلندی کے احساس کو لئے ہوئے اس سبیر سے واپس لوٹے -

## ۳

شیخ صاحب کی مستورات میں اور والدہ صاحبہ اور سلمیٰ میں اس قدر ربط بڑھ گیا کہ دو ہی چار دن کے اندر والدہ صاحبہ اور سلمیٰ کو ان کے یہاں کی خدا جانے کیا کیا باتیں معلوم ہو گئیں کہ ان کا ایک لڑکا میڈیکل کالج میں پڑھ رہا ہے اُس کی شادی جس لڑکی سے ٹھہری ہوئی تھی اس لڑکی نے ایک دوسرے لڑکے سے شادی کر لی ہے۔ شیخ صاحب کی اس کوٹھی کے علاوہ دو اور کوٹھیاں بھی لکھنؤ میں ہیں اور ایک کوٹھی مصوری میں ہے۔ شیخ صاحب نے حال ہی میں مسلم لیگ کی تحریک پر خان بہادری کا خطاب واپس کیا ہے۔ شیخ صاحب صبح کو صرف سنگترے کے عرق کا ایک گلاس پیتے ہیں اور صرف رات کو کھانا کھاتے ہیں۔ شیخ صاحب اپنی بیوی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اور نہ جانے کیا کیا اللّم غلّم باتیں ان کو معلوم ہو گئیں مگر معلوم نہیں کیوں اس سلسلہ کی صرف ایک اطلاع پر ہمارے کان کھڑے ہوئے کہ شیخ صاحب ریحانہ کی نسبت اپنے بھائی کے لڑکے شکیل سے طے کر چکے ہیں اور اس کو صاحبزادی کے شایانِ شان بنانے کے لئے ولایت بھی بھیج دیا ہے تاکہ وہ بیرسٹر ہو کر آجائیں۔

اب اگر سچ پوچھیئے تو ہم اپنی ایک اور عقلمندی بھی ظاہر کر دیں زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ سب ہنس لیں گے ہم پر تو کیا ہوا ہم کو خود اپنی اس حماقت پر ہنسی آتی ہے دوسرے اس قسم کی غلط فہمی آخر پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ بات یہ ہوئی کہ جب ہم نے شیخ صاحب کی بڑھی ہوئی توجہ اور شفقت کو سمجھنے کی کوشش کی تو آخرکار یہ بات سمجھ میں آئی کہ شاید وہ اس خاکسار کو غلامی میں قبول کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ اس خیال میں پختگی ہی ہوتی گئی۔ بات یہ ہے کہ آجکل شرفاء کے لیئے جو کنواری لڑکیوں کے باپ بھی ہوں سب سے بڑی مہم ہوتی ہے معقول قسم کے لڑکوں کی جستجو جن کو وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو حوالے کر کے سوسائٹی میں سرنگوں نہ ہو سکیں اور دل کو بھی اطمینان رہے کہ وہ اپنے فرض سے خوش اسلوبی کے ساتھ سبکدوش ہوئے ہیں۔ ہم کو اپنے متعلق یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہم اور خواہ کچھ بھی ہوں مگر نامعقول نہیں ہیں۔ خاندانی ہیں۔ تھوڑے بہت پڑھے لکھے بھی ہیں برسرروزگار بھی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ شیخ صاحب پر اپنی سعادتمندی کا سکہ اس حد تک بٹھا چکے ہیں کہ وہ ہمارے ملازم تک کو برطرف کر سکتے ہیں اور ہم دم نہیں مار سکتے۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ وہم یقین کی حد کو تو یوں ہی پہنچ چکا تھا اس پر طرہ یہ کہ شیخ صاحب نے ہمارے اعزہ کی خاطر مدارات میں جس سیر چشمی اور حوصلے سے کام لیا ہے اس کے معنی بھی ہم یہی سمجھے۔ پھر اس مدرسیر کے لیئے جب جانے لگے تو ریحانہ کو اس طرح ہمارے ساتھ کر دینا گویا ایک مزید

تصدیق تھی۔ مگر یہ معلوم ہو کہ یہ محض ہماری حماقت ما آبی تھی اور ریحانہ کی نسبت اس حد تک طے ہو چکی ہے کہ شکیل کو شیخ صاحب نے ولایت بھیج رکھا ہے۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شیخ صاحب کی لڑکیاں تو دو اور تھیں مگر وہ دونوں اتنی چھوٹی کہ ان کے متعلق اس قسم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھر آخر شیخ صاحب ہماری طرف اس قدر متوجہ کیوں تھے یہ معمہ جس قدر ہم سلجھانا چاہتے تھے اسی قدر الجھتا جاتا تھا اور نتیجہ یہ کہ آخر تھک کر ہم نے اس سلسلہ میں غور کرنا ہی چھوڑ دیا۔

والدہ صاحبہ سلمٰی اور خالہ پندرہ دن کے قیام کے بعد واپس چلے گئے اب پھر وہی تنہائی تھی اور ہم۔ ہم تھے اور ہم پر شیخ صاحب کا پہرہ کہ کس وقت سو کر اُٹھے کس وقت دفتر گئے۔ کب لوٹے اور کب سوئے مگر اسی کے ساتھ ہمارے آرام و آسائش کا ہر خیال پوری دلچسپی کے ساتھ شیخ صاحب کو رہتا تھا۔ مگر جب سے ہمارا یہ طلسم خیال ٹوٹا تھا ہم کو اور بھی اپنا بار شیخ صاحب پر ڈالتے ہوئے شرم آرہی تھی اور ہم اسی فکر میں تھے کہ کسی طرح یا تو ہم کو کوئی مکان مل جائے یا کوئی نوکر مگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ آج ملتا ہے نہ کل آخر ایک دن ہم نے پھر ہمت کر کے شیخ صاحب کو ایک عریضہ لکھا :۔

بزرگ محترم و معظم

السلام علیکم۔ یہ عریضہ میری اس کمزوری کا اعتراف ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں زبانی عرض نہیں کر سکتا۔ مگر "بن کہے بھی رہا

نہیں جاتا۔" آپ نے اس عرصہ میں جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے میں
بغیر کسی تصنع کے عرض کرتا ہوں کہ شاید والد صاحب محترم بھی اُس
سے زیادہ شفقت میرے ساتھ نہ فرما سکتے۔ مگر اب میں نہایت عاجزی
کے ساتھ آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ مجھ کو یا تو کسی ہوٹل میں اپنے
طعام کا انتظام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے ورنہ جو اخراجات اس
سلسلہ میں ہوتے ہیں ان کو پیش کرنے کی اجازت۔ اس میں شک
نہیں کہ یہ باتیں آپ کی عالی حوصلگی کے زاویہ میں آکر بہت پست
بن جاتی ہیں مگر میری حالت پر بھی تو غور کیجئے کہ خود مجھ پر ان ہی معمولی
باتوں کا کتنا بار ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ میری اس جسارت کو آپ
معاف فرمائیں گے اور میرے احساسات کو پیشِ نظر رکھ کر مجھ کو اس
کا موقع دیں گے کہ ایک ذہنی کشمکش سے آزاد ہو سکوں۔ آپ کی
شفقت مجھ کو خرید چکی ہے اور میں ہر حال میں آپ کا ہوں۔

احقر ساجد

ابھی اس رقعہ کو گئے ہوئے مشکل سے بیس منٹ ہوئے ہوں گے کہ برآمدے
میں شیخ صاحب کی آواز گونجی۔" میں نے کہا مسٹر۔ میں آسکتا ہوں ؟"
ہم نے چلمن اُٹھاتے ہوئے کہا" تشریف لائیے ؟"
شیخ صاحب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا" ذرا اس دروازہ کو بھی کھول دو"

جو میرے کمرے میں کھلتا ہے بیگم تم سے کچھ کہنا چاہتی ہیں "

ہم نے اُٹھ کر وہ دروازہ بھی کھول دیا جو شیخ صاحب کے کمرے کو ہمارے کمرے سے ملاتا تھا۔ شیخ صاحب نے بلند آواز سے کہا " اے بھئی آگئی ہو تم "

بیگم صاحبہ کی آواز آئی " ہاں آگئی ہوں "

ہم نے بلند آواز سے کہا " آداب عرض "

جواب ملا " جیتے رہو۔ خوش رہو۔ کیوں بھئی یہ خط کیسا لکھا تم نے۔ اتنے دن تک ساتھ رہنے کے بعد بھی اگر تم اپنے کو محض کرایہ دار اور ہم لوگوں کو مالک سمجھ رہے ہو تو خوب قدر کی تم نے ہماری محبّت کی "

شیخ صاحب نے فرمایا " سمجھ گئے کیا کہہ رہی ہیں "

بیگم صاحبہ نے ڈانٹا " خیر وہ تم سے زیادہ سمجھدار ہیں اور میں کوئی لاطینی بول بھی نہیں رہی ہوں کہ تم بیٹھ کر سمجھاؤ۔ ہاں تو ساجد میاں میں تو تم سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر تم کو ان سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے تو تم کو معلوم نہیں یہ اپنے حواسوں ہی میں نہیں ہیں اور اگر کسی سے خفا ہوئے ہو تو مجھ سے کہو مگر یہ جو تم سمجھو کہ گھر کے ہوتے ہوئے تم ہوٹلوں میں مارے مارے پھرو یہ نہیں ہو سکتا "

ہم نے کہا " اب مجھ کو قسم کھانا پڑی کہ مجھ کو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے، بلکہ میں تو آپ لوگوں کے احسانات ——— "

بیگم صاحبہ نے ٹوکا " خدا کے لئے یہ احسان وحسان جانے دو۔ تم میرے

بچے ہو۔ والدین اگر بچوں کے ساتھ احسان کر سکتے ہیں تو شاید ہم لوگوں نے بھی احسان کیا ہوگا ورنہ ہم کو تو تمہاری شرافت۔ نیکی اور سعادتمندی نے خود اس کے لئے مجبور کیا ہے کہ تم کو اپنے میں سے ایک سمجھیں۔"

ہم نے کہا "یہ درست ہے مگر آپ خود ہی بتائیے کہ بیٹے کا کیا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنی کمائی ماں باپ کے ہاتھ پر لا کر رکھے"؟

شیخ صاحب بولے "یہ کہی ہے۔ اب دو اس منطق کا جواب۔ کم سے کم میں تو مان گیا۔"

بیگم صاحبہ نے پھر ڈانٹا "تم ضرور بولے جاؤ۔ تم جا کر آخر غریبوں کو دانہ کیوں نہیں دیتے۔ نہ سمجھیں نہ بوجھیں بولیں گے ضرور۔ میں تو مان گیا۔ ساجد میاں۔ یہ ٹھیک ہے اور میں بے شک تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں تو تمہاری کمائی بھی خوشی سے لے سکتی ہوں مگر تم تو اپنے اخراجات دینا چاہتے ہو نا۔ سو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ میرا کماؤ بیٹا سارے گھر کا خرچ اُٹھائے۔ میاں، اس قسم کی باتیں چھوڑو اب تم کرایہ دار نہیں ہمارے عزیز ہو۔ ہم کو کم سے کم ایک سہارا تو ہے کہ ہمارا بھی کوئی یہاں موجود ہے۔ یہ ہیں ان کے حواس جیسے کچھ بھی ہیں بس کچھ نہ پوچھیے صاحبزادے ہیں ان کو گھر سے کوئی سروکار ہی نہیں جس دن سے ان کی شادی کا قصّہ گڑبڑ ہوا ہے ان کے حالات ہی کچھ اور ہو گئے ہیں سُنا ہے کہ اب تو کالج کی کسی نرس سے وہ انگریزی قاعدے پر شادی کرنے والے ہیں کیا کہتے ہیں اُس کو کونسی

میرج ——"

شیخ صاحب نے کہا "سول میرج۔ گدھا کہیں کا —— اُلو کا ——

یعنی —— خیر ——"

ہم نے کہا "تو آخر اس میں آپ لوگوں کے کڑھنے کی کونسی بات ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے بیٹیا۔ رنج ہوتا ہی ہے۔ ایک سے ایک لڑکی خاندان میں موجود ہے اور اگر سچ پوچھو تو صاحبزادے کے اگر یہ لچھّن نہ ہوتے تو میں تم ہی سے کہتی کہ سلمیٰ کو مجھے دے دو۔ ہائے میری آنکھوں میں خاک کیسی اچھی لڑکی ہے۔ سُگھڑ۔ پڑھی لکھی۔ نیک۔ سلیقہ کی۔ میرا دل تو ایسا خوش ہوا اس کو دیکھ کر کہ میں کیا کہوں مگر صاحبزادے تو اپنے قابو ہی کے نہیں ہیں۔ اب تم اتنے دن سے یہاں ہو کبھی تم نے بھی ان کو گھر کا رُخ کرتے دیکھا ہے۔ اب تو میں نے بھی صبر کر لیا ہے جو چاہے کریں ڈاکٹری کا آخری سال ہے ہم لوگوں سے جو کچھ ہو سکا ان کے لئے اب تک کیا اور اب بھی کریں گے مگر وہ ہمارے قابو کے نہیں ہیں بیٹیا۔"

شیخ صاحب پھر بولے "اجی نہایت اُلّو ہے سخت گدھا۔ یعنی مجھ کو تو وہ اپنا باپ سمجھتا ہی نہیں۔ کانگریسی ہے بالکل مسلم لیگ کا سخت دشمن۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "بس تم اپنی مسلم لیگ اور کانگریس کئے جاؤ۔ تم کو کیا وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا اور نہ وہ کانگریسی ہے نہ لیگی وہ تو خدا جانے کیا ہو کر رہ

گیا ہے۔ تو خیر بیٹا اگر تم بھی میرا دل توڑنا چاہتے ہو تو تم کو اختیار ہے ورنہ میں تو تمہاری ماں سے دوپٹہ تک بدل کر تمہاری خالہ بن چکی ہوں۔ اب اگر تم نے اس قسم کی باتیں کیں تو مجھ کو تمہاری مرمت کرنے کا بھی حق پہنچتا ہے۔"

شیخ صاحب بھی ہنس دیئے اور ہم بھی یعنی یہ قصّہ ہی ختم ہو گیا اور ہم پھر جوں کے توں رہ گئے۔

## ۴

اشرف یعنی شیخ صاحب کے ان صاحبزادے کے متعلق جو میڈیکل کالج میں فائنل کی تیاریوں میں مصروف تھے تحقیقات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دراصل اتنا بُرا آدمی ہرگز نہیں ہے جیسا کہ شیخ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے سمجھ رکھا ہے البتہ وہ گھر سے بے تعلق ضرور ہو کر رہ گیا ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہ ہے کہ اس کو اپنے والدین سے کچھ ایسی شکائتیں ہیں جن کو وہ کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتا۔ مگر یہ افواہ کہ وہ کسی نرس سے سول میرج کرنے والا ہے قطعاً غلط ثابت ہوئی بلکہ اس کے برعکس معلوم یہ ہوا کہ وہ اس جد و جہد میں مصروف ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے میڈیکل کالج سے نکل کر والدین کی اس اعانت سے بے نیاز ہو جائے جو باوجود شدید اختلاف کے فی الحال حاصل کرنے پر مجبور تھا۔ ہمارے دفتر ہی کے ایک صاحب اس کے نہایت عزیز دوست تھے اور ان ہی سے یہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو ہم نے بھی اشرف سے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اُن ہی دفتری دوست یعنی خواجہ صاحب نے ایک دن ہم کو اور اشرف کو اپنے یہاں چاء پر مدعو کر لیا۔

اشرف سے ملنے کے بعد ہم نے اندازہ کیا کہ وہ تو اُس تصوّر اور اُس تخیّل سے قطعاً جداگانہ انسان ہے جو شیخ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کی گفتگو کی روشنی میں ہم نے اُس کے لئے قائم کر رکھا تھا۔ نہایت خلیق۔ ہنس مکھ۔ منکسر مزاج کا آدمی۔ گفتگو میں ادبی شیرینی۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ خواجہ صاحب نے جیسے ہی ہمارا نام لیا وہ فوراً بول اُٹھا۔ "آپ کی تقریباً ہر کتاب میری نظر سے گذر چکی ہے مگر میں تو آپ کو سن رسیدہ بزرگ سمجھتا تھا یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ آپ تو ہمارے ہی ہم عمر نکلے"۔

خواجہ صاحب نے مزید تعارف کے طور پر یہ بھی بتادیا کہ ہم ان ہی کی کوٹھی میں مقیم ہیں اور عقلمندی ملاحظہ ہو کہ وہ نرس والا قصہ بھی اُگل دیا کہ آپ کے والدین نے ان سے نرس والا قصہ بیان کیا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اس کو شاید اس موقع پر غصہ آجاتا مگر اُس نے نہایت شگفتگی کے ساتھ کہا۔ "اس میں نہ ابا جان کا قصور ہے نہ امّی جان کا قصور ہے صرف ان دونوں کی سادہ لوحی کا کہ امّی جان ہر سازش کی شکار ہو رہی ہیں اور ابا جان کی ذاتی رائے تو خیر کچھ ہوتی ہی نہیں امّی جان جو کہہ دیں وہ درست ہے"۔

ہم نے کہا۔ "مگر آپ کے ایسے خوشگوار نوجوان کے خلاف آخر وہ کون لوگ ہیں جو سازش کر سکتے ہیں"۔

اشرف نے کہا۔ "یہ بہت طویل داستان ہے بھائی جان۔ سازش وہی لوگ

کر سکتے ہیں جن کے کچھ اغراض وابستہ ہوں۔ میں نے یہ دُکھڑا آج تک کسی کے
سامنے نہیں رویا مگر نہ تو خواجہ صاحب غیر ہیں اور نہ ان کی وجہ سے آپ، لہذا
آج میں یہ قصہ ہی آپ دونوں کو سنا دوں خصوصاً اس لیے اور بھی کہ آپ ہر
وقت وہاں رہتے ہیں آپ کو میرے حالات معلوم ہونے کا یقیناً حق ہے۔ بات
دراصل یہ ہے کہ میری ایک نہایت عزیز بہن ہے ریحانہ وہ مجھ سے بے حد
مانوس ہے اور میں اُس سے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ ریحانہ کی تعلیم و تربیت اور
اس کے ذہنی سُدھار میں میرا سب سے بڑا ہاتھ ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ساجد صاحب
وہ اس قدر ذہین اور طباع لڑکی ہے کہ میں نے ایسی ذہین بہت کم لڑکیاں
دیکھی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ لڑکیاں عام طور پر لڑکوں سے زیادہ ذہین ہوتی ہیں
یا یہ کہ لیجئے کہ لڑکے عام طور پر لڑکیوں سے زیادہ کودن ہوتے ہیں۔ بات
ایک ہی ہے۔ اس ذہانت کے بدولت وہ بیحد حساس بھی واقع ہوئی ہے
بیحد خوددار بھی ہے اور بیحد خوداعتماد بھی۔ مختصر یہ کہ میں اُس لڑکی کو نہایت
نازک احساسات کی لڑکی سمجھتا ہوں اور اس حقیقت کو میرے والدین سمجھنے کے
قابل ہی نہیں اس لئے کہ وہ اُس دور کی یادگار ہیں جب احساسات کے نام کی
کوئی چیز ہی نہ ہوتی تھی۔ بہرحال لڑکی کے متعلق ایک ہلکا سا خاکہ اپنے ذہن میں
رکھ کر اب ذرا یہ ٹریجڈی ملاحظہ ہو کہ ہمارے ایک چچاجان واقع ہوتے ہیں
نہایت دنیا ساز اور نہایت جادوگر قسم کے انسان۔ اُن حضرت نے اس بات

کا اندازہ کرنے کے بعد کہ والد صاحب قبلہ خود کوئی چیز نہیں ہیں بلکہ والدہ صاحبہ
کے اشاروں پر چلنے والے ایک شوہر واقع ہوئے ہیں اپنا جال والدہ صاحبہ پر
ڈالا۔ والدہ صاحبہ کی سب سے بڑی کمزوری ہے خوشامد پسندی۔ ان کی خوشامد کر
کے جس کا جو جی چاہے حاصل کر لے۔ ان بزرگ نے بھابی صاحبہ اور بھابی صاحبہ
وہ کہہ کر جو خوشامدوں کے پل باندھے تو بھابی صاحبہ بس اُن ہی کا کلمہ پڑھنے
لگیں حد یہ ہے کہ اُن حضرت نے اپنے نہایت نالائق صاحبزادے میاں شکیل
کو ریحانہ کے لیے پیش کر دیا۔ ان صاحبزادے کی مختصر تعریف یہ ہے کہ باپ
چار سو بیس ہیں مگر صاحبزادے صفر۔ عقل ان کے حدود اربعہ میں کہیں پر نہیں۔
تعلیم کا یہ حال کہ بمشکل تمام مرکھپ کر انٹرنس پاس کر سکے۔ شوق اللہ کے فضل
سے سب ہی، صحبت ایسی کہ ایک سے ایک تھرڈ کلاس بازاری ان کا دوست۔
میں نے جب اس نسبت کا ذکر سُنا تو آگ ہی لگ گئی کہ میرے تراشے ہوئے ہیرے
کو اس پتھر سے توڑنے کے منصوبے ہو رہے ہیں میں نے پہلے تو والدہ صاحبہ کو
سمجھانے کی کوشش کی اس کے بعد کھُلّم کھُلّا مخالفت کی مگر چچا جان کا جادو اپنا کام
کر چکا تھا والدہ نے تعلیمی کمزوری کو تسلیم بھی کیا تو والد صاحب نے مشورہ دے دیا کہ
ولایت بھیج دو وہیں سے پڑھے لکھے گویا پڑھا دیئے جاتے ہیں، طے پایا کہ ولایت
ہی میں بی۔ اے بھی کر لیں گے اور اگر کوئی اور ڈگری نہ مل سکی تو بیرسٹری تو ولایت
والے اخلاقاً بھی گویا دے دیتے ہیں کہ یہ اتنے سمندر پار کر کے آیا ہے اب خالی

ہاتھ کیا جائے۔ میں نے پھر بھی شدید مخالفت کی نتیجہ یہ کہ وہ ولایت گئے اور میں سرکش غیر سعادتمند اور باغی سمجھ لیا گیا۔ میں نے بھی گھر سے اب کوئی تعلق نہیں رکھا ہے ریحانہ کے لئے تڑپتا ہوں مگر اپنے احتجاج پر اس محبّت کو بھی غالب نہیں آنے دیتا۔ اب چچا جان میرے خلاف والدین کو ہر وقت بھرا کرتے ہیں کبھی نرس کا قصّہ ہے تو کبھی کوئی اور قصّہ۔ یہ ہے اصل واقعہ اور یہ اس لئے آج میں نے آپ کو سُنایا ہے کہ اب اسی کی روشنی میں آپ اُن لوگوں کے قریب رہ کر میرے متعلق جو کچھ سُنیں اس کو سمجھ سکیں۔"

اشرف نے گویا اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دیا تھا اور ہم کو اس میں کوئی شک نہ رہا تھا کہ اس نے نہایت سچّائی سے تمام واقعہ بیان کر دیا ہے۔ اس کا بیان ختم ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے چاء کا دور شروع کر دیا مگر ہمارا دماغ اسی خیال میں اُلجھا ہوا تھا۔ چاء کا ایک کش لینے کے بعد ہم نے کہا "مگر اشرف صاحب یہ تو بہت بُری بات ہو گی کہ آپ گھر سے احتجاجاً غیر متعلق رہیں گے اور وہاں اُس بے زبان لڑکی کو اُن ہی حضرت کے پلّے باندھ دیا جائیگا جو بقول آپ کے کسی طرح اس کے قابل نہیں ہیں۔"

اشرف نے ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "تو اب آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہمارے یہاں کی لڑکیوں کو خواہ وہ کتنی ہی ذہین اور پڑھی لکھی ہوں اس آزادی کی ہوا بھی نہیں لگنے پاتی کہ وہ خود اپنی شادی کے معاملہ میں

دم مار سکیں مجھ کو معلوم ہے کہ یہ شادی ریحانہ کے لئے موت سے کم حادثہ نہ ہوگی مگر وہ خاموشی کے ساتھ اس موت کو گوارا کر لے گی اور کوئی احتجاج نہ کر سکے گی میں تمام کوششیں کر کے تھک چکا ہوں اور مجھ کو اندازہ ہو چکا ہے کہ والدین مجھ سے بچھڑنا گوارا کر سکتے ہیں مگر اس نسبت کو توڑنے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ یہ کہ جس طرح کسی مریض کی طرف سے چارہ گر مایوس ہو جاتے ہیں اور دوا کے بعد صرف دعا پر دارومدار ہو جاتا ہے وہی حال میرا ہے کہ میں نے ریحانہ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا "ارے بھئی آپ لوگ کچھ کھائیے تو سہی صرف چاء انڈیلتے جا رہے ہیں۔"

اشرف نے ہنس کر کہا "ساجد صاحب چھوڑیئے اس قصّہ کو خصوصاً اس مبارک موقع پر جبکہ آپ کے ایسے ادیب سے آج شرف نیاز حاصل ہوا ہے۔ کم سے کم میں تو آج کے دن کو اپنی تاریخ کا یادگار دن سمجھتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ آپ اس وقت میرے سامنے موجود ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ہر پڑھنے والے اور ادبی ذوق رکھنے والے کے کچھ پسندیدہ ادیب ہوتے ہیں چنانچہ مجھ کو اور ریحانہ کو ہمیشہ اس بات کی تلاش رہا کرتی تھی کہ آپ کی کونسی نئی کتاب نکلی ہے اور اس سلسلہ میں ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی کہ نئی کتاب پہلے کون پڑھے گا۔ پھر جب دونوں پڑھ چکتے تھے تو کتاب پر آپس میں

بخشیں ہوا کرتی تھیں۔ آپ کی تمام کتابیں میرے پاس موجود ہیں آپ کی تازہ ترین دو کتابیں "مقاماتِ آہ و فغاں" اور "خس و خاشاک" حال ہی میں خرید کر لایا ہوں غالباً یہی آخری کتابیں ہیں ان کے بعد تو کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوئی۔"

ہم نے کہا۔ "جی ہاں ان کے بعد ابھی کوئی کتاب نہیں نکلی۔"

اشرف نے کہا۔ "میں ان دونوں کو پڑھ چکا ہوں اور ریحانہ کو بھیجنے والا ہوں۔"

ہم نے کہا۔ "ان کو مل چکی ہیں آپ زحمت نہ فرمائیے گا۔ بات یہ ہوئی کہ ان کی سالگرہ کی مٹھائی آئی تھی تو میں نے تحفۂ درویش کی مناسبت سے تحفۂ ادیب کے طور پر بجائے برگِ سبز کے یہ دونوں کتابیں بھیجدی تھیں۔"

اشرف نے کہا۔ "اوہو۔ آپ نے اس کے لئے نہایت ہی قیمتی تحفہ بھیجا گویا اس سے زیادہ اور کسی تحفہ کی قدر اس کے نزدیک نہیں ہو سکتی تھی اب میرے لئے مصیبت دھری ہے جس وقت بھی ملاقات ہوئی اس بات پر اس قدر اترائے گی کہ ناک میں دم کر دے گی میرا۔ مگر ساجد صاحب یہ واقعہ ہے کہ مقاماتِ آہ و فغاں آپ کے آرٹ کی معراج ہے شگفتگی تو خیر آپ کا طرۂ امتیاز ہے ہی لیکن اسی پردہ میں آپ نے دل کی کچھ ایسی دھڑکنیں پیش کر دی ہیں جن کی مصوّری صرف آپ ہی کر سکتے تھے۔"

خواجہ صاحب نے شکایت کی۔ "کیوں حضت یہ آخر کیا حرکت ہے یعنی ہم گویا اس

قابل بھی نہیں کہ آپ کی کتاب دیکھ سکیں۔"

اشرف نے سنجیدگی سے کہا "مگر وہ کتاب اکاؤنٹس کے متعلق نہیں ہے۔"

خواجہ صاحب نے کہا "علم تشریح البدل سے متعلق ہے شاید۔"

ہم نے ہنس کر کہا "بھئی خواجہ زندگی بھر میں آج تم نے پہلی مرتبہ اندازہ کرایا ہے کہ اگر چاہو تو ذہانت سے تم بھی کام لے سکتے ہو۔"

اشرف نے کہا "ذہین تو خیر یہ ہیں مگر ذہانت کا جا بے جا استعمال نہیں کرتے اس سلسلہ میں نہایت کفایت شعار واقع ہوئے ہیں۔"

ہم نے کہا "سچ پوچھو تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم کو ان کتابوں سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

خواجہ صاحب بولے "یہ فیصلہ تو کتاب دیکھنے کے بعد ہی کر سکوں گا۔"

اشرف نے کہا "دیکھ لیجئے کس قدر احتیاط کی بات فرمائی ہے۔ اچھا بھئی خواجہ اب اجازت دو مجھ کو اس وقت ایک لکچر اٹنڈ کرنا ہے۔"

اور ہم سب پھر بہت جلد ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئے۔

# ۵

یہ تو خیر ہم کو معلوم تھا کہ ہمارے دفتر جانے کے بعد ہمارے حصّے کے مکان پر شیخ صاحب کے یہاں کے سب لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کمروں کی صفائی ہوتی تھی ہر چیز سلیقہ سے رکھی جاتی تھی اور جب ہم دفتر سے واپس آتے تھے تو ہم کو اپنے کمرے آراستہ ملتے تھے کتابیں جو ہم پھیلا جاتے تھے وہ ڈھنگ سے رکھی ہوئی ملتی تھیں۔ میز جس کو ہم کباڑیے کی دوکان بنا جاتے تھے باقاعدہ سجی ہوئی نظر آتی تھی۔ کپڑے الماری میں ٹنگے ہوئے ملتے تھے جوتے پالش کئے ہوئے پاتے تھے مختصر یہ کہ ہم کو شیخ صاحب کے ملازموں کے سلیقہ کو دیکھ کر شیخ صاحب سے رشک پیدا ہو گیا تھا کہ کیسے تمیز دار ملازم ان حضرت کو مل گئے ہیں۔ ایسے تمیز دار کہ کبھی کوئی کتاب بھول کر بھی اُلٹی نہیں لگاتے کتابوں کی الماری میں۔ اور میز پر بکھرے ہوئے کاغذ بھی کبھی اس طرح نہیں رکھتے کہ صفحہ سات کے بعد صفحہ بارہ رکھدیا اور پھر صفحہ آٹھ۔ جی نہیں پوری ترتیب کے ساتھ ایک ایک کاغذ رکھا ہوا ملتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ کیا مجال جو کبھی کوئی چیز غائب ہو جائے۔ ہماری زندگی میں قفل کنجی کو کبھی کوئی دخل حاصل نہ ہو سکا اور نہ اب تھا۔ تمام بکس کھلے ہوئے۔ ہر

الماری کھلی ہوئی میز میں بھی کوئی چیز بند نہیں۔ مگر کبھی کوئی چیز غائب نہ ہو سکی ملازم جب تک تھا اس وقت تک قمیضیں اور پاجامے برابر کھوتے رہے۔ ہم جانتے تھے کہ اس گمشدگی کا راز کیا ہے مگر یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس راشن اور کنٹرول کے زمانہ میں ایک خوش پوشاک ملازم چوری نہ کرے گا تو کیا کرے گا مگر اس کے باوجود کبھی کوئی چیز بند نہ کی صرف ایک مرتبہ ملازم کو دوستانہ مشورہ دے دیا تھا کہ دیکھو بھئی آجکل لٹھا ملتا نہیں اس لئے پاجاموں کی گمشدگی سے ذرا دلشکنی ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود پاجامے غائب ہوتے گئے اور آخر ہماری سمجھ میں آگیا کہ لٹھا اگر ہم کو نہیں ملتا تو اس بے چارے کو تو اور بھی نہ ملتا ہوگا لہذا چپ ہو رہے۔ مگر اس ملازم کے جانے کے بعد سے پاجامہ تو پاجامہ کوئی رومال تک غائب نہ ہو سکا نہ ہم کو یہ خبر کہ کب کپڑے دھوبی کو دیئے جاتے ہیں اور کب واپس آتے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خود بخود ہر کام ہو رہا ہے۔

ایک روز ہمارے کنٹرولر صاحب نے قلب کی حرکت بند کر کے اپنے اوپر موت کا دروازہ کھول دیا۔ اور دفتر میں چھٹی ہو گئی۔ اب جو گھر آتے ہیں تو ایک کمرے سے وہی آواز جو موٹر میں ہم سن چکے تھے آ رہی تھی "آٹھ قمیضیں۔ چھ پاجامے۔ تین میز پوش چار چادریں۔ چھ غلاف۔ آٹھ رومال۔ دو پتلون۔ دو کوٹ مگر دیکھو کوٹ اور پتلون تہ کر کے نہ لایا کرو استری خراب ہو جاتی ہے یہ ہینگر لیتے جاؤ اور دیکھو یہ بش شرٹ ہیں دو ان کو بھی ہینگر ہی میں ٹانگ کر لانا کالر میں کلپ دینا۔

اور بٹن تو تم ہمیشہ توڑ کر لاتے ہو ——"

ہم کمرے کے باہر نکل گئے مگر غالباً ہمارے اس نکلنے کی آہٹ پا کر وہ بھی چونک چکی تھیں چنانچہ فوراً دھوبی نکل کر آیا اور ہم کو دیکھ کر پھر واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک چھپا کے تھا تھر بیچ والے کمرے سے وہ گذریں اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ دھوبی نے ہم سے آ کر کہا "آجائیے سرکار پردہ ہو گیا ہے"۔ دھوبی تو کپڑے لے کر روانہ ہو گیا اور ہم اپنے کمرے میں آ گئے۔ کپڑے اُتار رہے ہی والے تھے کہ شیخ صاحب کی چھوٹی بچی ثریا جس کو ہم گڈیا کہا کرتے تھے ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہم نے کہا "کہو گڈیا بہن کیا بات ہے اب تم بہت غائب رہنے لگی ہو"

گڈیا نے ہنس کر کہا "کہیں بھی نہیں کل تو آئی تھی آپ کے پاس"۔ اور یہ کہہ کر اس نے الماری سے ایک پاجامہ اور کمر بند نکال کر کچھ اور ٹٹولنا شروع کر دیا۔

ہم نے پاجامہ اور کمر بند لیتے ہوئے کہا "لاؤ گڈیا ان ہم کمر بند ڈال لیں"

اس نے کمر بند چھینتے ہوئے کہا "جی نہیں آپ ایک کرتہ اور بنیائن نکال دیجئے اس میں سے آپا مانگ رہی ہیں"

ہم نے کہا "مگر بھائی یہ تو میرے کپڑے ہیں"

گڈیا نے کہا "ہاں ہاں آپ کے کپڑے ہیں آپا کوئی کھا تھوڑی لیں گی آپ کے کپڑے وہ ٹھیک کر کے آپ ہی کو بھیج دینگی"

ہم نے کرتہ اور بنیائن نکال کر گڑیا کو دیتے ہوئے کہا "تم یہ سمجھتی ہو گی کہ مجھ کو کمر بند بھی ڈالنا نہیں آتا۔"

گڑیا نے بھولے پن سے کہا "میں کیوں سمجھنے لگی آپا ہی سمجھتی ہونگی جب ہی تو مجھ سے کہا ہے کہ ان کو چھونے نہ دینا کپڑے بس لے ہی آنا۔"

ہم نے کہا "اچھا بھائی جو تمہاری مرضی۔"

گڑیا کپڑے لیکر چلدی اور ہم نے اس عرصہ میں سگریٹ سلگا لیا اور آج کا پڑھا ہوا اخبار پھر لگے پڑھنے کہ اتنے میں گڑیا بی پھر کپڑے لئے تشریف لائیں پاجامہ میں کمر بند پڑا ہوا تھا۔ بنیائن معطر تھی اور کرتے کی آستینیں نہایت سلیقہ سے چنی ہوئی تھیں۔ ہم نے کہا "شکریہ گڑیا بی بہت بہت شکریہ۔"

گڑیا نے کہا "بہت بہت کیوں۔ میں نے تو صرف کمر بند ڈالا ہے۔ باقی کام تو آپا نے کیا ہے۔ اور ہاں۔ لے لو۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آج آپ ابھی سے کیسے آگئے؟"

ہم نے کہا "کیوں کیا تم کو برا لگا میرا جلد آجانا۔"

گڑیا نے معصومیت سے کہا "نہ نہیں۔ آپا ہی کہہ رہی تھیں کہ نہ جانے کیا بات ہے جو ابھی سے آگئے کہیں کچھ طبیعت تو خراب نہیں ہے۔"

ہم نے گڑیا کے گال پر ایک طمانچہ سہلا کر کہا "نہیں بی بی۔ دفتر میں جب چھٹی ہو جائے تو آدمی گھر آجایا کرتا ہے۔ یہی بات آج میرے ساتھ ہوئی۔"

گڑیا تو ایک اخبار کی تصویریں دیکھنے میں مصروف ہو گئیں اور ہم نے غسل خانہ میں پہنچ کر غسل کے بعد لباس تبدیل کیا اور باہر جو آئے تو بجائے گڑیا کے شیخ صاحب کو اُسی اخبار کی تصویریں دیکھتے پایا۔ ہم کو دیکھتے ہی فرمایا "یعنی آج اسی وقت آ گئے۔ خیریت تو ہے"؟

ہم نے کہا "ہمارے کنٹرولر صاحب کا انتقال ہو گیا لہذا آج تمام دفاتر بند کر دیئے گئے"۔

شیخ صاحب نے فرمایا "شکر ہے" اور ہم حیران کہ کنٹرولر صاحب کے انتقال پر شکر کا کونسا موقع تھا مگر فوراً ہی شیخ صاحب نے جملہ پورا کیا "تمہاری خالہ صاحبہ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں خدانخواستہ کچھ طبیعت تو خراب نہیں ہے"؟

اور عین اسی وقت دروازہ کے کھلنے کی آواز کے بعد ہی بیگم صاحبہ یعنی ہماری خالہ کی آواز آئی "ساجد میاں خیریت تو ہے آج اس وقت کیسے آ گئے"؟

ہم نے کہا "آداب عرض۔ جی ہاں ہمارے محکمہ کے ایک افسر کا انتقال ہو گیا لہذا دفتر بند کر دیا گیا"۔

بیگم صاحبہ نے فرمایا "میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ نہ جانے کیا قصہ ہے۔ آجکل فصل ایسی خراب ہو رہی ہے کہ دل ہی ڈرتا ہے۔ میاں تم بھی انجکشن لے لو میں نے تو محبوب بھائی سے کہا ہے کہ وہ کل ہی سب کے انجکشن لگوا دیں کل اتوار بھی ہے تم گھر میں بھی رہو گے۔ سُنا ہے کہ اس محلہ میں بھی دو تین آدمیوں کو

میعادی بخار ہو چکا ہے۔"

شیخ صاحب نے ترجمہ کیا "ٹائیفائڈ"۔

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں ہاں وہی ٹائی فائڈ اور کالرفائیڈ جو کچھ بھی ہو۔ اچھا کچھ پیئو گے تو نہیں"۔

ہم نے کہا "کیا پلوائیں گی آپ؟"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "اے بیٹا یہی کوئی شربت وربت یا کہو تو وہ موا انگریزی شربت بنا کر بھجدوں جس کا مزہ میری سمجھ میں تو آتا نہیں نہ کوئی خوشبو نہ کوئی مزے میں مزہ"۔

شیخ صاحب نے فرمایا "میری رائے میں اس وقت نارنج اُڑے"۔

بیگم صاحبہ نے ان کو ڈانٹا "خیر تم تو رہنے دو تم کو تو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا۔ اور اب تم کوئی میٹھی چیز کھاؤ تو دیکھو میں کیا کرتی ہوں رات بھر منٹ منٹ کے بعد پیشاب کے لئے اُٹھتے ہیں مگر زبان کسی طرح مانتی ہی نہیں۔ جس کو ایسا مرض ہو وہ ایسی بد پرہیزی کرے"۔

ہم نے کہا "کیا خدانخواستہ کچھ شکر کی شکایت ہے"۔

بیگم صاحبہ نے فرمایا "آج سے نہیں برسوں کے مریض ہیں دنیا کے علاج کئے مگر اس مرض کا علاج ہے پرہیز اور فاقہ۔ فاقہ تو خیر یہ کر ہی نہیں سکتے اور پرہیز ایسا کرتے ہیں کہ پرسوں رات کو پیشاب کے لئے جو اُٹھے تو نعمت خانہ

سے شیر برنج کا ایک پیالہ نکال چٹ کر گئے میں سمجھی کہ کم بخت بلّی نے نعمت خانہ کھولا ہے اب جو اُٹھ کر دیکھتی ہوں تو بلّی کی جگہ بلاؤ کو پایا ——"

شیخ صاحب نے ہنس کر کہا "بھئی یہ بلاؤ کی بھی ایک ہی رہی۔ ارے صاحب کوئی کہاں تک پرہیز کرے زندگی گذر گئی اسی روک تھام میں کہ یہ نہ کھاؤ اور وہ نہ کھاؤ"

ہم نے کہا "مگر ایسے مرض میں تو واقعی آپ کو اس قسم کی بدپرہیزی نہ کرنا چاہیئے۔ دوسرے آپ نے آج تک مجھ سے کہا ہی نہیں میرے دوست ڈاکٹر ہربنس لال ذیابیطس کے بہت بڑے ماہر ہیں آپ کل ہی میرے ساتھ چلئے ان کے پاس"

بیگم صاحبہ نے کہا "وہ بھی تو آخر دوا کے ساتھ پرہیز ہی بتائیں گے۔ پہلے یہ پرہیز کرنے کو تو تیار ہو جائیں"

ہم نے کہا "ہاں صاحب یہ تو بے حد ضروری ہے"۔ گڑیا بی شربت کا گلاس نہایت تمیز سے ایک طشتری میں رکھے اور موتیوں والا گلاس پوش ڈھکے اپنا اور گلاس کا توازن درست کرتی ہوئی تشریف لائیں ہم نے بڑھ کر گلاس لے لیا اور الماری سے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ نکال کر ان کو دیتے ہوئے کہا۔

"اس الماری میں آپ ہی کے لئے چاکلیٹ رہتا ہے نکال لیا کیجئے"

شیخ صاحب نے کہا "دیکھوں ذرا"

بیگم صاحبہ نے پھر ڈانٹا "خبردار۔ لے میں کہتی ہوں کہ کیا سچ مچ سٹھیا گئے ہو!"

گڑیا ہنستی ہوئی بھاگی اور شیخ صاحب بھی مسکراتے ہوئے چلے گئے ہم شربت پی کر ذرا لیٹ رہے۔

## ٦

دوسرے ہی دن ٹائیفائڈ کے ٹیکوں کے سلسلہ میں محبوب صاحب کی زیارت بھی ہو گئی - ان حضرت کو دیکھا تو بارہا تھا مگر دیکھنے کے لئے کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ ہم کو یہ معلوم تھا کہ آپ ہی کے صاحبزادے شکیل صاحب ولایت سے پاسپورٹ لینے گئے ہیں ریحانہ کے ساتھ شادی کرنے کا - واقعی یہ شخص بقول اشرف کے نہایت چلتا پرزہ نظر آتا تھا - آنکھوں سے وہ خباثت برس رہی تھی جو اس قسم کے لوگوں کے چھپائے نہیں چھپتی - آپ اس وقت بڑے انتظام الدولہ بنے ہوئے ٹیکے لگوانے کے انتظام میں مصروف تھے - ڈاکٹر کی میز ہمارے ہی برآمدے میں مرغیوں کی بدتمیزیوں کو صاف کر کے لگادی گئی تھی - ڈاکٹر بیچارہ تو اپنے کام میں مصروف تھا مگر جناب تھے کہ ایک ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھے - پانی گرم کرو - یہ میز یہاں رکھو - یہ کرسی اُدھر لگاؤ - معلوم ہوتا تھا کہ ٹائیفائڈ کے انجکشن نہیں ہو رہے ہیں - بلکہ یہ گھر لکھنؤ جنکشن بننے والا ہے - اور ساتھ ہی ساتھ نہایت تھرڈ کلاس لطائف و ظرائف مہمل ہنسی - بے معنی بکواس اور جا بجا بھابی صاحبہ کی شان میں ایک آدھ قصیدہ - "قسم خدا کی اگر اس گھر میں میری

بھابی نہ ہوں تو خدا جانے کیا حشر ہو اس گھر کا، یہ سارا ان ہی کے دم کا کھیل ہے۔ ہمارے بھائی صاحب تو بس عجیب چیز ہیں کسی بات کا ہوش ہی نہیں۔ گھر کا باہر کا آئے گا گئے کا جو کچھ بھی خیال کریں بھابی صاحبہ کریں۔ اب یہ دیکھئے کہ ذرا سی بات تھی کہ محلّہ میں ٹائیفائڈ کا ایک آدھ کیس ہو گیا۔ بس جناب میرے سر ہو گئیں کہ کسی طرح ٹیکے لگوانے کا انتظام کرو۔ گھر میں اور بھی تو سب ہیں کسی کو یہ خیال نہ آیا۔ اور میں نے بھی ڈاکٹر صاحب کے گھر کی خاک چھان ڈالی کہ جس طرح ہو آج ہی چلیئے میرے لئے تو فرض ہو جاتا ہے نا بھابی صاحبہ کے حکم کی لفظ بلفظ تعمیل کرنا۔ اور قسم خدا کی ان کا کام کر کے جو خوشی مجھ کو حاصل ہوتی ہے اس کو میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔"

ان کو معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ یقیناً کہیں آس پاس ضرور سُن رہی ہوں گی یہ باتیں، لہذا قصیدہ تھا کہ طویل ہوتا ہی جا رہا تھا۔ ڈاکٹر باری باری سب کو انجکشن لگا رہا تھا بچے رو دیتے تھے اور سمجھدار منہ پھیر کر ناک سکیڑ لیتے تھے کہ اتنے میں بیگم صاحبہ کا ہاتھ پردہ کے باہر آیا اور محبوب صاحب بلبلا کر دوڑے۔ "ڈاکٹر صاحب ذرا سوئی بدل دیجئے۔ اور ذرا ان کی نبض بھی دیکھ لیجئے کہ قلب کی حالت ٹھیک ہے نا بات یہ ہے کہ بیحد کمزور ہیں جناب سی ایک چپاتی اِس وقت اور ایک اُس وقت یہ تو جناب کی خوراک ہے پھر کیا مجال کہ کوئی پھل ہی کھا لیں۔ ہزار مرتبہ کوشش کی کہ تھوڑا سا پھلوں کا عرق ہی پی لیا کریں مگر توبہ

کیجئے ——"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "نبض تو بالکل تندرست ہے اور سوئی بھی ٹھیک ہے۔"

محبوب صاحب نے اصرار کیا "تاہم بدل دیجئے شکر گذار ہوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے لئے اتنی ہی تکلیف بہت ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو انجکشن کے بعد کسی پھل کا تھوڑا سا عرق دے دیا جائے۔"

ڈاکٹر صاحب نے سوئی بدلتے ہوئے کہا "نہ کوئی ضرورت ہے نہ کوئی ہرج ——"

محبوب صاحب نے فرمایا "پھر بھی۔ میرے نزدیک سخت ضرورت ہے۔ ارے نصیبن۔ تھوڑے سنگتروں کا عرق نکال لے جلدی سے۔"

ڈاکٹر صاحب نے سوئی بھونک دی اور محبوب صاحب نے نعرہ بلند کیا "بسم اللہ" اور انجکشن کے لگتے ہی گھر کے اندر گھس گئے غالباً عرق وغیرہ پلانے یا روغن قاز ملنے۔ ہم حیران تھے کہ واقعی کس قدر بھونڈی قسم کی خوشامد کرتا ہے یہ شخص اگر کوئی ہماری اس قسم کی خوشامد کرے تو ہم اس کو نکلوا دیں گھر سے یا لڑ بیٹھیں اُس سے مگر بیگم صاحبہ پر اس شخص نے اسی بدتمیزی سے قبضہ کر رکھا ہے تو تعجب ہے۔ خوشامد تو بہت بڑا آرٹ ہے اور ایک خوشامدی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مکمل آرٹسٹ ہو بیوقوف کو عقلمند بنانا شاید اس قدر مشکل نہیں جس قدر عقلمند کو بیوقوف بنا دینا دشوار ہے اور ایک خوشامدی کا کمال

ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو خوشامد کا پتہ نہ چلنے دے اور عقل کے دروازوں پر قفل ڈالتا چلا جائے۔ خوشامد خدا جانے کتنے لطیف پردوں میں چھپا کر کی جاتی ہے مگر یہاں تو گویا یہ شخص کھلم کھلا کہہ رہا تھا کہ ہم خوشامد کر رہے ہیں آپ بیوقوف بنیئے اور بیوقوف بننے والی محترمہ بھی ایسی سادہ لوح کہ اب کیا عرض کیا جائے۔

انجکشنوں کا ہنگامہ ختم ہو گیا اور ڈاکٹر صاحب روانہ ہو گئے مگر محبوب صاحب موجود رہے۔ اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اندر سے نکل کر ہمارے پاس آ بیٹھے "شکر ہے صاحب کہ یہ قصّہ بھی ختم ہوا اب کم سے کم دل کو یہ اطمینان تو رہے گا کہ حفاظتی تدبیر ہو چکی ہے۔"

ہم نے کہا "مگر آپ نے بھی تو کرا چاکر کسی کو چھوڑا نہیں۔"

محبوب صاحب نے فرمایا "ہم تو صاحب حکم کے غلام ہیں" اور ہم نے ان کو غور سے دیکھا واقعی حکم کے غلام معلوم ہو رہے تھے وہی سپاہی وہی گھڈاپن چہرے پر معلوم نہیں تاش کی کس گڈی سے نکل آئے تھے۔ ان حضرت نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا "بھابی صاحبہ کا حکم تھا کہ کوئی چھوٹنے نہ پائے حد یہ ہے کہ آپ کو بھی بخشا نہ گیا۔"

ہم نے کہا "ہم کو تو کل ہی نوٹس مل چکا تھا کہ ٹیکہ لگنا ہے۔"

اتنے میں وہی اندر والا دروازہ کھلا اور بیگم صاحبہ نے دروازے کی آڑ سے

فرمایا "ساجد میاں کیا حال ہے"

بجائے اس کے کہ ہم جواب دیتے محبوب صاحب پر گویا بجلی گر پڑی "یعنی آپ اُٹھ کر یہاں آگئیں۔ کمال کرتی ہیں صاحب آپ بھی تاکید کر کے آیا تھا کہ لیٹی رہیئے گا"

بیگم صاحبہ نے کہا "کوئی بات بھی ہو بھلا۔ میں ایسی چھوئی مُوئی نہیں ہوں کہ ذرا سی سوئی بھگ جائے اور میں لیٹ رہوں"

محبوب صاحب نے فرمایا "ذرا غور کیجئے گا ساجد صاحب حال حضور کا یہ ہے کہ ہوا کے جھونکے تک کی متحمل نہیں ہیں اور بہادری کا یہ عالم کہ ابھی انجکشن لگا ہے اور ابھی دوسروں کی مزاج پُرسی کو موجود۔ قسم خدا کی کبھی انہوں نے اپنی پروا نہیں کی ہمیشہ"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا "خیر ہو گا بھی۔ تم کو معلوم نہیں محبوب بھائی کہ یہ بھی میرا بچہ ہے ——"

محبوب صاحب نے فرمایا "کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے آپ کی شفقت اور ان کی ماشاء اللہ سعادت —— مگر خدا کے لئے آپ —— اچھا ٹھہریئے" اور کُرسی اُٹھا کر دوڑے اس دروازے کی طرف "لیجئے کم سے کم بیٹھ تو جایئے"

بیگم صاحبہ نے کہا "ساجد میاں یہ ہمارے محبوب بھائی اسی قسم کی گھبرائی

ہوئی محبت کیے انسان ہیں اور میرا تو اگر کوئی سگا بھائی بھی ہوتا تو شاید مجھ سے اتنی محبت نہ کرتا جتنی دیور ہو کر یہ کرتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میرے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔"

محبوب صاحب نے کسر نفسی سے کہا "لاحول ولا قوۃ۔ سو مرتبہ مر کر بھی زندہ ہو سکیں تو اس شفقت کا جواب ہم سے ممکن ہی نہیں جو آپ فرماتی ہیں۔ برب کعبہ ساجد صاحب میرے لئے میری ماں ہیں تو یہ۔ بہن ہیں تو یہ اور بھابی ہیں تو یہ۔ معلوم نہیں کیوں میرے دل میں ان کے لئے اتنا احترام ہے جتنا کسی اور کے لئے نہیں۔"

بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر فرمایا "جیتے رہو تم۔ بھائی اور دیور میں فرق ہی کیا ہوتا ہے پوچھو تو دیور تا نہیں تو پھر۔ وہی بات ہے۔"

شیخ صاحب نے کمرے میں تشریف لاتے ہوئے فرمایا "اُفوہ۔ اب اس قابل ہو سکا ہوں کہ اُٹھ کر یہاں تک آسکوں۔ یعنی پوری سوئی کھپ سے اندر ——— توبہ ——— توبہ ———"

ہم نے ہنس کر کہا "یعنی یہ ایک انجکشن کا اثر ہوا ہے آپ پر۔"

محبوب صاحب نے کہا "ہمارے بھائی صاحب کی انگلی میں ذرا سی پھانس چبھ جائے پھر دیکھئے تماشہ زمین آسمان ایک کر دینگے معلوم ہو گا کہ خدا جانے دشمنوں پر کیا تکلیف گذر رہی ہے۔"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "بنتے ہیں۔ بوڑھے منہ مہانسے لوگ چلے تماشے۔ اور اُس وقت کیسی ہائے ہائے کی ہے ڈاکٹر تک ہنس رہا تھا یہ بڈھے چونچلے دیکھ کر "

شیخ صاحب نے فرمایا "اجی ہنس رہا تھا تو ہنسا کرے مردود کوئی اپنی تکلیف اس کی وجہ سے بیان نہ کرے۔ مگر میں نے کہا سنتی ہو ڈاکٹر تو کہہ گیا ہے کہ جو جی چاہے کھا سکتے ہو۔ میں نے اس سے خود پوچھا تھا "

بیگم صاحبہ نے کہا "کیا پوچھا تھا تم نے کہ مجھ کو شکر آتی ہے میں کیا کھا سکتا ہوں "

شیخ صاحب نے کہا "اب شکر اور گڑ کا تو میں نے ذکر نہیں کیا "

محبوب صاحب نے کہا "سبحان اللہ۔ وہ سمجھا ہوگا کہ ٹیکہ لگوانے کے بعد آپ کھانے پینے کو پوچھ رہے ہیں "

ہم شیخ صاحب کی مسکینی پہ ہنس دیئے۔ بیگم صاحبہ نے کہا "دیکھ لیں تم نے ساجد میاں ان کی باتیں بالکل بچوں کی سی ضد کرتے ہیں۔ اچھا میں نے کہا سنتے ہو تم اندر آؤ تو میں باہر ان دونوں کے لئے کھانا بھیجوں "

شیخ صاحب نے کہا "میں بھی یہیں کھا لونگا نا "

بیگم صاحبہ نے کہا "جی معاف کیجئے آپ۔ اندر تشریف لائیے وہاں آپ کس کے قابو میں آئیں گے "

شیخ صاحب نے مجبوراً اُٹھتے ہوئے فرمایا "اچھا صاحب"

اور باہر ہم دونوں کے لئے کھانا لگا دیا گیا۔ اس شخص کے ساتھ شریک طعام ہوتے ہوئے بھی دل کو کچھ تکلیف سی ہو رہی تھی مگر مجبوراً یہ افتاد بھی برداشت کرنا پڑی۔ حال یہ تھا کہ جتنا جتنا یہ شخص ہماری طرف بڑھ رہا تھا ہم اس سے اتنا ہی کھنچ رہے تھے امیر مینائی کا پہلا مصرعہ تو نہیں مگر دوسرا بالکل صادق آ رہا تھا اک ذرا سی تبدیلی کے ساتھ کہ۔ ع

جتنا تھا وہ قریب بس اتنا ہی دور تھا

۷

سلمیٰ اور ریحانہ میں دوستی تو خیر ہو ہی چکی تھی مگر ہم کو یہ خبر نہ تھی کہ دونوں میں خط و کتابت بھی خوب ہو رہی ہے کہ ایک دن ڈاک میں سلمیٰ کا خط ہمارے نام آیا۔ ہماری ڈاک دفتر کے پتہ پر آیا کرتی تھی اور سلمیٰ کے خط آتے ہی رہتے تھے یہ کوئی نئی بات نہ تھی مگر نئی بات لفافہ کے اندر تھی۔ القاب دیکھتے ہی ہم نے جلدی سے پھر لفافہ دیکھا اور اپنا ہی نام لفافہ پر پا کر خط کو حیرت سے پڑھنا شروع کیا:-

پیاری بہن۔ خوش رہو۔ عین انتظار کے عالم میں تمہارا خط ملا۔ نہ جانے کیوں تمہارا خط پا کر میں جس قدر خوش ہو جاتی ہوں اُسی قدر خط پڑھ کر طبیعت بُجھ جاتی ہے۔ ایک لڑکی کا دل میرے سینہ میں بھی ہے اس لئے اگر میں تمہارے خط کے حروف میں تمہارے دل کی دھڑکنیں محسوس کر سکتی ہوں تو اس پر تعجب نہ کرو۔ مگر بہن تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جس درد میں تم مبتلا ہو اس کا علاج اگر ہو بھی تو ہم کو یہ سکھایا گیا ہے کہ ہم کریں علاج تو درکنار اس درد کی ٹیس پر آہ کرنے کا بھی ہم کو حق نہیں۔ رشک آتا ہے اُن لڑکیوں پر جن کو

تعلیم نے اس قسم کا شعور ہی عطا نہیں کیا ہے اور جو اپنی ہر قسم کی زندگی میں یکساں طور پر خوش رہ سکتی ہیں۔ ہم اس خوشی کو بے حسی سمجھتے ہیں اور ہماری یہی سمجھ ہمارے لئے مصیبت ہے۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ ہم کو تعلیم دے کر ہمارے محسوسات کو بیدار کر دیا گیا ہے مگر تاکید یہ ہے کہ ہم اپنی اس بیداری کو بھی خواب ہی سمجھیں۔ نہ ہم کو اپنی آنکھوں کی روشنی سے کام لینے کا حق ہے نہ اپنے دماغ سے سوچنے کا اختیار اور نہ اپنے دل کی کسی آواز کو نشر کرنے کی قدرت ہم کو حاصل ہے اب ہمارے لئے صرف دو صورتیں ہیں کہ یا تو۔ ع۔

موت کو بھی زندگی کہہ کر گوارا کیجئے

ورنہ بغاوت۔ مگر بغاوت کی حقیقت کے مقابلہ میں خاندانی شرافت کا اعتبار خطرہ میں پڑ جاتا ہے خواہ بغاوت کیسی ہی معصوم اور پاکیزہ کیوں نہ ہو۔ سوسائٹی بغاوت کے نام کی معصومیت کو بھی بخشنے کے لئے تیار نہیں اور تو اور ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت ہی اگر جان لیوا بن جائے تو تم ہی بتاؤ کہ عافیت کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ آخر میں یہی طے کرنا پڑتا ہے کہ ہم زندہ رہنے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں موت یوں تو ہر ایک کے لئے برحق ہے مگر ایک شریف خاندان کی لڑکی کے لئے زندگی کا موت بن جانا بھی گویا برحق ہے۔ معلوم

نہیں یہ بے عزّتی ہے یا بہادری اس لئے کہ اس منزل پر پہنچ کر ان
دونوں کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے بہرحال اس غور و فکر میں اپنی جان
کو گھلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہاری ایسی زندہ دل لڑکی بھی اگر
یوں کڑھنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پھر خوش رہنے کا کسی کو حق
نہیں۔ اور ابھی تو خدا نہ کرے کڑھنے کا وقت ہی نہیں آیا ہے۔
کیا عجب کہ حالات بدل جائیں تم کو اور تمہارے بھائی جان ہی کو کامیابی
حاصل ہو۔ ع۔

کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

یہ ضرور لکھنا کہ تمہارے بھائی جان گھر آئے یا نہیں۔ اور میرے بھائی
جان کی خیریت بھی تم ہی لکھدیا کرو۔ خط تو وہ ضرور لکھتے ہیں مگر
نہ اپنی صحت کا حال لکھتے ہیں نہ اپنی کسی ضرورت کی تفصیل۔ پیاری
بہن تم کو نہیں معلوم کہ میرے بھائی جان بھی میرا آخری سہارا ہیں فرق
صرف اس قدر ہے کہ تمہارے بھائی جان کی تمہارے یہاں شنوائی نہیں
اور میرے بھائی جان کی رائے ایک قیمت رکھتی ہے خدا ان کو خوش
تندرست اور سلامت رکھے۔

تصویر کا وعدہ اب تک پورا نہیں ہوا۔ اور میں بھی قسم کھا چکی ہوں
کہ جب تک میری میز پر ریحانہ کی تصویر نہ لگ جائے گی اُس وقت

تک اپنی تصویر بھی نہ بھیجوں گی۔ امّی جان کو میری تصویر کھنچوانے میں ذرا پس وپیش تھا مگر بھائی جان کا اجازت نامہ منگا کر میں نے تصویر کھنچوالی ہے اور وہ تصویر تمہاری تصویر کی منتظر ہے۔

اپنی اماں جان کو جو میری خالہ جان ہیں میری تسلیم کہنا۔ بانو کو دعا اور گڈیا کو پیار۔

تمہاری سلمیٰ

سلمیٰ کا یہ خط ہم کو پڑھنا نہ چاہیئے تھا اتفاقاً اس سے غلطی ہو گئی تھی کہ لفافہ بدل گیا مگر اس کے معنی یہ نہ تھے کہ ہم خط بھی پڑھ لیتے یہ اخلاقی جرم اس بیساختگی میں سرزد ہو گیا کہ پہلی ہی سطر پڑھنے کے بعد معلوم نہیں کیوں بس پڑھتے ہی چلے گئے اور پڑھ چکنے کے بعد ایک عجیب حیرت ہم پر طاری ہو گئی کہ اللہ اکبر یہ ہماری سلمیٰ کا خط ہے۔ ہم کو تو کبھی اس قسم کا خط نہیں لکھتی اس خط میں تو بڑا فلسفہ چھانٹا ہے بڑی قابلیت بگھاری ہے اور واقعی نہایت صحیح قسم کی انشاپردازی سے کام لیا ہے۔ آج اس خط کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہماری سلمیٰ بھی دراصل اتنی بیوقوف نہیں ہے جتنی مارے محبت کے ہم کو نظر آتی ہے ایک ناکتخدا ہندوستانی لڑکی کا خاکہ کس قدر صحیح خدوخال کے ساتھ اس نے کھینچا ہے۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد دل چاہنے لگا کہ یہ جانہ کے خطوط بھی کسی طرح پڑھیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی یہ خیال بھی ایک دم ذہن میں آیا

کہ اشرف صاحب کو کیوں نہ یہ خط دکھا دیا جائے شاید وہ اس خط کی روشنی میں غریب ریحانہ کی کوئی مدد کر سکیں یا کم سے کم ان کو معلوم ہو جائے کہ شکیل کے ساتھ جو نسبت ریحانہ کی ہو چکی ہے اُس نے ریحانہ کی زندگی کو یہ بنا رکھا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی ہم دفتر سے اُٹھ کر سیدھے میڈیکل کالج پہنچے اور ہوسٹل جا کر اشرف صاحب کو گرفتار کر لیا جو ایک موٹی سی کتاب کھولے ایک مُردے کی کھوپڑی سے گویا گفتگو فرما رہے تھے۔ ہم کو دیکھتے ہی "اخاہ" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دوڑے " یہ آج کدھر راستہ بھول گئے جناب والا"

ہم نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "راستہ بھول نہیں گیا بلکہ راستہ یاد آ گیا"

کمرے کے سامنے سے ایک طالب علم صاحب گاتے ہوئے نکل گئے "ابکی ساون گھر آجا"

اشرف صاحب نے اُٹھ کر دروازہ بھیڑتے ہوئے کہا "آپ کو تو معلوم ہے کہ یا تو خواجہ صاحب کے یہاں مل سکتے ہیں ہم دونوں یا یہ سرائے فانی ہو سکتی ہے ملنے کی جگہ، آپ کی خدمت میں تو حاضر ہونے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا جنت سے نکالے ہوئے آدم کا پوتا"

ہم نے کہا "آج ایک عجیب اتفاق کے ماتحت کچھ مجبوراً ہی آنا پڑا۔ میری بہن سلمیٰ اور ریحانہ کے درمیان خط و کتابت ہے مگر آج سلمیٰ کا ایک خط میرے نام آیا یعنی لفافہ میرے نام کا تھا اور خط ریحانہ کے نام کا ہیں اس خط کو پڑھنے

کا جرم کر چکا ہوں اور اب آپ کو بھی شریک جرم بنانا چاہتا ہوں اس لئے کہ خط زیادہ تر آپ ہی کے متعلق ہے بلکہ ـــــــ خیر آپ خط ہی پڑھ لیجئے"۔

اشرف صاحب نے وہ لے کر پڑھنا شروع کیا شروع سے آخر تک پڑھنے کے بعد غالباً دوسری مرتبہ پھر پڑھا اور پڑھ چکنے کے بعد خط ہم کو دیتے ہوئے کہا۔ "اب آپ ہی بتائیے کہ ایسی لڑکیوں کے ساتھ جن کے احساسات اس حد تک بیدار ہو چکے ہوں اور جن کی نگاہیں روح کی گہرائیوں میں پہنچکر ان حقائق کو پرکھ رہی ہوں ان کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرنا جیسا کہ ہمارے بزرگ کر رہے ہیں ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ شکیل کو ولایت جانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اگر وہ صرف اسی خط کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر سکتا تو میں نہایت خوشی سے ریحانہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتا"۔

ہم نے ہنس کر کہا "بس اسی قدر صلاحیت کافی تھی"۔

اشرف صاحب نے سنجیدگی سے کہا "آپکے نزدیک یہ معمولی صلاحیت ہے۔ اس خط میں جن تاثرات کی تصویر کشی کی گئی ہے ان کو سمجھنا اور ان کو پہنچنا ہر ایک کا کام نہیں ہو سکتا۔ میں تو آپ کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں کہ آپ ایسی بہن کے بھائی ہیں جس کو اپنے قلم پر یہ قدرت حاصل ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ شکیل اس خط کے کسی ایک جملہ کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا نہ اس کے خیالات میں ایسی بلندی ہے کہ وہ ان حقائق کو ان کی اصل رنگ میں دیکھ سکے

وہ تو نہایت گھٹیا قسم کا انسان ہے اور یہ میرا ایمان ہے کہ ایک گھٹیا انسان خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ دیا جائے کوئی اونچی بات سمجھ ہی نہیں سکتا۔"

ہم نے کہا "یہ تو درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ اب ہو گا کیا آپ تو روٹھے ہوئے یہاں پڑے رہیں گے ——"

اشرف صاحب نے کہا "حالات میرے خلاف خواہ کتنے ہی ہوں مگر معلوم نہیں کیوں میرے دل کو اس بات کا یقین ہے کہ شکیل کے ساتھ ریحانہ کی شادی نہ ہو سکے گی۔ بات یہ ہے کہ محبوب صاحب نے جس بنیاد پر یہ دیوار اٹھائی ہے وہ بنیاد اس قدر بودی ہے کہ ان کی امیدوں کا محل دیر پا نہیں ہو سکتا آج نہیں تو کل والدہ صاحبہ کو ہوش آئے گا۔ دوسرے مجھ کو تو جناب شکیل کی ذات بابرکات سے پوری توقع ہے کہ وہ خود اپنی کسی نہ کسی حرکت سے اپنے والد گرامی کی امیدوں پر خود پانی پھیر دیں گے۔"

ہم نے کہا "مگر یہ تو تمام توقعات ہیں جن کے واسطے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پوری نہ ہوں ——"

اشرف صاحب نے کہا "مگر بقول مہاتما گاندھی کے اندرونی آواز تو جھوٹی نہیں ہو سکتی جو مجھ کو برابر مطمئن کر رہی ہے کہ خواہ کوئی صورت ظہور میں آئے دو باتیں یقینی طور پر ہوں گی ایک میری صداقت کا میرے والدین کو قائل ہونا پڑیگا دوسرے محبوب صاحب کی خباثت ان پر آشکارا ہو کر رہے گی بلکہ یہ دونوں گویا

ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں یا یہ کہیئے کہ یہ ایک ہی بات ہے جس کو میں نے دو طرح سے بیان کیا ہے۔ فی الحال تو میں اپنے دل کی اس آواز پر پورا بھروسہ کر کے اپنے امتحان کی فکر میں ہوں کہ خدا مجھ کو اس میڈیکل کالج سے سرخرو نکالے تاکہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکوں۔"

ہم نے کہا "آمین۔ مگر اس امتحان کی تیاری میں میرا زیادہ بیٹھنا بھی تو مناسب نہیں۔"

اشرف صاحب نے کہا "کیا خوب نتیجہ نکالا ہے جناب نے احسان مجھ پر اور بھاگنے کی خود جلدی۔ اچھا چاء پی لیجئے پھر آپ کو اختیار ہے۔"

یہ کہہ کر اشرف صاحب چاء کے انتظام کے لئے چلے گئے اور ہم مردہ کی کھوپڑی کے ساتھ تنہا کمرے میں رہ گئے۔ مگر شکر ہے کہ دن کا وقت تھا اور ہم اس کھوپڑی سے نگاہیں بھی چرا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں نہایت پُر تکلف چاء بھی آ گئی جس سے فارغ ہو کر ہم اشرف صاحب سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئے۔

# ٨

محبوب صاحب کے متعلق ہم کو کچھ کچھ یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ شیخ صاحب اور بیگم صاحبہ کی حد سے بڑھی ہوئی توجہ کو جو ہماری طرف تھی پسند نہیں فرماتے مگر آدمی تھے گھٹے ہوئے ۔ چار سو بیس بھی نہیں بلکہ آٹھ سو چالیس لہٰذا اپنی اس بیزاری کو ظاہر تو نہ ہونے دیتے تھے مگر مخالفت کو چھپانا بھی تو فنونِ لطیفہ میں سے ایک فن ہے اور یہ فن ان کے بس میں نہ تھا لہٰذا ان کی نگاہوں کا مفہوم ہم نے سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی مخالفت کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی تھا کہ ہمارا اثر و اقتدار اس گھر پہ بڑھ رہا تھا مگر اس کے علاوہ بھی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ ہم ذرا ان کو منہ نہیں لگاتے تھے مثلاً آج ہی وہ تشریف لائے تو ہم اپنے نئے ناول کا ایک باب لکھنے میں مصروف تھے آپ نے تشریف لاتے ہی نہایت بے تکلفی کے ساتھ ایک کرسی پہ دراز ہوتے ہوئے فرمایا "یہ کیا لکھائی ہو رہی ہے اس قدر زور شور کے ساتھ۔"

ہم نے بے پروائی سے کہا "کچھ لکھ رہا ہوں ضروری چیز۔"

محبوب صاحب نے فرمایا "دفتر کا کام ہے کچھ۔"

ہم نے کہا "جی نہیں ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ ناول ہے ایک"

محبوب صاحب نے معلومات کے دریا بہانا شروع کر دیئے "اچھا ناول۔ مگر میں نے تو آپ کا کبھی کوئی ناول پڑھا نہیں۔ اس روز الہ آباد جا رہا تھا تو راستہ کاٹنے کے لیئے ایک ناول خرید لیا میٹھی چھری۔ کوئی عبداللہ خان ہیں ان کا لکھا ہوا ہے وہ ناول۔ صاحب خوب لکھا ہے ظالم نے ایسے ایسے پھڑکتے ہوئے اور موقع کے شعر دیئے ہیں ظالم نے بیچ بیچ میں کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ عاشقانہ ناول تھا وہ مگر ایسا راستہ کٹا اس ناول سے کہ پتہ ہی نہ چلا اتفاق کی بات کہ عین الہ آباد کے اسٹیشن پر جا کر ختم ہوا۔ میرے پاس پڑا ہوا ہے کہیئے تو دے جاؤں آپ کو دیکھنے کے لیئے"

اب بتایئے کہ ہم ان میٹھی چھری پڑھنے والے بزرگ سے کیا کہتے مگر کچھ تو کہنا ہی تھا لہذا لکھنا بند کر کے عرض کیا "جی ہاں صاحب ایک سے ایک لکھنے والے پڑے ہوئے ہیں"

محبوب صاحب نے سوال کیا "آپ کس قسم کے ناول لکھتے ہیں جاسوسی یا عاشقانہ"

ہم نے عرض کیا "جی میں دستکاری کے متعلق لکھتا ہوں زیادہ تر۔ یا اگر طبیعت بہت چاہی تو کبھی کوئی ناول نباتات کے متعلق لکھ دیتا ہوں"

محبوب صاحب نے فرمایا "یہ لکھ کر آپ خود چھپواتے ہیں یا کسی کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں"

ہم نے عرض کیا۔" اجی بڑی دقّت ہوتی ہے۔ خود چھپوانے میں تو ہے جھگڑا۔ نتیجہ یہ کہ لکھ کر مسودہ بغل میں دبلتے ہیں اور ایک ایک کتاب فروش کی دوکان چھانتے پھرتے ہیں کہ کوئی خرید لے۔ آخر کوئی نہ کوئی خرید ہی لیتا ہے۔"

محبوب صاحب نے پوچھا۔" کیا دام مل جاتے ہیں آپ کو ایک ناول کے۔"

ہم نے کہا۔" کوئی مقررہ دام تو ہیں نہیں اکثر دوکاندار صفحات گن کر فی صفحہ کے حساب سے اُجرت لگا لیتے ہیں اکثر مسودہ کو تول کر دام دے دیتے ہیں مثلاً میرا پچھلا ناول دو آنہ تولہ کے حساب سے کوئی بائیس روپیہ آٹھ آنے کا بکا۔"

محبوب صاحب نے کہا۔" تو پھر آپ موٹا موٹا لکھا کیجئے خوب بہت سے صفحات ہوں تاکہ صفحات کے حساب سے دام دیں تو بھی زیادہ ملیں اور تول کر دام دیں تو بھی زیادہ ملیں۔"

ہم نے کہا۔" جی نہیں یہ بات قانوناً جرم ہے کہ ایک مصنّف اپنے معمولی خط سے زیادہ جلی یا کشادہ لکھ کر ناول بیچے تو اس کو سزا ہو سکتی ہے ابھی کچھ دن ہوئے ایک صاحب نے ایک ناول بیچا کوئی ساٹھ روپے میں اور روپے کی رسید دے دی۔ اب کتاب فروش نے ان پر مقدمہ چلا دیا کہ ناول جس خط میں لکھا گیا ہے وہ روپیہ زیادہ حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا گیا تھا ورنہ اصل خط وہ ہے جس میں باریک باریک رسید لکھی گئی ہے نتیجہ یہ کہ عدالت نے مصنّف کو چھ ماہ قید سخت اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی وہ بیچارے ابھی جیل کاٹ کر آئے ہیں

اور آجکل اپنے معمولی خط میں کتاب لکھ رہے ہیں۔"

محبوب صاحب نے کہا "خوب یہ تو اچھی زبردستی ہے۔"

گفتگو دلچسپ تھی کاش اس کا سلسلہ کچھ اور جاری رہتا مگر عین اسی وقت شیخ صاحب ایک خط لئے ہوئے تشریف لائے اور ہم کو دیکھتے ہوئے فرمایا "ذرا پڑھنا بھائی کیا لکھا ہے اس میں۔ محبوب میاں وہ دروازہ کھول دو تمہاری بھابی بھی سننا چاہتی ہیں غالباً شکیل کے متعلق کوئی خط ہے ولائتی ڈاک میں آیا ہے۔"

محبوب صاحب نے دروازہ کھول دیا اور ہم نے خط سنانا شروع کیا۔ یہ کوئی صاحب ہیں جے مائیکل ان کا خط ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں مسٹر شکیل کا ہم جماعت بھی ہوں اور پڑوسی بھی لہذا میرا فرض ہے کہ میں آپ کو مسٹر شکیل کے متعلق کچھ ایسے حالات سے مطلع کروں جن کو وہ خود لکھنا پسند نہیں کرتے حالانکہ سخت مشکلات میں مبتلا ہیں۔ پچھلے دنوں ان پر ایک حادثہ گذرا ہے کہ ان کا ایک ہینڈ بیگ کسی طرح غائب ہو گیا جس میں ان کی کل پونجی تھی پہلے تو اس کی تلاش میں سرگرداں رہے مگر جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو اب تک وہ اپنے اخراجات قرض لے لیکر پورے کر رہے ہیں مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ جگہ ان کے لئے نئی ہے اور قرض دینے والے محدود لہذا میری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہ سکتا ہے۔ وہ آپ کو ہرگز نہ لکھیں گے مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ پر دیس میں ان کا ان مشکلات میں مبتلا رہنا غالباً خود پسند نہ کریں گے اور جلد سے جلد اس صورت حال

کو بدلنے کی کوشش کریں گے "۔

یہ خط سنکر قبل اس کے کہ شیخ صاحب کچھ کہیں محبوب صاحب نے فرمایا۔ "پریشانی جب آتی ہے تو ہر طرف سے آتی ہے ابھی پرسوں ایک صاحب کی ضمانت کرنے کا مجھ کو خمیازہ بھگتنا پڑا ہے کہ وہ تو بھاگ بھوگ گئے خدا جانے کہاں اور مجھ کو گھر میں جو کچھ تھا سب بٹورکر ضمانت کا روپیہ دینا پڑا اب بتائیے کہ ان حضرت کو کہاں سے بھیجوں "۔

بیگم صاحبہ نے کہا "تو تم سے کیا مطلب۔ نہ تمہارے نام خط آیا ہے نہ تم نے اس کو ولایت بھیجا ہے۔ میں نے کہا سُنتے ہو "۔

شیخ صاحب نے فرمایا "فرمائیے نا "۔

بیگم صاحبہ نے کہا "کسی طرح آج ہی روپیہ بھیجدیا جائے۔ نہ جانے وہ وہاں کس حال میں ہوگا اور سات سمندر پار کیا کر رہا ہوگا "۔

شیخ صاحب نے کہا "بھئی ساجد میاں تم میرا یہ کام کر دو۔ میں روپیہ دیتا ہوں اس کو جس قدر جلد ہو سکے ان کو پہنچوانے کی سبیل نکالو "۔

ہم نے کہا "ٹامس کک کے ذریعہ بھیجدیا جائے۔ یہاں روپیہ جمع کردیا جائے گا اور وہ وہاں بجریہ دے دیں گے ان کو اسی طرح مل جائیگا جیسے تار پہ بھیجا ہوا روپیہ ملتا ہے "۔

شیخ صاحب اندر چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں پانچہزار کا ایک چیک لکھ کر

لے آئیے۔ یہ ٹامس کک والے تو چک لے لیتے ہوں گے؟"

ہم نے کہا "جی ہاں مگر جب تک چک کیش نہ ہو اس وقت تک وہ بجرے نہ دیں گے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے چک کیش کرا کے پھر ان کو دیا جائے۔"

شیخ صاحب نے گھڑی دیکھ کر کہا "ابھی تو بہت وقت ہے بینک سے روپیہ لیتے ہوئے چلے جاؤ۔ موٹر نکلوائے دیتا ہوں۔"

جب چیک ہمارے ہاتھ میں آچکا تو محبوب صاحب بولے "ٹھہریئے تو صاحب۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کہاں تک ہوگا۔ میں روپیہ کا بندوبست ابھی جا کر کرتا ہوں بیگم صاحبہ کے کچھ زیور رکھ دونگا۔"

بیگم صاحبہ نے برا مان کر کہا "محبوب بھائی تمہاری بھی کیا باتیں ہیں۔ ساجد میاں تم تو جاؤ بسم اللہ کر کے یہ یوں ہی بکا کرتے ہیں اب بیوی کے زیور رکھیں گے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "عقل سے مجبور ہیں بیچارے کیا کریں۔ آؤ بھائی ساجد میاں۔"

ہم شیروانی پہن رہے تھے اور محبوب صاحب فرما رہے تھے "میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ بھائی اور بھاوج کے ان احسانات کا کوئی بدلہ مجھ سے بھی ممکن ہے یا نہیں۔ سوائے اس کے کہ روز بروز یہ بوجھ بڑھ رہا ہے اور تو میں کچھ دیکھتا نہیں۔ بربِ کعبہ جو سلوک ان بھائی بھاوج نے میرے ساتھ کیا ہے میرے ماں

باپ زندہ ہوتے وہ بھی شاید ہی کر پاتے "۔ اور یہ کہتے کہتے رومال جیب سے نکل کر ان کی خشک آنکھوں پر آچکا تھا۔ اور ہمارا دل بیقرار تھا صرف ایک چابک کے لئے جس سے اس بدمعاش کی کھال اُڑا کر رکھ دیتے۔ مگر وہاں یہ ہو رہا تھا کہ شیخ صاحب بھی ان کو گلے سے لگائے ہوئے تھے کہ "محبوب تم ہی ایسی مخاترت کی باتیں کروگے تو میں اپنا کس کو سمجھونگا" اور بیگم صاحبہ بھی اندر سے چیخ چیخ کر فرما رہی تھیں کہ "بھیّا ہم اور تم دو نہیں ہیں شکیل اگر تمہاری اولاد ہے تو ہمارا بھی کوئی ہے جب تم اُسے ہم کو دے ہی چکے تو اب تم سے مطلب کیا"

اور محبوب صاحب تھے کہ ہچکون ہچکون رو رہے تھے اور بھائی بھاوج کے احسانات گناتے ہی چلے جاتے تھے کہ "میرے پاس سوائے غلامی کے اور اس محبت، اس شفقت اور اس سرپرستی کا کوئی معاوضہ نہیں"۔ وغیرہ وغیرہ لاکھوں مکاری کی باتیں۔

ہم غصّہ میں آگ بگولہ چک لے کر نکلے اور بنک ہوتے ہوئے ٹامس کک کے دفتر جاکر روپیہ بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ مگر اس واقعہ کے بعد سے محبوب سے جو تنفّر تھا اُس میں سو فیصدی اور اضافہ ہو گیا۔

## ۹

دفتر سے آکر کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اندر سے شیخ صاحب نے نعرہ بلند کیا "ذرا ٹھہرنا بھئی"

بیگم صاحبہ نے دروازہ کی آڑ میں ہوتے ہوئے خود ہی آواز دی "آجاؤ میاں آجاؤ۔"

اور جیسے ہی کمرہ میں داخل ہوئے کہ ہم نے کہا "آداب عرض"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "جیتے رہو۔ مگر بھیا واہ جانتے ہو کہ اس گھر میں سو بچوں کے ایک بچہ یہ بڑے میاں موجود ہیں۔ اس روز تم نے اپنی گڈ بابسے ان کے سامنے کہدیا تھا کہ اس الماری میں تمہارے لئے چاکلیٹ رکھے رہتے ہیں۔ آج بڑی دیر سے کمرے میں کچھ کھڈ بڑ ہو رہی تھی میں سمجھی کہ بانو یا گڈ یا گھس گئی ہیں کمرے میں، نہ جانے تمہاری چیز کوئی ادھر سے اُدھر کر دیں یا کیا کریں۔ اب جو آکر دیکھتی ہوں تو آپ چاکلیٹ کھا رہے ہیں کھڑے ہوئے۔ اب بتاؤ کہ یہ چیزیں ان کے لئے زہر ہیں یا نہیں۔"

ہم سوائے ہنسنے کے اور کیا کر سکتے تھے خصوصاً شیخ صاحب کی سفید داڑھی

پر بچوں کا سا سہما ہوا چہرہ دیکھ کر۔ شیخ صاحب نے فرمایا:۔

"مشکل سے دو بسکیٹ کھائے ہوں گے جن کا یہ طوفان اُٹھ رہا ہے۔"

ہم نے کہا "مگر نقصان تو ہوگا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "کوئی بچہ ایسی حرکت کرے تو اس کو ڈانٹ لو مار لو۔ مگر جب بڈھے بچّہ بن جائیں تو ان کے لئے آخر کیا کیا جائے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "اچھا خیر ہوگا۔ اب جانے دو۔ غلطی ہوئی۔ بیسن کی روٹی اور اُبلی ہوئی ترکاریاں کوئی کہاں تک کھائے۔ مٹھاس کو ترس ہی گئے۔"

ہم نے کہا "مگر مٹھاس تو واقعی آپ کو بھول جانا چاہیئے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "توبہ کرو۔ وہ چھپٹے ہیں مٹھاس کے بچوں کے ہاتھ سے چھین کر مٹھائی وہ کھا جائیں۔ مٹھاس کے لئے چوری وہ کر لیں۔ گھر میں فیرنی تو چرا ہی چکے تھے اب تمہارے یہاں بھی چاکلیٹ پر ہاتھ صاف کر دیا۔ بھیّا خدا کے لئے الماری میں قفل لگا دیا کرو۔"

ہم نے کہا "یہ تو گڈّو باجی کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے چاکلیٹ لے نہیں گئیں ورنہ میں تو کھاتا ہی نہیں ان ہی کے لئے لایا تھا اب نقد سودا ہو جایا کریگا۔ کہ لایا اور گڈّو باجی کے حوالہ کیا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اچھا اب تو نہیں ہیں الماری میں؟"

ہم نے الماری دیکھتے ہوئے کہا "چھ بسکیٹ تھے۔ ابھی دو باقی ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "بھلا غضب خدا کا اتنی دیر میں چار پیکٹ چٹ کر گئے"۔

شیخ صاحب نے فرمایا "اس طرح نظر نہ لگایا کرو کھانے پینے کی چیز پر"۔

بیگم صاحبہ نے جل کر کہا "چلو ہٹو۔ یہ عمر ہو گئی۔ بال سفید ہو کر رہ گئے مگر وہی مثل ہے کہ۔ ع۔ مزاج تو ـــــ اے وہ کیا ہے۔ طفلی نہ گشت"۔

شیخ صاحب نے فرمایا "آدمی قابل ہو مگر غصّہ میں فارسی نہ بولا کرو"۔

ہم تنخواہ لے کر آئے تھے لہٰذا اس مہینہ کا کرایہ نکال کر شیخ صاحب کو دیتے ہوئے کہا "بسم اللہ"۔

شیخ صاحب نے نوٹ دیکھتے ہوئے کہا "یہ کیا ـــــ کرایہ ـــــ؟۔ ارے بھئی سنتی ہو یہ پھر کرایہ دے رہے ہیں"۔

بیگم صاحبہ نے کہا "ان کا دماغ تو اب بھی خراب ہو گیا ہے پچھلے مہینہ میں نے اس شرط پر کرایہ لے لیا تھا کہ اب نہ لوں گی اور آج پھر وہی بات"۔

ہم نے کہا "صاحب یہ تو بڑی زبردستی ہے۔ اور اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں یہاں نہ رہوں"۔

بیگم صاحبہ نے کہا "اچھا اگر میں یہ چاہتی ہوں تو تم کسی دوسرے مکان کا بندوبست کر کے بھی دیکھ لو کہ اُسی مکان میں ہم سب آجاتے ہیں یا نہیں۔ بھیا دیکھو۔ تم یہاں کرایہ دار کی حیثیت سے آئے تھے تو کرایہ دار بنے رہتے آخر عزیزداری کا سابقہ تاؤ تم نے کیوں کیا"۔

ہم نے کہا "میں نے کیا عزیزوں کا سا برتاؤ یا آپ لوگوں نے کیا؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "اچھا یہی سہی تو اس برتاؤ کا جواب یہ ہے کہ تم کرایہ دے رہے ہو یعنی یہ کہہ رہے ہو کہ عزیز نہ سمجھو اپنا بچہ نہ جانو بلکہ کرایہ دار ہی سمجھتے رہو۔ میں ریحانہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں کرایہ ہرگز نہ لوں گی"

ہم نے کہا "لاحول ولا قوۃ اور اب چونکہ اصرار کی کوئی گنجائش نہ تھی لہذا نوٹ اٹھا کر رکھ دیئے"

شیخ صاحب نے ہنس کر کہا "میری بیوی میں یہی تو ایک خوبی ہے کہ آج تک کوئی اس جانباز سے لڑ کر جیت نہیں سکا خیر میں تو ازلی شکست خوردہ ہوں مگر بڑے بڑوں کی دال گلنے نہیں دیتی میری بیگم"

ہم نے کہا "اب میں تبادلہ کرا لوں گا یہاں سے"

شیخ صاحب نے کہا "لیجئے اور سنیئے وہ تبادلہ کرا رہے ہیں"

بیگم صاحبہ نے کہا "بکتے ہیں اور تبادلہ کرا لیں گے تو کیا ہو گا لیکر جائیں گے سب کو ساتھ میں بھی لکھنؤ میں رہتے رہتے گھبرا گئی ہوں۔ ارے بیٹا میری قسمت ہی ایسی ہے جس کو بیٹا کہہ کر مخاطب کر دل وہی مجھ سے بھاگنے لگے اب اپنے ہی صاحبزادے کا حال دیکھ لو کہ ان کو پروا نہیں ہے کہ ماں مر گئی یا زندہ ہے صورت تک دکھانے کے روادار نہیں"

ہم نے کہا "آجکل تو ان کا امتحان ہو رہا ہو گا۔ خدا بیچارے کو کامیاب کر دے"

بیگم صاحبہ نے کہا " ہاں بھائی دعا تو ہم بھی کرتے ہیں مگر ماں باپ سے ایسی آنکھیں پھیری ہیں اس اولاد نے بھی کہ میں کیا کہوں ۔ ماں مامتا سے مجبور ہوں دیکھنے کے لئے پھڑکتی ہوں "

شیخ صاحب نے بات کاٹ کر کہا " تم تو ہو پاگل ایسی اولاد کا نہ دیکھنا ہی بہتر ہے ——— "

بیگم صاحبہ نے کہا " خدا کے واسطے ایسی بات زبان سے نہ نکالو وہ جیسا کچھ بھی ہے آخر اپنے ہی کلیجہ کا ٹکڑا ہے "

ہم نے کہا " اگر آپ حکم دیں تو میں لاؤں ان کو یہاں کسی طرح "

شیخ صاحب نے فرمایا " اجی نہیں ۔ جہنم میں جائیں میری طرف سے ۔ یعنی اس کو اطلاع ہے کہ میں آٹھ دن کا بیمار ۔ اس کو خبر ہے کہ ماں کو اب سے دور انفلوئنزا ہو گیا تھا "

بیگم صاحبہ نے کہا " خیر جب تو اُس نے نرس الگ بھیجی ڈاکٹر الگ بھجوائے "

شیخ صاحب نے کہا " میرا مطلب یہ ہے کہ خود آتے ہوئے پیروں کی مہندی چھوٹ رہی تھی اس نامعقول کے ۔ عید گذر گئی بقرعید گذر گئی ہائے ہائے کیسا کیسا بلک بلک کر روئی ہے ریحانہ اس کے لئے مگر اس کا خون سفید ہے "

بیگم صاحبہ نے کہا " خیر ریحانہ کے لئے تو اس کا خون سفید نہیں ہے بلکہ سچ پوچھو تو وہ ریحانہ ہی کی وجہ سے ہم لوگوں کو چھوٹے ہوئے ہے ساجد میاں

اب تم سے کیا چوری اصل میں اس کو ریحانہ اور شکیل کی نسبت پسند نہیں ہے وہ خدا جانے کیوں شکیل کو ناپسند کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ جاہل ہے۔ بیوقوف ہے۔ مگر بھیّا اپنے جاہلوں اور اپنے بیوقوفوں کو اگر ہم نہ سمیٹیں گے تو کون سمیٹے گا۔ بات وہ بھی ٹھیک کہتا ہے کہ ریحانہ کے لئے اچھے سے اچھا بر مل سکتا ہے۔ ان روپے کے لالچیوں کو لڑکی کیوں دی جائے۔ یہ بات تو اب میری سمجھ میں بھی آنے لگی ہے۔"

اور ذرا آہستہ آواز کرکے بولیں۔" اللہ جانتا ہے یہ بات آج تم سے کہہ رہی ہوں کہ شکیل کو ولایت بھیجنے کا خرچ۔ پھر پانچہزار ایک مرتبہ بھیجے۔ چھ ہزار دوسری مرتبہ بھیجے ابھی پانچہزار تمہارے ہاتھ بھجوائے۔ اس ایک لڑکے میں کوئی بیس پچیس ہزار روپیہ تو اب تک خرچ ہو چکا ہے اور نہ جانے ابھی کتنا اور بھیجنا پڑے پھر یہ کہ محبوب بھائی کی روز کی فرمائشیں الگ ہیں۔ آج گھر میں چوری ہو گئی۔ کل کسی کی ضمانت کا روپیہ دینا پڑا۔ پرسوں کسی کی ڈگری آگئی۔ تو میاں ہم لوگوں کے پاس کوئی قارون کا خزانہ تو ہے نہیں۔ بھائی یا تو لڑکے ہی کو ہم سے پڑھوا لو یا اپنی ہی فرمائشیں پوری کرا لو۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" مگر دل بھی تو نہیں مانتا اپنے ایک ایسے عزیز کو تکلیف میں دیکھ کر جو اپنے ساتھ اس طرح پیش آتا ہو گویا زر خرید۔"

اب ہم سے ضبط نہ ہو سکا۔" قبلہ و کعبہ زر خرید اور کسے کہتے ہیں۔ روپیہ

کا سوال بیچ سے اُٹھا دیجئے مستقل طور پر نہ سہی امتحاناً ہی ذرا ہاتھ روک کر دیکھئے کہ ان کی نیاز مندیاں آپکے ساتھ ہیں یا آپکے روپے کے ساتھ۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "صاف کہوں گی میں تو، اب تک تو میں بھی ان کی محبت کو بے غرض سمجھتی تھی مگر اب تو مجھ کو اشرف کی ایک ایک بات ٹھیک نظر آتی ہے اور بھی کچھ سُنا تم نے آج کہہ رہے تھے مجھ سے کہ کوئی کوٹھی ہے ان کے کسی دوست کی جو بِک رہی ہے بیس ہزار لگ چکے ہیں لیکن اگر میں اپنے نام سے خریدوں تو پندرہ سولہ ہزار دے کر چھین سکتا ہوں مگر کیا بتاؤں کہ روپیہ ہی نہیں ہے۔"

شیخ صاحب نے کہا "مجھ کو چل کر دکھائیں وہ کوٹھی۔ بیشک وہ اپنے نام سے خرید کر میرے نام کر دیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "پھر وہی بیوقوفی کی باتیں۔ نہ میں کوٹھی خریدوں نہ اب روپیہ دوں سو باتوں کی ایک بات تو ساجد میاں نے کہدی کہ ذرا ہاتھ روک کر تو ان کو دیکھا جائے کہ ہیں کتنے پانی میں۔"

سانپ کا ذکر ہوتا ہے تو وہ گویا قریب ہی ہوتا ہے عین اسی وقت محبوب صاحب کی آواز آئی اور یہ مجلس یہیں پر ختم۔

ہم بیقرار تو تھے ہی کہ کسی طرح جلد سے جلد اشرف صاحب سے مل کر ان کو یہ روداد سنائیں کہ ان کے چُپ کی داد ملنا شروع ہو گئی ہے اور محبوب صاحب کا چراغ ٹمٹمانے لگا ہے کہ دفتر میں خواجہ صاحب اپنے کمرے سے اُٹھ کر تشریف لائے "ارے بھئی ہر وقت کام۔ ہر وقت کام۔ کام نہ ہوا مصیبت ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ بڑے وفادار ملازمِ سرکار ہیں مگر زیادہ کام کروگے تو بھی گریڈ ہی کے حساب سے تنخواہ بڑھے گی اور کام نہ کروگے تو بھی تنزل ہونے سے رہا۔ ہمارے بابو گوپی ناتھ ہی کو دیکھ لو کہ وہ صرف اس بات کی تنخواہ پاتے ہیں کہ دن بھر ہائے کام ہائے کام چیختے رہیں۔ نتیجہ یہ کہ اب ان کو ایک اسسٹنٹ بھی مل گیا ہے خدا کے فضل سے رائے بہادر بھی ہو گئے ہیں اور اگر اسی طرح کام بٹور بٹور کر رکھتے گئے اور چیختے رہے مستقل مزاجی کے ساتھ تو ابھی بہت سی ترقیاں اور بہت سے خطاب موجود ہیں جو ان کو مل سکتے ہیں"

ہم نے کہا "صاحب آدمی ہے دلچسپ اُس کو تو کسی فلم کمپنی میں ہونا چاہیئے تھا کل میرے کمرے میں ایک میٹنگ تھی چیف سیکرٹری بھی موجود تھے

اب جو اس شخص نے مُنہ بنا بنا کر اور ہاتھ چلا چلا کر بکواس شروع کی ہے تو میٹنگ کا مطلب ہی خبط ہو کر رہ گیا۔ آخر بمشکل تمام ہیں نے لگام کھینچی کہ حضرت جو باتیں آپ قبل از وقت فرما رہے ہیں ان کو تو بعد میں دیکھا جائے گا فی الحال جو پیش پا افتادہ مسائل ہیں اُن پر میٹنگ کو غور کر لینے دیجئے۔ خدا خدا کر کے حضرت خاموش ہو سکے اور جب میٹنگ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایڈوائزری کمیٹی بنائی جائے جس کے سیکرٹری رائے بہادر بابو گوپی ناتھ ہوں تو آپ نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہی کام کی زیادتی کا دُکھڑا رونا شروع کر دیا کہ میرے پاس یوں ہی اتنا کام ہے کہ صبح دس بجے آ کر رات کو تو دس بجے۔ واپس جاتا ہوں مجھ کو بھلا اتنی فرصت کہاں کہ میں ایک ذمہ داری اور لے لوں۔ آخر یہ بلا میرے سر پڑی "

خواجہ صاحب نے کہا "اب یہ دیکھئے کہ کام اتنا زیادہ ہے بیچارے کے پاس کہ اس وقت بھی خدا جانے کس کے کمرے میں بیٹھے ہوئے اپنے تجربات بیان کر رہے ہوں گے۔ خیر چھوڑو ان حضرت کا ذکر میں تو یہ کہنے آیا تھا کہ چل نہ دینا میں ابھی آتا ہوں ایک آدھ فائل بھیج کر اشرف میرے یہاں آ رہے ہیں آج اُن کا امتحان ختم ہو گیا ہے لہذا ہم لوگ یاد آئے یہ دیکھو پرچہ آیا ہے "

ہم نے پرچہ لے کر پڑھنا شروع کیا :-

یا خواجہ ! آج آخری پرچہ بارہ بجے کر کے لوٹا ہوں

امتحان کا سیلاب گذر گیا بظاہر تو اُمید ہے کہ ڈوبنے سے بچ جاؤں گا مگر میڈیکل کالج کی دنیا اُمید پہ قائم نہیں رہتی۔ یہاں تو بس حادثات ہوتے رہتے ہیں پاس ہو جانا بھی حادثہ اور فیل ہو جانا بھی حادثہ ——— بہر حال تھکے ہوئے دماغ کو آرام دینے کی پہلی قسط کے طور پہ آج میں تمہارے یہاں چاء پہ آ رہا ہوں۔ ساجد صاحب کو ضرور بلا لینا وہ تم سے زیادہ معقول آدمی ہیں۔ آدمی تم بھی بُرے نہیں ہو۔ ۶ ۔

یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہو

اشرف

ہم نے پرچہ پڑھ کر کہا "آدمی خوب ہے "

خواجہ صاحب نے کہا "تم کو تو کہنا ہی چاہیئے تعریف جو کی ہے تمہاری چُغد نے۔ حالانکہ میری مستقل رائے یہ ہے کہ تم دونوں نہایت احمق ہو "

ہم نے ہنس کر کہا "آپ کی رائے یہی ہونا چاہیئے۔ اگر آپ احمق نہ سمجھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ واقعی کوئی نہ کوئی خامی ہے۔ اچھا اب جاؤ تم بھی کام کرو اور میں بھی کام سمیٹ لوں جلدی جلدی "

ہم ابھی آخری فائل دیکھ ہی رہے تھے کہ خواجہ صاحب آموجود ہوئے فائل ہمارے ہاتھ سے چھین کر ہم کو زبردستی اُٹھایا اور ہم چپڑاسی کے سپرد تمام

کاغذات کر کے اُن کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اشرؔف صاحب خواجہ صاحب کے کمرے میں نہایت غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے چپکے سے کہا "فاتحہ اُڑائی جاتے"۔

ہم نے کہا "جانے بھی دو۔ امتحان کی تیاریوں میں غریب خدا جانے کتنی راتوں کا جاگا ہوا ہے۔ آج گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے"۔

خواجہ صاحب نے فرمایا "اچھا تو تم ایٹ ہوم ہو جاؤ۔ جی چاہے غسل کر لو۔ میں ذرا بیگم صاحبہ کو سلام کر آؤں شوقِ دیدار میں تڑپ رہی ہوں گی"۔

خواجہ صاحب تو اندر چلے گئے اور ہم نے ان کے غسل خانہ میں واقعی غسل کی ٹھہرائی مگر اب جو نہا کر نکلتے ہیں تو اشرؔف صاحب سگرٹ سلگائے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم کو دیکھتے ہی حیرت سے بولے "ایں؟ یعنی یہ کونسا اسنہ اختیار کیا تشریف لانے کا"۔

ہم نے کہا "آپ سو چکے۔ اور وہ خواجہ صاحب ابھی تک بیگم صاحبہ کو شربتِ دیدار ہی پلا رہے ہیں۔ کہہ کر گئے تھے کہ بیگم شوقِ دیدار میں تڑپ رہی ہوں گی"۔

اشرؔف نے کہا "میں تو یہاں تین ہی بجے آ گیا تھا اور جب سے پڑا سو رہا ہوں غالباً پانچ بجے ہوں گے اب"۔

ہم نے گھڑی دیکھ کر کہا "جی بلکہ ساڑھے پانچ۔ بھائی میں تو تم سے آج یا

کل کسی نہ کسی طرح ضرور ملتا بہت سے حالات جمع ہوگئے تھے تم کو سنانے کے۔ مگر حالات سنانے سے پہلے مجھ کو یہ اعتراف کرنا ہے کہ میں آپ کی اندرونی آواز کا بیحد قائل ہو گیا ہوں۔ اس کو آپ کی کرامت کہوں یا آپکے چچا جان کی حماقت بہر حال حالات نے پلٹا کھانا شروع کر دیا ہے"

اشرف نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا" وہ کس طرح"

خواجہ صاحب بیچ میں پھاند پڑے" بیدار ہو گئے مرکار"

اشرف نے خواجہ صاحب سے کہا" بس دو منٹ۔ ذرا ضروری بات ہے۔ ہاں ساجد صاحب"

ہم نے کہا" سب سے پہلے تو یہ خبر سنئے کہ ولایت سے ایک خط کسی اجنبی کا آیا شیخ صاحب کے نام، جس میں لکھا تھا کہ شکیل آج کل سخت مشکلات میں مبتلا ہیں ان کا وہ ہینڈ بیگ گم ہو گیا ہے جس میں تمام روپیہ تھا نتیجہ یہ کہ آجکل وہ قرض لے لے کر بسر کر رہے ہیں اور کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دینا نہیں چاہتے مگر میں چپکے سے آپ کو لکھے دیتا ہوں۔ یہ خط مجھ ہی سے پڑھوایا گیا اور اسی دن پانچہزار روپیہ ان کو روانہ کیا گیا"

اشرف نے کہا" بدمعاش۔ جس کا خط آیا ہے وہ اس کا کوئی شریک ہوگا حمام زدگیوں میں۔ وہاں رنگ رلیاں منانے کے نہایت آسان ذرائع موجود ہیں بڑے بڑے سمجھدار ہندوستانی وہاں جا کر پھسل جایا کرتے ہیں

پھر شکیل صاحب تو خدا کے فضل سے یوں ہی رنگین آدمی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حماقت مآب بھی اس کے علاوہ جب ان کو معلوم ہے کہ روپیہ مفت کا اڑانے کو مل سکتا ہے تو کیوں نہ حاصل کریں۔ خیر ان باتوں کی تو مجھ کو پہلے سے توقع تھی بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کا میں منتظر ہوں۔ مگر وہ جو آپ نے کہا ہے کہ حالات نے پلٹا کھانا شروع کر دیا ہے وہ کیا بات ہے "؟

اب ہم نے تفصیل کے ساتھ بیگم صاحبہ کی تمام گفتگو اشرف کو سنادی کہ محبوب صاحب نے ان کو کس کس طرح لوٹنے کی کوشش کی ہے اور اب اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جادو چڑھ کر بولنے لگا ہے یعنی بیگم صاحبہ خود یہ اقرار کرنے لگی ہیں کہ اشرف کہتا ٹھیک ہے اور ان کو اب احساس ہو چلا ہے کہ واقعی محبوب صاحب ٹھگ رہے ہیں۔ اس تمام روداد کو سننے کے بعد اشرف کے چہرے پر ایک فاتحانہ شادابی پیدا ہو گئی اور اس نے نہایت مدبرانہ انداز سے کہا:۔

"ساجد صاحب مجھ کو اس بات کی جس قدر خوشی ہوتی ہے کہ میرے سمجھائے ہوئے تمام خطرے اب ان بزرگوں کو نظر آنے لگے ہیں اُسی کے ساتھ اس بات کا دکھ بھی ہوتا ہے کہ اتنے شدید نقصان اُٹھانے سے پہلے آخر ان بزرگوں نے اس شخص کو کیوں نہ سمجھا اور اب بھی دیکھ لیجئے نا کہ شکیل اور ریحانہ کی نسبت بدستور قائم ہے"۔

ہم نے کہا "اگر حالات یہی ہیں تو یہ قصہ بھی پاک ہو جائیگا اتنا تو میں نے کیا ہے کہ بیگم صاحبہ کو اس بات پر راضی کر لیا ہے کہ وہ اب مالی امداد سے ہاتھ

روک کر خود اندازہ کر لیں کہ محبوب صاحب کی یہ نیاز مندیاں ہیں کتنے پانی میں۔ مجھ کو محبوب صاحب کی عقل سے امید ہے کہ وہ جب ان تلوں میں تیل نہ دیکھیں گے تو ان کا طرزِ عمل کچھ کا کچھ ہو جائے گا "

اشرف صاحب نے ہماری تردید کرتے ہوئے کہا "آپ کا یہ خیال اس لئے ہے کہ آپ محبوب صاحب کے داؤں پیچ سے واقف نہیں ہیں جب تک ان کو اس بات کا یقین رہے گا کہ شکیل اور ریحانہ کی شادی ہو جائے گی اُس وقت تک ان کا طرزِ عمل بالکل نہ بدلے گا"

ہم نے کہا "مگر آپ کی اندرونی آواز تو یہ بھی کہہ چکی ہے یہ نسبت پروان نہ چڑھ سکے گی۔ اور یہ انتظام ہیں نے کر دیا ہے کہ اب مالی امداد کا سلسلہ ختم ہو جائے گا رہ گئی محبوب صاحب کی نیاز مندی وہ اگر پھر بھی جاری رہے تو ہماری بلا سے "

خواجہ صاحب نے غالباً اس گفتگو سے اُکتا کر کہا "ارے بھائی۔ ۶۔ ہو رہیگا۔ کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ اب یہ فرمائیے کہ امتحان ختم ہو جانے کے بعد جناب والا کا پروگرام کیا رہا کریگا "

اشرف نے کہا "پروگرام تو بہت کچھ بنائے تھے مثلاً یہ کہ تم سے کہونگا کہ چھٹی تو تمہاری بہت سی ہو گی اور ساجد صاحب کی بھی چھٹیاں بھی واجب ہونگی کیوں نہ کہیں سیر سپاٹا کیا جائے "

خواجہ صاحب نے فرمایا "یہ بھی دیکھو۔ میں کہیں باہر و اہر تو جا نہیں سکتا صاف بات کہوں۔ دفتر نے اجازت دے دی تو بیوی اجازت نہ دے گی۔ اس لئے کہ آجکل حالات کچھ غیر شاعرانہ سے ہو رہے ہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ اب ہوسٹل سے یہیں کیوں نہ اُٹھ آؤ"

ہم نے کہا "خواجہ صاحب آپ ہی کی قسم کے ایک خواجہ صاحب ہیں خضر وہ تو مسافروں کو راستہ بتا دیا کرتے ہیں آپ گمراہ کرنے کے فرائض کیوں انجام دے رہے ہیں ہوسٹل سے اگر یہ کہیں جا سکتے ہیں تو صرف اپنے گھر ورنہ یہ قصہ زیادہ بڑھ جائے گا"

اشرف نے کہا "خیر ابھی گھر جانے کا تو فی الحال کوئی خیال ہی ذہن میں نہیں لا سکتا جب تک کہ شکیل کی نسبت محبوب صاحب کے منہ پہ نہ ماری جائے مگر تمہارے یہاں آنے کے متعلق ابھی ذرا غور کرنا ہے" خواجہ صاحب نے بار بار اصرار کیا مگر آخر تک اشرف نے غور کرنے کی مہلت مانگی اور فی الحال یہی طے ہوا کہ شام کو خواجہ ہی کے یہاں محفل جما کرے گی۔

# ۱۱

سلمیٰ کے خط سے والدہ صاحبہ کی علالت کی اطلاع ملتے ہی ہم نے ایک ہفتہ کی رخصت کی درخواست اُدھر روانہ کی اور ادھر خود گھر روانہ ہو گئے چلتے وقت کچھ تحائف ریحانہ نے سلمیٰ کے لئے مع ایک خط کے ہمارے ساتھ کئے اور کچھ چیزیں بیگم صاحبہ نے والدہ کو بھجوائیں اس تمام سامان سے لدے پھندے گھر جو پہنچے تو شکر ہے کہ والدہ صاحبہ بالکل تندرست تھیں یوں ہی فصلی بخار آ گیا تھا جو تیسرے ہی روز اُتر گیا۔ ہمارے اس بدحواسی کے ساتھ دوڑ آنے پر دل ہی دل میں تو والدہ صاحبہ بیحد خوش تھیں مگر سلمیٰ کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ میں نے تو منع کر دیا تھا تم کو کہ اُس کو میرے بخار کی اطلاع نہ کرنا۔ آخر وہی ہوا کہ بھاگا ہوا آیا سر پہ پیر رکھ کر۔"

سلمیٰ ایک ہی شریر اس نے جواب دیا "ایک تو بہانہ ہاتھ آیا تھا بھائی جان کو بلانے کا۔ یہ تو میں خود جانتی تھی کہ نزلہ بخار خدا نہ کرے کوئی ایسی بیماری نہیں ہے کہ اس کے لئے بھائی جان کو اتنی دور سے بُلا لیا جائے مگر کبھی گھر بھی تو آنا چاہیئے ان کو۔"

والد صاحب نے وظیفہ ملتوی کرتے ہوئے فرمایا " دل ہی دل میں خود بدولت بھی خوش ہیں کہ میرا بیٹا مجھ کو کتنا چاہتا ہے کہ بیماری کی خبر سنتے ہی دوڑا آیا"

والدہ صاحبہ نے ہمارے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا " وہ تو چاہتا ہی ہے۔ میرے سب بچوں میں اللہ اسکی بڑی عمر کرے اسی نے مجھ کو ہمیشہ زیادہ چاہا اور اگر کوئی میرے کہنے پر چلا ہے تو میرا ساجد چلا"

ہم نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا " مولانا خالد نظر نہیں آتے "

والد صاحب نے کہا " ارے۔ یعنی تم نے اب تک سُنا ہی نہیں۔ صاحب وہ تو بڑے فخر خاندان نکلے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ہمارے خاندان کا ذکر سونے کے حروف میں محض خالد میاں کی وجہ سے لکھا جائے گا۔ اے صاحب وہ تو کپتان ہو گئے ہیں کپتان۔ اپنے کالج کی کرکٹ ٹیم کے کپتان اور آجکل ان کپتان صاحب کی ٹیم پنجاب گئی ہوئی ہے میچ کھیلنے۔ کیا سمجھتے ہیں آخر آپ اُن کو "

ہم نے ہنس کر کہا " یہ تو اچھی بات ہے بشرطیکہ اس کا اثر تعلیم پر نہ پڑے "

والد صاحب نے کہا " عجیب حماقت کی بات کہہ رہے ہو یعنی جب بغیر تعلیم کے وہ کپتان بنا دیئے گئے تو اب تعلیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اب تو کتابیں الماری میں بند ہیں اور وہ دن رات بلیزر پہنتے کپتان بنے پھرتے ہیں "

دیر تک اسی طرح کی گھر یلو باتیں ہوتی رہیں آخر ہم آرام کرنے کے لئے سلمیٰ کے کمرے میں چلے گئے اور دو گھنٹہ تک نہایت عمدہ نیند سوئے غالباً ابھی اور

سوتے مگر سلمٰی آپا نے آکر جگا دیا کہ کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سفر کے کسل کا بہانہ کر کے ہم پھر سلمٰی کے کمرے میں آ گئے۔ دراصل ہم کو سلمٰی آپا کے کمرے میں کچھ چوری کرنا تھی یعنی ریحانہ کے خطوط دیکھنا چاہتے تھے یہ بات بُری تھی یا اچھی یہ تو اخلاقیات کا مسئلہ ہے مگر اشتیاق بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔ آخر جب ہم بستر پر دراز ہو چکے اور سلمٰی آپا نے خود دروازے بند کر کے ہم کو کمرے میں چوری کا موقع دے دیا تو ہم نے نہایت آسانی کے ساتھ سلمٰی آپا کی میز سے چند خطوط برآمد کر ہی لئے مگر اس خیال سے کہ کہیں چوری کھل نہ جائے ان کو فی الحال پڑھا نہیں بلکہ اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ ہمارا کام تو ہو ہی چکا تھا لہٰذا تھوڑی ہی دیر میں اس ارادے سے کہ ذرا وطنی دوستوں سے تو مل ہیں جا کر کمرے سے نکلے مگر فوراً ہی ایک نئی صورت دیکھ کر واپس لوٹ ہی رہے تھے کہ والدہ صاحبہ نے آواز دی "ارے آتے کیوں نہیں ستارہ ہے۔"

ہم نے باہر آتے ہوئے کہا: "ستارہ؟ ارے یہ تو آپکے برابر ہو گئیں اَمّی جان۔"

ستارہ نے پہلے تو ہنس کر دوپٹہ میں منہ چھپا لیا اس کے بعد اُٹھ کر سلام کیا تو ہم نے کہا: "صاحب اب تو میں خود آپ کو سلام کرنے والا تھا۔"

والدہ صاحبہ نے کہا "تم نے تو شاید دو برس کے بعد دیکھا ہو گا جب تم یہاں تھے تو یہ لوگ کلکتہ میں تھے اور جب سے یہ لوگ آئے ہیں تمہارا آنا ہی نہیں ہوا۔"

ہم نے کہا "مجھ کو تو ایک جھبڑی جھبڑی لٹ کی ستارہ نام کی یاد ہے جو اپنی اُستانیوں کے قصّے اس طرح سنایا کرتی تھی جس طرح کوئی فلم کی کہانی سنائے نہ معلوم کون کون اُستانیاں تھیں مس نرگس مس شکنتلا۔ مختصر یہ کہ یہ تو ہو گئیں بڑی اور اُستانیاں بن گئیں فلم اسٹار"۔

سلمیٰ نے کہا "واقعی ہیں تو نرگس بھی فلم اسٹار اور شکنتلا بھی فلم اسٹار"۔

ستارہ مسلسل آنچل کی بتی بنا بنا کر اور ہونٹ بھینچ بھینچ کر ہنس رہی تھی اب تو واقعی وہ ستارہ بن گئی تھی چمکتا ہُوا ستارہ۔ سڈول جسم۔ نہایت شاعرانہ چہرہ۔ موٹی سی چوٹی کمر کے نیچے تک نظر آ رہی تھی اور بالوں کا گھونگھر جو مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی تھا عجیب لہریں پیدا کر رہا تھا۔

والدہ صاحبہ نے کہا "اب تو ماشاء اللہ بی۔ اے بھی کر لیا ہے اس نے"۔

ہم نے کہا "اخاہ۔ گریجویٹ ہیں آپ پھر تو انگریزی میں مزاج پوچھنا چاہیئے"۔

والد صاحب نے باہر سے ہم کو آواز دے کر بلایا اور ہم اس ذکر جمیل کو چھوڑ کر باہر آ گئے۔ والد صاحب کے کچھ احباب جمع تھے مقصد تھا ان حضرات سے ہم کو ملانا۔ مگر اسی سلسلہ میں ہم کو آدھ گھنٹہ تک باہر بیٹھنا پڑا۔ اب جو وہاں سے واپس آتے ہیں تو راستہ ہی میں سلمیٰ نے روک کر اپنے کمرہ کا رُخ کیا اور ہم کو اپنے ساتھ لا کر کہا "پسند آئی آپ کو اپنی دُلھن؟"۔

ہم نے چونک کر کہا "کیا مطلب۔ کون دُلھن؟"

سلمیٰ نے کہا "امی جان نے شتارہ کو اصل میں اسی لئے آج بلا یا ہے
کہ آپ اس کو دیکھ لیں۔ اب وہ آپ سے یہ تو کہہ خود چھیڑیں گی مگر میں سُن چکی ہوں
کہ امی جان اور آبا جان دونوں کی نیت شتارہ کو بہو بنانے کی ہو چکی ہے"
ہم نے واقعی گھبرا کر کہا "یعنی خواہ مخواہ۔ اوّل تو میں شادی کا مقصد صرف
اسی قدر نہیں سمجھتا کہ بس ایک لڑکا ہو اور ایک لڑکی اور شادی ہو جائے"
سلمیٰ نے شرارت سے کہا "جی نہیں اور بھی سب ہوں گے براتی مہمان۔
مرد اور عورتیں بچے ——"
ہم نے کہا "بکو مت۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شتارہ میں اور مجھ میں مناسبت
ہی کیا ہے۔ میں نے کبھی اس کو اس نظر سے نہ دیکھا نہ اس خیال سے اپنے ذہن
میں جگہ دی"
سلمیٰ نے کہا "تو اب دیکھ لیجئے اس نظر سے اور اب اس خیال سے ذہن
میں جگہ دے لیجئے"
ہم نے کہا "پاگل ہوئی ہو۔ اس قسم کی باتیں نہ دیکھنے سے دیکھی جاتی ہیں
نہ سوچنے سے سوچی جاتی ہیں یہ تو ایک بیساختہ تحریک ہوتی ہے۔ آخر یہ امی جان
کو سوجھی کیا ہے"
سلمیٰ نے کہا "اگر آپ واقعی سنجیدگی سے اس کے لئے تیار نہیں ہیں تو اب
میں آپ کو بتائے دیتی ہوں کہ ستارہ آپ کے مزاج کے قطعاً برعکس قسم کی لڑکی

ہے وہ سوسائٹی بیٹر فلائی بننے کے ارمان میں گھلی جارہی ہے اور خواب دیکھ رہی ہے اس زندگی کے جب اس کا شوہر اس کا کوٹ اپنے شانے پر ڈالے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہوگا اور وہ چمکتی پھرے گی ہر ایٹ ہوم۔ ہر پارٹی۔ ہر ڈنر اور ہر منظر عام پر۔"

ہم نے کہا "جی۔ ع۔ تو اسنتھے مرا باحسرت و یاس۔ مجھ کو بیوی چاہیے سائن بورڈ درکار نہیں ہے۔"

ہم دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ والدہ صاحبہ تشریف لے آئیں اور سلمیٰ آپا کو ستارہ کے پاس بھیجکر بولیں "دیکھا تم نے ستارہ کو؟"

ہم نے کہا "جی ہاں ماشاء اللہ اتنی جلدی اتنا بڑھ گئی۔"

والدہ صاحبہ نے ہنس کر کہا "کیا خیال ہے بیاہ لاؤں اس کو تیرے لئے۔"

ہم نے کہا "امی جان۔ مجھ کو آپ سے ایسی امید نہ تھی کہ آپ میرے لئے ایسا اندھا انتخاب کریں گی ستارہ کا مزاج کچھ میرا کچھ۔ محض صورت شکل اور تعلیمی حالت ہی تو نہیں ہوتی زندگی بھر کا ساتھ دینے کی ضمانت۔ باہمی دلچسپی۔ اتحاد طبیعت میں مناسبت۔ ایک دوسرے کے لئے کشش۔"

والدہ صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا "میں تو رائے لے رہی تھی صرف۔ اگر تم کو اختلاف ہے تو جانے دو۔ میری اب تک تم نے ہر خوشی کی ہے مگر میں تو خود چاہتی ہوں کہ اس معاملہ میں میری نہیں بلکہ تمہاری ہی خوشی ہو۔ مگر یہ ارمان ضرور

ہے کہ اب بہو گھر میں آجائے۔ ستارہ نہ سہی کوئی اور سہی مگر یہ فیصلہ اب تم کو جلد کرنا ہے۔"

ہم نے خوش ہو کر امی جان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا یہ خدا کی قسم میری ماں کی ایسی کسی کی ماں نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی امی جان کا یہ ارمان بہت جلد پورا کروں گا۔"

امی جان دعائیں دے کر ہنسی خوشی چلی گئیں۔ اور شام تک ستارہ بھی رخصت ہو گئی۔ ہم ایک ہفتہ تک گھر رہ کر اس قدر مصروف رہے کہ وقت کی رفتار کا اندازہ ہی نہ ہو سکا آج اس دوست کے یہاں دعوت ہے تو کل اس کے یہاں۔ بلکہ سلمیٰ تو ناراض بھی ہو گئی کہ اتنے دنوں کے لئے آئے تو دوستوں نے پیچھا نہ چھوڑا اس کو اس قدر اداس دیکھ کر امی جان اور ابا جان کی اجازت سے اُسے ہم اپنے ساتھ ہی لیتے آئے۔

# ۱۲

سلمیٰ کے لکھنؤ آجانے کے بعد نقشہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا اب تک جو تھوڑی بہت مغائرت تھی وہ بھی گویا اُٹھ گئی ہم نے بھی اس خیال سے کہ شیخ صاحب ایک تو واقعی باپ کے برابر دوسرے اتنے دن یہاں رہنے کے بعد ہم کو اس گھر کی شرافت۔ تہذیب اور شریفانہ طور طریقے کا اندازہ ہو چکا تھا سلمیٰ کو شیخ صاحب کے سامنے کر دیا تھا اس بات نے اتنا گہرا اثر کیا کہ اب گویا ہم دونوں بہن بھائی اسی گھر کے رکن سمجھے جانے لگے۔ بلکہ شیخ صاحب تو مارے جوش کے ہمیشہ حد سے بڑھ جایا کرتے ہیں کہنے لگے بیگم صاحبہ سے :-

"میں نے کہا سنتی ہو۔ آخر دروازے کی آڑ کب تک پکڑتی رہو گی اس گانے پردے سے آخر حاصل ہی کیا ہے۔ آجاؤ نا یہاں"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے تو یہ بھی کوئی پردے میں پردہ ہے بس ذرا آنکھ کا لحاظ ہے ورنہ میرے لئے جیسے اشرف ویسے ساجد۔ دوسرے میں کوئی تمہاری طرح بزنس تو کرتی نہیں ہوں"

ہم تو اس لطیفہ پر بڑی زور سے ہنس دیتے مگر شیخ صاحب کے پلے کچھ نہ پڑ سکا۔

ہماری ہنسی پہ اور بھی پریشان ہو کر بولے "بزنس سے کیا مطلب یعنی۔ تجارت نا۔ تو میں نے کیا میرے باپ نے بھی کبھی تجارت نہیں کی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے یہ تجارت نہیں تو اور کیا ہے۔ آج تک تم کو اس بات کا خیال نہ ہوا تھا کہ مجھ کو ساجد کے سامنے کہہ دو اب جب اُس نے سلمیٰ کو تمہارے سامنے کیا ہے تو آپ بھی بدلہ اُتارنے کے لئے بے چین ہیں۔ اے میں تمہاری ترکیبوں کو خوب سمجھتی ہوں اتنے دنوں تک تم کو سمجھا ہے۔ تم نے اُلٹا ایتیں ہم نے بھُون بھُون کھائیں۔"

شیخ صاحب نے ہم سے کہا "ذرا زبان اور محاورات پر قدرت دیکھ رہے ہیں آپ۔ مگر ان سب سے بڑھ کر یہ بزنس والی پھبتی رہی ہے میں تو مان گیا واللہ۔ میری ہمیشہ سے یہ رائے ہے کہ ہمارے خسر صاحب نے ان کو تعلیم نہ دے کر خلق اللہ پر وہ احسان عظیم کیا ہے کہ ـــــــ"

ہم نے بات کاٹ کر کہا "خلق اللہ پر احسانِ عظیم یا خلق اللہ کا نقصانِ عظیم۔"

شیخ صاحب نے کہا "نہیں صاحب احسانِ عظیم کیا ہے۔ بغیر پڑھے لکھے تو یہ عالم ہے اگر خدا نا کردہ پڑھ لکھ جاتیں تو خدا جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ ذرا غور تو کیجئے آپ فرماتی ہیں بزنس۔ کم سے کم بغیر سوچے سمجھے میں یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔"

بیگم صاحبہ نے برہنگی سے کہا "تم سوچ سمجھ ہی کر کوئی ذہانت کی بات کبھی

کر لیا کرو کم سے کم طبیعت تو خوش ہو جایا کرے میری"۔
شیخ صاحب نے کہا "اجی صاحب اب کیا ذہانت کی بات کریں گے۔ تمام ذہانت تو صرف ہو جاتی ہے اس غور و فکر میں کہ کس طرح بد پرہیزی کریں، کیسے منہ کا مزہ بدلیں۔ بیماری نے اور اس سے زیادہ اس عمر بھر کے پرہیز نے اور بھی نکما کر دیا ہے۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے"۔
بیگم صاحبہ نے کہا "یہ میں سمجھ رہی ہوں کہ گفتگو کا رخ کیوں بدلا ہے۔ ناشتہ آ رہا ہے نا برتنوں کی آواز کان میں آ گئی ہو گی مگر یہ بھی معلوم ہے کہ ریحانہ سے تم نے کیا وعدہ کیا ہے"۔
شیخ صاحب نے پسپائی کے ساتھ کہا "تو میں وعدہ خلافی کب کر رہا ہوں۔ تمہاری دھمکیاں ایک طرف صاحبزادی تم سے بھی نمبر لے گئیں"۔
بیگم صاحبہ نے کہا "تم نے بھی سنا ساجد میاں کہ ریحانہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اب اگر یہ بد پرہیزی کریں گے تو وہ مہاتما گاندھی والا طریقہ اختیار کر کے برت رکھنا شروع کر دے گی۔ یہ اسلامی روزہ نہیں جو شام کو کھل جاتا ہے بلکہ سیاسی برت گاندھی جی والا"۔
شیخ صاحب نے کہا "بولو مہاتما ریحانہ کی جے"۔
ہم نے کہا "حالانکہ طبی حیثیت سے یہ برت خود آپ کے واسطے مفید ہے۔ اگر میری بات آپ مانیں تو بیک کرشمہ دو کار والا مضمون ہو سکتا ہے۔ صحت اور

شہرت دونوں حاصل ہو سکتی ہیں "
شیخ صاحب نے فرمایا " یعنی ؟ "

ہم نے کہا " آپ کی طرف سے اخبار میں ایک بیان دے دیا جائے کہ گویا آپ نے فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں یہ طے کیا ہے کہ جب تک اس شہر کے ہندو اور مسلمان آپس میں مل کر یہ فیصلہ نہ کریں گے کہ وہ لکھنؤ میں بنگال۔ بہار یا پنجاب کی تلافی کے طور پر باہمی اتحاد و اتفاق کی جڑوں کو انتہائی مضبوط بنائیں گے اور جب تک لکھنؤ کے ہندو اور مسلمان کانگرس اور لیگ کے پرچم ایک ساتھ لے کر اللہ اکبر۔ بندے ماترم۔ مہاتما گاندھی کی جے۔ قائد اعظم زندہ باد کے نعروں کے ساتھ مشترکہ جلوس نہ نکالیں گے اس وقت تک میں برت نہ توڑوں گا۔ اس بیان سے ایک دھوم مچ جائے گی اخبارات میں چرچے ہوں گے لوگ آپ کو دیکھنے آئیں گے۔ آپ کے روز کے حالات اخبارات میں پیش ہوں گے تصاویر شائع ہوں گی۔ یہاں تک کہ لیڈروں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ برت توڑنے کے لئے خوشامدیں ہوں گی۔ ہر زبان پر آپ کا نام ہوگا۔ اور آپ کا مرض الگ دور ہو جائے گا "

پہلے تو شیخ صاحب اور بیگم صاحبہ ہنس ہنس کر اس ترکیب کو سنتی رہیں اس کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا " اور جب یہ تمام شہرت ہو چکے گی اس وقت ایک دم اخباروں میں یہ خبر بھی آجائے گی کہ شیخ صاحب نے آنکھ بچا کر برت توڑ لیا۔ رات

کی تاریکی میں نعمت خانہ سے چوری"۔

اخبارات کی ان سرخیوں پہ ہم ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور شیخ صاحب اس طرح پُر امان رہے تھے گویا واقعی یہ بدنامی اُڑ گئی ہے اور اس کی ذمہ داری بیگم صاحبہ کے سر ہے وہ اپنی صفائی پیش کرنے والے تھے کہ سلمیٰ کو بیگم صاحبہ نے آواز دے کر کہا "سلمیٰ بی بی۔ بھائی کے لئے ناشتہ بھجوا دو" اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر بولیں "اللہ جانتا ہے کہ سگی بہنوں میں بھی وہ میل جول نہیں ہو سکتا جو ان دونوں میں ہے بس ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتی ہیں۔ ہائے کیا کہوں میں"۔

شیخ صاحب نے کہا "یعنی کہنے میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ جو تمہارے دل میں ہے، وہ میری زبان پہ ہے اور مجھ کو کوئی ان حضرت کا ڈر تو پڑا ہے نہیں کہ چپ ہو رہوں ہائے کیا کہوں کہہ کر۔ ارے بھئی یہی نا کہ تم کو سلمیٰ بے حد پسند ہے جی چاہتا ہے کہ اس کو کسی طرح اپنا لیں لگا اب مجھ سے سنئیے کہ قیامت تک یہ نہیں ہو سکتا۔ سلمیٰ اور ریحانہ میں میرے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر صاحبزادۂ بلند اقبال کے اطوار درست ہوتے اور اُن حضرت نے لُچّوں لفنگوں کے طور طریقے اختیار نہ کئے ہوتے تو میں خود زبردستی کرتا اس سلسلہ میں مگر حد تو یہ ہے کہ دیکھنے والا اپنے دل کو خود دکھا کہہ رہا ہے۔ میں سلمیٰ کا دشمن نہیں ہو سکتا کہ اشرف کی نسبت اُس غریب کے لئے دوں"۔

بیگم صاحبہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں اور سلمٰی صاحبہ کی نگرانی میں ہمارے لیئے ناشتے کا جلوس آگیا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی آواز میں تھا تیداریت پیدا کرتے ہوئے کہا "اچھا بس اب تم چلو وہاں سے"

سلمٰی نے کہا "جی نہیں میں نے آج خالو جان کے لئے بھی ناشتہ بنایا ہے۔ یہ دیکھیئے یہ سابو دانہ کے پاپڑ ہیں۔ اور یہ سنبوسے بھی آپ کھا سکتے ہیں یہ چکر کے ہیں اور ان میں آلو نہیں ہیں بالکل۔ شکر ے کے کچالو بھی آپ کو اچھے لگیں گے اس میں بھی شکر نہیں ہے ـــــــــ"

شیخ صاحب نے خوش ہو کر کہا "ارے واہ میری بیٹی۔ دیکھئے جناب بیگم صاحبہ۔ خیال کرنا اس کو کہتے ہیں"

بیگم صاحبہ نے کہا "مگر خدا کے لئے اس خیال کرنے کی غریب کو یہ سزا نہ دے دینا کہ روز نہ کی فرمائشیں شروع کر دو آج وہ اسی شوق میں کہ خالو جان بیچارے ہر چیز کو ترس رہے ہیں دوپہر بھر باورچی خانہ میں تپی ہے"

شیخ صاحب نے ایک سنبوسہ منہ میں ڈال کر کہا "تپنے ہی کے بعد سونا کھرا یا کھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ مگر سبحان اللہ۔ بھئی قسم خدا کی عمر بھر ایسے لذیذ سنبوسے نہیں کھائے" اور ایک سنبوسہ دے کر دوڑے بیوی کے لئے "تم کو میری قسم ذرا کھا کر دیکھو تو سہی"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں ہاں تو کیا تم نے میری سلمٰی کو کوئی معمولی لڑکی سمجھا

ہے۔ کھانا پکانے میں وہ لاجواب ۔ سینے پرونے میں اس کو کمال حاصل ۔ کل اُس نے ریحانہ کے جمپر میں ذرا سا کام بنایا ہے ۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ تصویر کھینچ کر رکھدی ہے اللہ نظر بد سے بچائے بڑی سلیقہ کی لڑکی ہے"

ہم نے کہا "سلمیٰ اب گھر جانے کے بجائے تم کو بریلی لے جانا پڑیگا "

بیگم صاحبہ نے کہا "بریلی ؟ یہ بریلی کی کیا سوجھی "

ہم نے کہا "بہت بڑا پاگل خانہ ہے بریلی میں ۔ جب آپ لوگ تعریفیں کر کر کے اس کا دماغ خراب کر دیں گے تو یہی کرنا پڑیگا "

بیگم صاحبہ نے کہا "اللہ نہ کرے بھیّا ۔ دور پار ۔ اس کے دشمن جائیں پاگل خانہ میں نجھو ۔ نجھو ۔ ایسی بات زبان سے نہ نکالا کرو ۔ سچ کہتی ہوں میری آنکھوں میں کی خاک موتیوں میں تولنے والی ہے لڑکی "

موٹر کے ہارن پر ہم سب چونک پڑے ۔ باہر نکل کر دیکھا تو موٹر کے شوفر نے سلام کر کے کہا " ساجد صاحب کو خواجہ صاحب کے یہاں فوراً بلایا گیا ہے سب لوگ انتظار کر رہے ہیں "

ہم نے ناشتہ سے جلد جلد فراغت کی اور موٹر پر روانہ ہو گئے ۔

## ۱۳

خواجہ صاحب کے یہاں تو جیسے کسی جشن کا انتظام تھا بہت سے لوگ جمع تھے لان پر باقاعدہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہار اور پھول بھی نظر آرہے تھے اور باقاعدہ کسی تقریب کی سی کیفیت تھی موٹر کے پہنچتے پہنچتے ہم نے دماغ کو ہر طرف دوڑایا کہ یہ جشن آخر کس سلسلہ میں ہو سکتا ہے اگر خواجہ صاحب کے کسی بچے کی تقریب ہوتی تو ہم کو پہلے سے اطلاع ضرور ہوتی۔ آج دفتر میں بھی خواجہ صاحب نے اس تقریب کا ذکر نہ کیا۔ پھر آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ موٹر کے پہنچتے ہی خواجہ صاحب جھپٹے ہماری طرف، اور موٹر سے اُترتے ہی ہم کو اتنے زور سے لپٹایا کہ دم گھٹنے لگا اور پھر گود میں اُٹھا کر دوڑے مجمع کی طرف ہم پوچھتے ہی رہ گئے کہ "ارے بھئی آخر معاملہ کیا ہے خود غرضی سے کام نہ لو ہم کو بھی تو بتاؤ کہ ہم بھی خوش ہو سکیں"۔ مگر وہ بھلا کب سنتے تھے۔ سب کے بیچ میں لے جا کر ہم کو اُتار دیا اور نعرہ بلند کیا۔

"ہار لاؤ ہار۔ دو تین لاؤ ان کے لئے"

اشرف نے دوڑ کر ہم کو گلے لگاتے ہوئے کہا "واقعی ان کی دعائیں بھی اثر کر رہی تھیں"

اب ہم نے ذرا کڑے تیوروں سے خواجہ صاحب کو ڈانٹا " بندۂ خدا۔ آخر کچھ بتائے گا بھی یا یوں ہی بیوقوف بناتا رہے گا "

عقلمندی ملاحظہ ہو خواجہ صاحب کی فرماتے ہیں " لاحول ولا قوۃ۔ یعنی میں سمجھتا تھا کہ تم کو معلوم ہو چکا ہو گا۔ ارے بھئی ہمارے اشرف ڈاکٹر ہو گئے۔ باقاعدہ ایم۔بی۔بی۔ایس اور وہ بھی معمولی طور پر نہیں بلکہ میڈیکل کالج میں آپ کا نام سر فہرست نکلا ہے "

اب تو ہم کو بھی واقعی بیحد مسرّت ہوئی اور اب ہم نے دوڑ کر اشرف کو گلے لگاتے ہوئے کہا " مبارک ہو "

مبارک سلامت کے اس ہنگامہ کے بعد اشرف کو ہوش آیا اور اُس نے حاضرین سے تعارف کرایا " ساجد بھائی۔ آپ سے ملئے آپ میرے ہم جماعت اور آج ہی ہونے والے ڈاکٹر بنرجی ہیں اور اسی قسم کے یہ سب نئے ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر کمار۔ ڈاکٹر سعید۔ ڈاکٹر بھٹناگر۔ ڈاکٹر رضوی "

ہم نے ان سب خوش نصیبوں سے ہاتھ ملایا جو میڈیکل کالج سے آج سرخرُو ہو کر نکلے تھے اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو اشرف نے کہا " ہاں بنرجی تم اپنا قصّہ جاری رکھو "

ڈاکٹر رضوی نے کہا " بکتا ہے یہ بنگال کے قحط نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے "

ڈاکٹر بینرجی نے کہا "لے بابا۔ اب تم پورا ڈوکٹر ہوچکا ہے اب ایسا نانسنس بات نہ بولو کہ قحط سے دماغ خراب ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر سعید بولے "البتہ قحط کا یہ اثر ضرور پڑتا ہے کہ عشاق عشق چھوڑ دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر بھٹناگر بولے "اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ڈاکٹر بینرجی نے جس زمانہ میں مس لارنس کو چھوڑا ہے وہی زمانہ بنگال کے قحط کا تھا۔"

ڈاکٹر بینرجی بولے "مس لارنس شالا کا بات چھوڑو۔ ہم نے خود دیکھا بابا کہ نوٹس بورڈ پر ریزلٹ دیکھ کر اور اس میں رضوی کا نام دیکھ کر مس للی نے رونا شوروع کر دیا۔"

رضوی بولے "معلوم نہیں رضوی کا نام دیکھ کر روئی تھی وہ یا اس خیال سے روئی تھی کہ ایک بنگالی جانور پانچ سال سے پال رکھا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑے گا۔"

اشرف نے کہا "مگر تم آخر اتنا برا کیوں مانتے ہو رضوی۔ یہ تو بہر حال واقعہ ہے کہ مس للی کو تم سے دلچسپی تھی۔"

بھٹناگر نے کہا "آپ کو نہیں معلوم اس برا ماننے کی وجہ کیا ہے۔ پہلے تو رضوی صاحب اس بات پر فخر کرتے تھے کہ تمام اسٹوڈنٹس مس للی کے لئے پریشان رہتے ہیں اور مس للی آپ کا دم بھرتی ہے۔ سینما چلے جا رہے ہیں اس کے ساتھ۔ وہ چار بر بلا رہی ہے آپ کو۔ روز آپ کے لئے ایک پھول لاتی تھی یعنی آتے وقت جو پھول

اُس کی چٹکی میں نظر آتا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہی آپ کے کوٹ میں دیکھا جاتا تھا۔ رات کی ڈیوٹی میں اگر کسی دن دونوں کا ساتھ ہو گیا تو خدا جانے کتنے مریض پیاسے مر جاتے تھے مگر دونوں میں سے کوئی خبر نہ لیتا تھا۔ حد یہ ہے کہ کرنل جانسن تک نے ایک دن آپ سے کہا تھا کہ مسٹر رضوی تم کو معلوم ہے للی ایک ایسا پھول ہے جس کو توڑنے کے لئے پانی میں جانا پڑتا ہے اور ڈوبنے سے بچنا پڑتا ہے۔"

ڈاکٹر سعید نے کہا "کیا واقعی کرنل جانسن نے یہ کہا تھا"

اشرف نے کہا "ہاں ہاں سب کے سامنے کہا تھا تم تو ہمیشہ کے پینکی ہو خدا جانے کس دُھن میں ہو گے کرنل جانسن کسی کو بخشنے والے ہیں۔ ہاں تو پھر کیا ہوا بھٹناگر؟"

بھٹناگر نے اپنا قصّہ جاری رکھا "مطلب یہ کہ معاملات اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ ایک روز آپ نے مس للی کو فاروقی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ دوسرے دن۔ فاروقی کے ساتھ چاء پیتے دیکھا۔ تیسرے دن پلازا میں فاروقی کے ساتھ دیکھا۔ چوتھے دن آپ کو بخار آ گیا۔ پانچویں دن اختلاج کی شکایت ہو گئی اور چھٹے دن آپ اپنی زندگی سے بیزار تھے۔ قتل اور خودکشی کا موازنہ کر کے دیکھ رہے تھے کہ دونوں میں سے کون مناسب ہے۔ مصیبت یہ کہ اب جو کوئی آپ کے پاس آتا ہے وہ للی اور فاروقی کا قصّہ لیکر آتا ہے اور آپ سے ہمدردی کرتا ہے۔ شامت کا مارا میں بھی جا پہنچا۔"

رضوی نے تڑپ کر کہا "یا تو یہ بکواس بند کرو ورنہ سچ بولنے کی کوشش کرو۔ جب تم نے اس سلسلہ میں مجھ سے ہمدردی کرنے کی کوشش کی تھی تو میں نے اُلٹا تم ہی کو ڈانٹا تھا"

بیزجی نے کہا "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اب تم خود قابول کر رہا ہے۔ اچھا ابھی گھوڑی کا قصہ باقی ہے"

اشرف نے کہا "گھوڑی کا قصہ؟ وہ ہم کو بھی نہیں معلوم"

بیزجی نے کہا "بھوٹنا گر والا بات ختم ہونے پر بولے گا"

بھٹناگر نے کہا "بات یہ ہے کہ رضوی بھائی خفا ہوئے جا رہے ہے حالانکہ خود میرا ارادہ یہ تھا کہ اس سلسلہ میں بالکل سچ بولوں گا۔ یہ واقعہ ہے کہ جب میں اشک شوئی کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے میری بیحد خبر لی اور مجھ کو یقین دلایا کہ خود آپ کو مس للی کا ہرگز کوئی خیال نہ تھا بلکہ وہ خود ہی متوجہ ہوئی تھی اور جب میری طرف سے مایوس ہو گئی تو اس نے فاروقی کو پھانسا ہے۔ مگر اس کے بعد ہی ایک آہِ سرد نکل گئی تھی بھائی جان کے مُنہ سے"

رضوی نے کہا "جھوٹے ہیں آپ۔ نہ آہِ سرد نہ اشکِ گرم"

اشرف نے بیزجی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا "یار وہ گھوڑی کیسی"

بیزجی نے سنجیدگی سے کہا "یہ خریدا تھا گھوڑی مس للی کے واسطے۔ ایک سو چالیس کا ملا تھا گھوڑی"

سعید نے کہا " مگر گھوڑی کی اس کو کیا ضرورت تھی۔ تانگہ اس کے پاس نہ تھا۔ نہ سواری وہ نہ کرتی تھی "

بیرجی نے کہا " ارے بابا سونے کا ہاتھ میں باندھنے والا گھوڑی "

ایک دم سب ہنس پڑے یہ گھڑی کی قسمت پھوٹ رہی تھی۔ اور اسی ہنسی میں خواجہ صاحب کو موقع مل گیا کہ آئس کریم کا دَور چلا دیں۔ آئس کریم کی پیالی ہاتھ میں لیتے ہوئے اشرف نے کہا " خواجہ تم نے تو بیحد تکلّف کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنا ہی عقیقہ کر بیٹھے آپ "

خواجہ صاحب نے فرمایا " بات یہ ہے کہ آدمی ہوں ذرا اپٹوڈیٹ اس قسم کے موقع پہ لوگ مٹھائی منگایا کرتے ہیں میں نے یہ تعلیم یافتہ مٹھائی منگا لی ہے "

ہم آئس کریم کی پیالی ہاتھ میں لئے ہوئے اشرف کے برابر والی کرسی پہ جا بیٹھے اور چپکے سے اشرف سے کہا " میں اتنی دیر سے صرف ایک بات سوچ رہا ہوں کہ اس موقع پر آپ کو چاہیئے کہ گھر چلے چلیں "

اشرف نے کرسی کا رُخ بالکل ہماری طرف بدل کر کہا " ساجد بھائی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرا دل نہ چاہتا ہوگا جبکہ مجھ کو معلوم ہے کہ میرے خوش ہونے والے مجھ سے بچھڑے ہوئے ہیں خود مجھ کو اصل مسرت حاصل نہیں ہے مگر میرا وہاں جانا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بیحد مُضر ہوگا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ محبوب صاحب کی چالاکیاں ان بزرگوں کی سمجھ میں آنے لگی ہیں مجھ کو ذرا یہ

باتیں ان کے ذہن میں اچھی طرح آنے کا ان کو موقع دینا چاہیئے میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ وہ خود محبوب صاحب کو ان کے اصل رنگ میں دیکھ لیں بجائے اس کے کہ میں نقاب کشائی کروں آپ اب خود دیکھ لیجئے گا کہ اس موقع پر بھی میرے نہ جانے کو کسی نئی سازش کے ساتھ محبوب صاحب میرے بزرگوں کے سامنے پیش کرینگے اور میرے بزرگ باوجود ان کو سمجھنے کے اس معاملہ میں پھر دھوکہ کھائیں گے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ محبوب صاحب اپنے تمام داؤں ختم کر دیں میں اُن کو اس کا پورا موقع دونگا اور اس کے باوجود وہ خود اپنی جڑیں اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹیں گے۔ میں تو اُس وقت تک اُس گھر میں جا ہی نہیں سکتا جب تک کہ اُن حضرت کا اثر و اقتدار وہاں کام کر رہا ہے"

ہم نے کہا "میں صرف آپ کی ہمشیرہ کے خیال سے کہہ رہا تھا"

اشرف نے کہا "وہ اتنی سمجھدار ہے ساجد بھائی کہ میرے آج بھی نہ جانے کا اس کو ملال ہرگز نہ ہوگا بلکہ اگر میں چلا گیا اور میں نے یہ شکست قبول کر لی تو اس کو بے شک دُکھ ہوگا"

وہاں ایک دم سب کے سب کھڑے ہو گئے اس لئے کہ آج بیچاروں کو خدا جانے کہاں کہاں جانا تھا لہذا یہ محفل بھی برخاست کر دی گئی۔

# ۱۴

شیخ صاحب اور بیگم صاحبہ کو جس وقت ہم نے یہ اطلاع دی کہ ان کے صاحبزادے اس امتیاز کے ساتھ ڈاکٹر ہو گئے اس وقت ان دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی بیگم صاحبہ نے اسی وقت نہایت فیاضی کے ساتھ مٹھائی منگائی اور تقسیم کرائی۔ خود شیخ صاحب دن بھر بجائے اشرف کہنے کے ڈاکٹر اشرف ڈاکٹر اشرف کی رٹ لگاتے رہے مگر قدرتی طور پر کئی بار آبدیدہ بھی ہو گئے کہ آج بھی صاحبزادے نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی کہ ماں باپ کے کلیجہ کو جا کر ٹھنڈا کر دیتے۔ بیگم صاحبہ کو بھی یہ صدمہ تھا مگر وہ ہر مرتبہ یہی کہہ دیتی تھیں کہ "خیر ان کا جو جی چاہے سلوک کریں وہ ہم کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ یہ خوش خبری سنانے ہی آجاتے مگر ہم تو اپنے دل سے مجبور رہیں۔ خدا ان کو خوش رکھے اس سے بھی زیادہ ترقی کریں پھلیں پھولیں چاہے ہم سے کتنا ہی دور رہیں مگر کہلائیں گے ہمارے ہی" اور تو اور ذرا چالاکی ملاحظہ ہو کہ شام کو محبوب صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ کے تین چار خوان مٹھائی کے اور عطر ہار پھول لیکر مبارکباد دینے آئے۔ بظاہر اس قدر خوش تھے گویا ان سے زیادہ اور کسی کو خوشی نہیں ہوئی۔ آتے ہی بھائی کو چمٹا لیا۔ بھاوج کے گلے میں

ہار ڈال دیا اور اپنے ہاتھ سے مٹھائی منہ میں بھر دی اور نہایت خوشی کے ساتھ بولے "اللہ نے کیا ہمارا اشرف اب پورا ڈاکٹر بن گیا۔ ارے صاحب وہ فرسٹ آیا ہے۔ پورے کالج میں فرسٹ۔ سُنا ہے کہ اب اس کو کالج ہی میں ملازمت بھی مل رہی ہے۔ کالج ہی کی طرف سے کوٹھی بھی دی جائے گی اور کوئی عہدہ ہونا ہے ہاؤس سرجن کا وہ مل رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ سول سرجن کی قسم کی کوئی چیز ہے"۔

شیخ صاحب نے کہا "جنگل میں مور ناچا تو ہم کو کیا"۔

محبوب صاحب نے کہا "اس خوشی کے موقع پہ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ اس نے چاہے جو کچھ بھی کیا ہو جوانی میں کون ایسی حرکتیں نہیں کرتا مگر پڑھتا بھی رہا اور آخر دیکھ لیجئے کہ ڈاکٹر بن گیا۔ میں نے تو جب یہ خبر سُنی ہے دیوانوں کی طرح ناچنے لگا شکیل کی ماں نے حیرت سے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے کہیں دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے مگر مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کیا کر رہا تھا۔ آخر میں نے ان کو یہ خبر سُنائی کہ ہمارا اشرف اس شان کے ساتھ پاس ہو کر ڈاکٹر بن گیا۔ یہ ٹھہریں ملّا صاحب شور بازار کے خاندان سے کھڑی ہو گئیں نماز پڑھنے"۔

اندر سے ایک کرخت آواز آئی "اے سُنا کہ نہیں تم خود ہو گئے بچہ سقّہ کے خاندان سے"۔

محبوب صاحب نے کہا "پھر بھی میں شاہی خاندان سے تو ہوا۔ بہر حال آج خوشی کا دن ہے مجھ کو ہر خاندان سے ہونا قبول ہے۔ اچھا یہ بتائیے بھائی صاحب

کہ اب کیا ارادہ ہے۔"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "میرا کیا ارادہ ہوتا۔"

محبوب صاحب نے کہا "نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ اب اشرف میاں کو۔ اے توبہ۔ ڈاکٹر اشرف کو منا کر گھر لانا چاہیئے۔"

شیخ صاحب نے نعرہ بلند کیا "ہرگز نہیں قطعی نہیں۔ وہ میرا باپ نہیں میں اس کا باپ ہوں۔"

محبوب صاحب نے کہا "بچوں کی اور ایسے بچوں کی جو نالائق بھی نہ ہوں ضد پوری بھی کر دینا چاہیئے۔ اگر وہ نرس ہی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو کر لینے دیجئے۔"

شیخ صاحب نے کہا "کیا مطلب؟ یعنی ایک آبرو باختہ۔ غیر مذہب کی چھوکری کو میں بہو بنا کر لے آؤں۔ لاحول ولا قوۃ۔"

اندر سے وہی کرخت آواز آئی "بھائی جان آپ لڑکے کو ہاتھ سے بے ہاتھ کر دیں گے۔ آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے وہ اس کو شادی کر کے مسلمان کر لیگا۔"

شیخ صاحب نے کہا "صاحب میں ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ اس ذکر کو میرے سامنے کبھی نہ چھیڑا جائے۔"

آخر ہم کہاں تک سنتے ہم نے کہا "مگر سوال تو یہ ہے کہ نرس کا قصہ خدا جانے صحیح بھی ہے یا نہیں۔"

محبوب صاحب نے گویا قطعی اور آخری بات کہہ دی "خبر ہے تو صحیح۔ اور یہ

قصہ بھی آج کا نہیں اصل میں وہ ڈھائی سال کا ہے۔ اسی نرس کی وجہ سے اس نے گھر بار چھوڑا۔ ماں باپ کو چھوڑا۔ اور اب تو وہ ماشاء اللہ ڈاکٹر ہو گیا ہے کوٹھی میں علیحدہ رہے گا اچھی تنخواہ ملے گی اور وہ اسی نرس سے شادی کر لے گا۔ خیر وہ شادی کر لے تو بہت اچھا ہے میں تو ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہا کہ کہیں خدانخواستہ یوں ہی کوئی بچہ وچہ ہو گیا تو لیجیے خاندان میں حرامزادوں کا سلسلہ بھی گویا شروع ہو جائے گا مگر اب تک اللہ نے اس بات سے بچایا ہے۔ میں یہی تو بھائی صاحب کو سمجھاتا ہوں کہ اگر یہ خود ذرا عقل سے کام لیکر اپنی نگرانی میں یہ شادی کرا دیں کہ اصلاحی صورتیں پیدا ہو جائیں گی مثلاً شراب کباب شروع نہ ہونے پائے گا۔"

شیخ صاحب نے فرمایا۔ "مگر تم تو کہتے تھے کہ شروع ہو چکا ہے یہ سلسلہ بھی۔"

محبوب صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ جب تک کانوں سے سن رہا ہوں میں جھوٹ ہی سمجھونگا اور سچی بات یہ ہے کہ آنکھ سے میں نے دیکھا نہیں اس کو پیتے پلاتے یا ڈگمگاتے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرض کر لیجیے کہ یہ سلسلہ شروع بھی ہو چکا ہے تو بھی آپ کے بیچ میں آ جانے سے ختم تو ہو سکتا ہے۔ اس وقت تو وہ آزاد ہے اب اگر شروع نہیں ہوا ہے تو آئندہ ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا۔ "صاحب میں تو ڈاکٹر اشرف سے جتنی مرتبہ بھی ملا ان کو اس

حد تک سعید اور پاکباز قسم کا انسان پایا کہ میرے نزدیک ان میں نہ نرس والے قصّہ کی صلاحیت ہے اور نہ اس پینے پلانے کی ۔"

محبوب صاحب نے کہا" ارے صاحب کیا پوچھتے ہیں آپ ۔ یہ لڑکا بجد افرشتہ تھا فرشتہ ۔ کبھی آنکھ چار کر کے بات کرنا نہیں جانتا تھا ۔ لڑکیوں ہیں وہ جھجک اور جھجک مشکل سے ملے گی جو اُس میں تھی مگر میڈیکل کالج میں جانا بس قیامت ہو گیا خدا جانے اس نرس کمبخت نے اِس لڑکے پر کونسا جادو چلا دیا کہ بس وہ اُسی کا ہو کر رہ گیا ۔ اس نے کہا گھر نہ جاؤ آپ نے گھر چھوڑ دیا ۔ اس نے کہا ماں باپ سے نہ ملو آپ نے ماں باپ کو چھوڑ دیا اور سُنا ہے کہ اس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ گھر سے خرچ بھی نہ لو میں تمہارا خرچ اُٹھاؤں گی"۔

شیخ صاحب نے دانت پیس کر کہا" حرامزادی کُتیا ۔ بدمعاش ——"

محبوب صاحب کی بیگم صاحبہ نے اپنی اُسی آواز میں گویا بھینس کو نزلہ ہو گیا ہے فرمایا" بھائی جان ۔ اب اس کو ایسا نہ کہیئے جب کہ یہ معلوم ہی ہے کہ وہ جیا ہے جیسی بھی ہو اشرف کے دل میں بسی ہوئی ہے ہم کو بھی چاہیئے کہ اس کو ——"

شیخ صاحب نے بات کاٹ کر کہا" اجی کچھ نہیں چاہیئے مجھ کو کچھ نہیں چاہیئے ۔ نہ میرا اشرف سے کوئی تعلق نہ اس چڑیل سے ۔"

بیگم صاحبہ نے کہا" خیر اشرف سے تو تعلق ہے اور اللہ رکھے رہے گا مگر ہم اُس کمبخت کو بہو بھی نہیں بنا سکتے ۔"

محبوب صاحب نے کہا "خواہ لڑکا ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جائے "

بیگم صاحبہ نے کہا "اب جو کچھ بھی ہماری قسمت میں ہے "

ہم نے کہا "میں کیسے عرض کروں۔ مگر میری پھر یہی رائے ہے کہ اشرف صاحب کے متعلق جو رائے آپ سب قائم کر بیٹھے ہیں اس کے لئے مکمل تحقیقات کی ضرورت ہے یہ نرس والا معاملہ میری سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ اس قسم کے معاملات لوگ اپنے بے تکلف دوستوں سے بالکل نہیں چھپاتے بلکہ نوجوان تو اپنے معاشقے نہایت فخر کے ساتھ بزمِ احباب میں بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ بھی اس قابل ہیں کہ ان کو ایک رومان کا ہیرو سمجھا جائے اور وہ بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن پر لڑکیاں فریفتہ ہو سکیں۔ مگر اشرف صاحب کے سب سے بے تکلف دوست خواجہ صاحب ہیں جو میرے بھی دوست ہیں میں نے خود اُن سے اس بات کی کھوج لینا چاہی مگر وہ اس افسانہ کو سُن کر حیران رہ گئے کہ گویا اشرف صاحب سے ایسی باتیں وابستہ کرنا ہی غلطی ہے "

محبوب صاحب نے نہایت شاطرانہ تبسّم کے ساتھ فرمایا "خیر تحقیقات تو پوری ہو چکی ہے "

شیخ صاحب نے جوش میں اُٹھتے ہوئے کہا "میں تم کو پورا ثبوت دیتا ہوں " یہ کہہ کر اپنے کمرے میں گئے اور فوراً ہی واپس آ کر ایک تصویر ہم کو دیتے ہوئے کہا "لو خود دیکھ لو یہی ہیں وہ مسمات "۔ اس تصویر میں ایک نہایت خوبصورت

نرس سامنے کرسی پر بیٹھی تھی اور ڈاکٹر اشرف کرسی کے پیچھے کھڑے تھے۔ ہم دیر تک اس تصویر کو دیکھتے رہے۔ آخر شیخ صاحب نے کہا "اب تو یقین آیا"

ہم نے تصویر واپس دیتے ہوئے کہا "حیرت ہے صاحب"

محبوب صاحب نے فرمایا "حیرت تو خیر سب کو ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ آخر اب کیا ہی کیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ بچہ کی ضد پوری کی جائے"

شیخ صاحب نے غصہ میں کہا "اجی بچے کی ایسی تیسی۔ اس قصہ کو ختم کرو مجھے اختلاج ہونے لگا"

بیگم صاحبہ نے محبوب صاحب کو اندر بلا لیا اور شیخ صاحب مارے غصہ کے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ ہم اس تصویر کے متعلق مسلسل غور کر رہے تھے کہ آخر یہ کیا قصہ ہے مگر اس کے باوجود ہم کو یہ یقین تو کسی طرح نہ آتا تھا کہ یہ در اصل کوئی معاشقہ ہے اس قسم کی تصاویر عشق کے علاوہ بھی تو کھنچوائی جا سکتی ہیں مگر ان حضرت کے ہاتھ ایک ثبوت کے طور پر یہ تصویر آچکی تھی تو اس کا آخر رد کیا تھا۔ آخر شیخ صاحب بھی ٹہلتے ٹہلتے اندر چلے گئے اور ہم بستر پر لیٹ کر ایک کتاب پڑھنے لگے حالانکہ دماغ میں اشرف ہی کا معمہ اور اس کے خلاف سازش کی سنجیدگی موجود تھی۔ اسی عالم میں نیند نے خدا جانے کب غلبہ حاصل کر لیا۔

## ۱۵

دفتر سے آنے کے بعد معلوم ہوا کہ شیخ صاحب معہ اہل و عیال کے محبوب صاحب کے یہاں مہمان گئے ہیں میلاد شریف ہے ان کے یہاں اور ہم کو بھی بلایا گیا ہے گھر میں صرف ریحانہ تھیں اس لئے کہ وہ محبوب صاحب کے یہاں نسبت ہو چکنے کی وجہ سے جا نہ سکتی تھیں اور سلمیٰ بغیر ان کے کیسے جاتیں لہٰذا ایک ملازمہ اور یہ دونوں لڑکیاں موجود تھیں۔ ہم کو دیکھ کر سلمیٰ نے کہا: "آپ کو بھی تو بلایا گیا ہے مگر آپ نہ جائیے گا اس کمبخت کے یہاں"۔

ہم نے حیرت سے سلمیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا "کمبخت؟ یعنی تم کو آخر محبوب صاحب سے ناراض ہونے کی کیا وجہ ہے"۔

سلمیٰ نے کہا "کمبخت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی شخص نے اس گھر میں پھوٹ ڈال رکھی ہے مجھ کو ریحانہ سے سب معلوم ہو چکا ہے کہ یہ شخص کس قسم کا ہے اور اس نے اپنا کام بنانے کے لئے سب کا کام کیسا خراب کر رکھا ہے۔ بھائی جان یہ شخص بڑا خطرناک ہے بلکہ میں تو آپ سے کہنے ہی والی تھی کہ ذرا ان حضرت سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ریحانہ سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ حضرت آپ

کی تاک میں بھی ہیں۔"

ہم نے کہا "میری تاک میں؟ مجھ غریب نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔"

سلمیٰ نے کہا "آپ نے بگاڑا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کا اثر خالہ جان اور خالو جان پر نہیں دیکھ سکتا اور اس کو اس بات کا اندازہ ہے کہ خالو جان اور خالہ جان آپ کی بات بہت مانتے ہیں دوسرے آپ کبھی کبھی ڈاکٹر صاحب کی طرفداری کر جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب کے طرفدار سے تو وہ کسی طرح خوش رہ ہی نہیں سکتا۔"

ہم نے کہا "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ان کے ڈر کے مارے بیچارے ڈاکٹر اشرف کی طرفداری چھوڑ دوں اور ان کو خوش کرنے کے لئے شیخ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کو اپنے سے ناراض کر لوں۔"

سلمیٰ نے کہا "خیر یہ تو بزدلوں کا کام ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے مگر ساتھ ہی ساتھ ان حضرت کی خطرناک چالوں سے ہوشیار رہنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور ہاں ذرا ٹھہریئے میں آپ کو ایک چیز دکھاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر سلمیٰ دوڑی ہوئی اندر گئی اور فوراً ہی ایک گروپ لیکر واپس آ گئی۔ "آپ کو وہ تصویر جو کل دکھائی گئی ہے، یاد ہے۔ ٹھہریئے میں وہ تصویر بھی لاتی ہوں۔" سلمیٰ جانے بھی نہ پائی تھی کہ ریحانہ نے ہاتھ بڑھا کر وہ تصویر اس کو دے دی جو کل ہی شیخ صاحب نے ہم کو دکھائی تھی اور جس میں ایک خوبصورت نرس سامنے کرسی پر بیٹھی تھی اور پیچھے ڈاکٹر اشرف کھڑے تھے۔ سلمیٰ نے کہا "دیکھئے یہ تصویر

اس گروپ سے لی گئی ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے کالج کا گروپ ہے جب وہ فائنل میں آئے
ہیں۔ یہ بالکل اتفاق ہے کہ ان کے سامنے ایک نرس بیٹھی ہوئی ہے اور اسی اتفاق
سے یہ فائدہ اُٹھایا گیا ہے کہ ان دونوں کا علیحدہ انلارجمنٹ تیار کرا لیا گیا۔"

ہم نے تصویر دیکھ کر اور واقعہ کی تہ کو پہنچ کر کہا "لاحول ولا قوۃ۔ مجھ کو تو
غصہ آ رہا ہے اپنی سمجھ پر کہ یہ موٹی سی بات اب تک میری سمجھ میں کیوں نہ آئی"۔

سلمیٰ نے کہا "کل جب یہ تصویر آپ کو دکھائی جا رہی تھی ہم دونوں سُن رہی
تھیں۔ آج ریحانہ نے عبداللہ کو بھیجکر ڈاکٹر صاحب سے یہ گروپ اسی لئے منگایا ہے اور
اب اس کو احتیاط سے رکھا جائے گا۔"

ہم نے کہا "مگر ریحانہ کے لئے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ محبوب صاحب
کی ان حرکتوں پر اس طرح کی روشنی ڈالیں وہ جیسے کچھ بھی ہوں بہر حال شکیل صاحب
کے والد ہیں"۔

سلمیٰ نے کہا "جہنم میں جائیں شکیل صاحب بھی"۔

ہم نے کہا "بُری بات ہے سلمیٰ۔ ایسی بات کبھی زبان سے نہ نکالنا چاہیئے
جس سے سہیلی کو تکلیف ہو۔ ریحانہ بیچاری تو تم سے اتنی محبت کرتی ہے اور تم شکیل
صاحب کے لئے ایسی بات کہہ رہی ہو"۔

دروازہ پر ہاتھ مار کر گویا ریحانہ نے سلمیٰ کو مخاطب کیا۔ سلمیٰ اُٹھ کر ریحانہ کے
پاس چلی گئی جو اسی جگہ دروازے کی آڑ میں کھڑی تھی جہاں بیگم صاحبہ کھڑی ہو کر

ہم سے باتیں کیا کرتی ہیں۔ سلمیٰ اور ریحانہ کی گفتگو تو خیر ہم نہ سن سکتے تھے مگر سلمیٰ نے جب بلند آواز سے کہنا شروع کیا تو ہم نے بھی سنا "پھر وہی آخر آواز کا پردہ کرنے کو کس نے تم سے کہا ہے پڑھی لکھی سمجھ دار ہو کر یہ باتیں کر رہی ہو۔ آخر میں کیوں تمہاری مترجم بنوں جو کچھ کہنا ہے تم خود کہو۔"

آخر بمشکل تمام ریحانہ نے ذرا بلند آواز میں کہا "تسلیم ——"

ہم سمجھ گئے کہ مخاطب ہم ہی ہیں۔ لہٰذا ہم نے کہا "تسلیم جناب تسلیم۔"

ریحانہ نے کہا "میں تو سمجھتی تھی کہ مجھے آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں آپ خود ان الجھنوں کو سمجھتے ہوں گے اور بھائی جان کے ساتھ ہی اس جہاد میں آپ بھی میرے شریک ہوں گے۔"

ہم نے دانستہ لاعلمی سے کام لیکر کہا "کونسا جہاد میں سمجھا نہیں۔"

ریحانہ نے کہا "سمجھ تو خیر آپ گئے ہیں مگر غالباً میری ہی زبان سے کہلوانا چاہتے ہیں۔ جہاد سے میرا مطلب یہ ہے کہ محبوب صاحب اور ان کے صاحبزادے کی خوشامدوں کے معاوضہ کے طور پر جو سودا میرا ——"

وہ کہتے کہتے رک گئی اور ہم نے اس کی پوزیشن کا اندازہ کرتے ہوئے اپنی اس حرکت پر خود اپنے کو دل ہی دل میں ملامت کرتے ہوئے کہا:۔

"دیکھئے ریحانہ صاحبہ بات یہ ہے کہ آپ جو کہنا چاہتی ہیں اس کا اندازہ بھی مجھ کو تھا اور یقین بھی مگر میں یہ بات آپ کی زبان سے سننا چاہتا تھا کہ آپ کسی

صورت میں ان منصوبوں کو پورا نہ ہونے دیں گی جو محبوب صاحب باندھ رہے ہیں اور جن کی کامیابی میں خود آپ کے والدین معاون ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "اچھا اب تو آپ نے میری زبان سے سن لیا۔"

ہم نے کہا "آپ کیا واقعی اس سلسلہ میں جہاد کریں گی۔"

ریحانہ نے کہا "میں ایک حد تک بلکہ آخری حد تک اس بات کا انتظار کروں گی کہ میرے والدین عقل سے کام لیں اور اس سازش کو سمجھ کر مجھ کو بھینٹ نہ چڑھائیں مگر جب مجھ کو کسی طرح کامیابی نہ ہو گی اور میں دیکھوں گی کہ پانی ڈوبنے کی حد تک سر سے اونچا ہو گیا ہے تو میرا جہاد اعلان کے ساتھ ہو گا مگر یہ صورت تو ممکن ہو ہی نہیں سکتی کہ محبوب کے جال میں ایک مجبور پرندے کی طرح میں پھنس جاؤں۔"

ہم نے کہا "بس اس سے زیادہ مجھ کو آپ سے کچھ نہیں پوچھنا ہے۔ اب آپ اطمینان رکھیئے کہ آپ کے لئے جہاد کی نوبت اُس وقت آئے گی جب میں اس جہاد میں کام آچکوں گا۔ محبوب کی حماقت آفرین سازش کا شکار آپ کے والدین کے قسم کے سادہ لوح بزرگ ہو سکتے ہیں۔ مگر ابھی اس کی اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ ہم لوگوں سے بھی ٹکر لیکر اپنی شامت کو دعوت دے۔"

ریحانہ نے کہا "یہ آپ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آپ کو معلوم نہیں کہ وہ احمق ہونے کے علاوہ جرائم پیشہ بھی ہے۔ بات بات میں تو لاٹھی پونگے چھری چاقو کا نام لیتا ہے۔"

ہم نے کہا "آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس قسم کی جنگ پر اُتر آئے گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہوتا کہ میں ان کو ذرا سرکاری مہمان تو بنوا دوں"

سلمیٰ نے کہا "بھائی جان ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کو بس ہوشیار رہنا چاہیئے اور ڈاکٹر صاحب سے بھی کہدیجئے کہ خدا کے لئے وہ ذرا ہوشیار رہا کریں اُن سے تو یہ شخص اس قدر جلتا ہے کہ اس کا بس چلے تو خدا جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کرے"

ہم نے کہا "ڈاکٹر اشرف تو بیچارہ مجبور ہے اپنے والدین سے ورنہ وہ تو خود ان حضرت کو مزہ چکھا چکا ہوتا۔ مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ حضرت اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اُس کو بھی والدین کا لحاظ چھوڑ کر ان حضرت کی تواضع کرنا پڑیگی"

ریحانہ نے کہا "خیر آپ ان کو منع کر دیجئے گا کہ وہ اس کے مُنہ نہ لگیں اب وہ اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ان کمینوں کے مُنہ لگتے پھریں اور آپ سے بھی درخواست ہی کر سکتی ہوں کہ ذرا ان کی چالوں سے ہشیار ہی رہیئے گا"

عین اسی وقت موٹر کی آواز پر ریحانہ اور سلمیٰ دونوں اندر چلی گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں شیخ صاحب لاٹھی بجاتے کمرے میں داخل ہوئے "یعنی کمال کر دیا عجیب چیز ہیں آپ بھی سخت شکایت ہوگی محبوب کو تم سے کہ تم نے میلاد شریف میں شرکت نہ کی"

ہم نے کہا "میں ابھی تو آ رہا ہوں یہی کوئی پانچ منٹ ہوئے۔ مجھے اطلاع ہی کب تھی"

شیخ صاحب نے فرمایا" بالکل یکایک میلاد شریف کر بیٹھے حضرت ۔ بات یہ ہوئی کہ مولانا عبدالجبّار صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ لکھنؤ آئے ہوئے ہیں میاں محبوب نے طے کیا کہ ان کو بلایا جائے اور بیان سُنا جائے ۔ بس وہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کے عادی ہی ہیں فوراً مولانا سے وعدہ لیکر میلاد شریف کا اعلان کر دیا ۔ مگر صاحب کیا جادو بیان مقرر ہے اور کیا قدرت ہے تاریخ پہ ۔ اماں تمہارے حصّہ کی مٹھائی بھی تو آئی ہے ۔ مٹھائی اچھی بنی ہے ایک بالوشاہی اُڑانے کا موقع مل گیا تھا مزہ آگیا مگر اب جٹ نہ دینا بیگم سے ۔ اچھا میں مٹھائی بھجواتا ہوں "

شیخ صاحب تو مٹھائی کی دھن میں اندر چلے گئے اور ہم ریحانہ کی گفتگو میں اپنے کو گم کر کے رہ گئے ۔

# ۱۶

محبوب صاحب کے متعلق جتنا ہی ہم جانتے تھے اتنے ہی یہ حضرت کرکرے نکل رہے تھے اب تک تو خیر شیخ صاحب کے یہاں ان سے نیاز حاصل کر کے اور ان کی گفتگو سن کر ہم نے صرف یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ شخص جاہل اور چالاک ہے مگر اتنا چالاک بھی نہیں جس قدر اُس کی چال کی اس وجہ سے کامیاب ہوگئی تھی کہ مقابلہ تھا انتہائی سادہ لوح قسم کے لوگوں سے۔ شیخ صاحب بیچارے اوّل تو عقل کے معاملہ میں واجبی سے آدمی تھے دوسرے زن مریدی نے رہی سہی عقل کو بھی مفلوج کر رکھا تھا۔ بیگم صاحبہ ایک تو اُس زمانہ کی عورت جب عورتیں واقعی ناقص العقل ہوا کرتی تھیں اُس پہ طرّہ یہ کہ انتہائی خوشامد پسند۔ جبہ یہ کہ محبوب کو کارگذاریوں کا خوب خوب موقع ہاتھ آیا اور اس نے واقعی دونوں ہاتھوں سے اس گھر کو لوٹا۔ جو ذرا سمجھدار قسم کے لوگ تھے اس گھر میں اُن میں سے ایک کے ساتھ بیٹے کی نسبت دے کر زبان بند کر دی اور دوسرے کو والدین کا باغی ثابت کر کے اپنے لئے راستہ صاف کر لیا۔ مگر اب ہم نے محبوب صاحب کے متعلق اس گھر کے علاوہ جو تحقیقات شروع کی تو معلوم ہوا کہ۔ ع۔ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں۔

جو ملتا ہے وہ ممدوح کے متعلق ایک نئی تعریف کرتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ آج تک کسی کی سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ محبوب صاحب دراصل ہیں کیا۔ ہر رئیس کے یہاں آپ کی پہنچ۔ ہر لیڈر سے آپ کے مراسم۔ ہر حاکم کے دربار میں آپ کی رسائی۔ اور سب کو خوش رکھنا آپ کا گویا آرٹ۔ واقعات سن کر ہم تو سکتہ کے عالم میں آگئے۔ اگر واقعی یہ شخص جاہل نہ ہوتا تو قیامت برپا کر دیتا۔ یہ بات تو خیر ہم کو ڈاکٹر اشرف ہی سے معلوم ہو گئی تھی کہ محبوب صاحب نے کبھی نہ کوئی ملازمت کی نہ کوئی تجارت معلوم نہیں بسر اوقات کا ذریعہ کیا رہا اور اس کا کبھی کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ ان کے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ مگر جب ہم نے تحقیقات شروع کی تو یہ بات نہایت آسانی سے معلوم ہو گئی کہ ایسے لوگوں کو ملازمت یا تجارت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جو آنکھوں سے کاجل تک نکال لینے پر قدرت رکھتے ہوں۔ ڈاکٹر اشرف حیران تھے کہ خیر اب تو وہ شیخ صاحب کو لوٹ لوٹ کر گھر بھر رہے ہیں مگر یہ چند دن کی بات ہے جب سے شیخ صاحب نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی ہے مگر اس سے پہلے یہ حضرت کیا کرتے تھے۔ اس راز کو آخر ہم نے معلوم کر لیا۔

دراصل محبوب صاحب کی آمدنی کا تنہا ذریعہ اب بھی شیخ صاحب نہ تھے ایسے ایسے خدا جانے کتنے اسامی ان کی مضبوط گرفت میں تھے۔ مثلاً ایک وکیل صاحب کی وکالت اُن ہی کے ذریعہ چل رہی تھی اور وکیل صاحب اُن کے زر خرید غلام معلوم ہوتے تھے۔ ایک حاکم عدالت اُن ہی کے ذریعہ رشوت لیا کرتے تھے لہٰذا ان کے

زیر نگین تھے۔ ایک نواب صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے درمیان آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے طلاق تک کی نوبت پہنچ چکی تھی اور آپ بیک وقت دونوں کے انتہائی ہمدرد تھے اور دونوں کو آپ پر جو بھروسہ تھا وہ شاید ہی کسی پر ہو۔ ایک لکھ پتی صاحبزادے کے والد کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا لہٰذا آپ ان کے والد کی قائم مقامی فرما رہے تھے اور در اصل آجکل آپ کی سب سے بڑی اسامی یہی صاحبزادے تھے اور آپ کا زیادہ تر وقت ان ہی صاحبزادے کے یہاں گذرتا تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ ان صاحبزادے نے اتنی دولت کا مالک بنتے ہی پر پُرزے نکالنا شروع کر دیئے اور مختلف قسم کی شوقینیوں کے علاوہ ایک عشق بھی شروع کر دیا جس کے انچارج ہمارے محبوب صاحب تھے۔ وہ لڑکی کسی نہایت شریف اور اُونچے خاندان سے متعلق تھی مگر محبوب صاحب وعدہ کر چکے تھے کہ اس عشق کو پروان چڑھا کر رہیں گے۔ لہٰذا وہ صاحبزادے آجکل آپ کی مٹھی میں تھے اور آپ اپنی مُٹھیاں خوب گرم کر رہے تھے۔

یہ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد ہم کو اپنے طریقہ کار میں نہایت خامی نظر آئی اور ہم نے اچھی طرح غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ محبوب صاحب سے ہماری بے رُخی اور ہمارا اکڑنا مفید نہ ہو گا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ اس شاطر کے ساتھ اسی کے داؤں چل کر مقابلہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم نے ڈاکٹر اشرف سے بھی مشورہ کیا اور خواجہ صاحب سے بھی یہ دونوں حضرات کچھ ہماری طرف سے

بد عقیدہ سے نظر آئے اور ان کو کسی طرح یقین نہ آسکا کہ ہم کسی طرح بھی کسی میدان میں محبوب سے مقابلہ کر سکیں گے مگر ہم نے ان کو پوری طرح یقین دلا دیا کہ مقابلہ کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ محبوب کو پہلے اپنے قبضہ میں کیا جائے اور اس سلسلہ میں ہم کو ڈاکٹر اشرف کے مخالف کی حیثیت سے محبوب کا دوست بننا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم محبوب کے حالات تو ہمارے سامنے آہی جائینگے۔ ان دونوں حضرات نے ہمارے حق میں دعائے خیر کی اور ہم میلاد شریف میں حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت کرنے کے بہانے سے محبوب صاحب کے یہاں حاضر ہو گئے۔ خوش قسمتی سے محبوب صاحب دولت کدہ ہی پر موجود تھے خلاف توقع ہم کو دیکھ کر سخت سٹپٹائے "خیریت تو ہے ساجد صاحب یہ آپ اور غریب خانہ پر وہ جو شعر ہے ۔ ۔ ۔

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

وہی یاد آرہا ہے اس وقت"

ہم نے کہا "محبوب صاحب میں دراصل کل کی غیر حاضری کی معافی مانگنے حاضر ہوا ہوں دراصل کل دفتر ہی سے ایک جگہ چاء پر چلا گیا اور واپسی اس وقت ہوئی جب میلاد شریف کا وقت گذر چکا تھا۔ اگر مجھ کو پہلے سے اطلاع ہوتی تو میں چاء پر جانا ملتوی کر کے حاضر ہوتا"

محبوب صاحب نے فرمایا "شکایت تو خیر مجھ کو بہت تھی مگر آپ کا عذر

بھی معقول ہے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ غریب خانہ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ تشریف لائیں۔"

ہم نے کہا "کمال کرتے ہیں آپ خیر اس کا اندازہ تو آپ کو اب ہوگا۔ گھر دیکھ لیا ہے اب برابر حاضری دوں گا۔ مجھے تو آپ میں اپنے لئے ایسی کشش محسوس ہوتی ہے کہ اگر کسی دن ملاقات نہیں ہوتی تو کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے۔ خیر آج تو میں دعا ہی مانگ رہا تھا کہ آپ تشریف نہ لائیں بلکہ آپ سے پہلے میں خود پہنچ جاؤں اس معذرت کے علاوہ مجھ کو کچھ اور باتیں بھی کرنا تھیں۔"

محبوب صاحب نے ہمہ تن گوش ہو کر فرمایا "ہاں ہاں کہئے نا"

ہم نے کہا "ان باتوں کو آپ اپنے ہی تک رکھیئے گا۔ بات یہ ہے کہ میں جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتا مگر متفکر بھی ہوں۔"

محبوب صاحب نے کہا "آپ اطمینان رکھیئے آپ کا راز میرا راز ہے"

ہم نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میں شیخ صاحب کے یہاں کرایہ دار کی حیثیت سے آیا اس کے بعد خدا جانے کیوں شیخ صاحب نے میرے ملازم کو بھی برطرف کر دیا اور میرے کھانے پینے کی ذمہ داری اپنے سر اس طرح لے لی کہ اب اگر میں حساب کرتا ہوں تو وہ برا مانتے ہیں۔ مکان چھوڑتا ہوں تو ناراض ہوتے ہیں ہوٹل میں انتظام کرتا ہوں تو وہ خفا ہوتے ہیں۔ خیر اب تک تو کوئی نقصان نہ تھا مگر اب میں نے سنا ہے کہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر اشرف صاحب ہر ایک سے کہتے

پھرتے ہیں کہ میرے باپ کو دو آدمی لوٹ رہے ہیں ایک محبوب دوسرا ساجد۔
آپ پر الزام یہ ہے کہ آپ گویا شیخ صاحب کو لوٹ لوٹ کر گھر بھر رہے ہیں
اور میرے متعلق خیال یہ ہے کہ میں شیخ صاحب کی روٹیاں توڑ رہا ہوں اور جو آپ
سے بچتا ہے وہ میرے حصّہ میں آتا ہے ـــــ اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ اب
ان لوگوں سے میں بھی سمجھ لونگا۔"

محبوب صاحب نے کہا "ساجد بھائی اب تم سے کیا چوری۔ یہ صاحبزادے
میرے جانی دشمن ہیں اور دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ میں ان کے والدین کو ان کی
حرکتوں سے آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ مجھ کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اس لونڈے
نے اٹھا نہیں رکھا آپ نے جو کچھ سنا ہے اس سے بہت زیادہ میں سُن چکا ہوں
مگر آپ بھی کس کُتّے کے بھونکنے کی پرواہ کرتے ہیں۔"

ہم نے کہا "پرواہ تو کرنا ہی پڑتی ہے اس لئے کہ بات وہ سچی کہتا ہے میں
واقعی شیخ صاحب کی روٹیاں توڑ رہا ہوں۔"

محبوب صاحب نے کہا "میاں جس کو نہ معلوم ہو اس سے کہو۔ کیا مجھے معلوم
نہیں ہے کہ تم مختلف بہانوں سے اپنے اخراجات ادا کر دیا کرتے ہو کبھی گُڑیا کے
لئے بُندے خرید لائے تو کبھی بھابی اور ریحانہ وغیرہ کے لئے ڈھیروں کپڑا ہی
اُٹھا لاتے۔ ابھی دو تین دن کی بات ہے بھابی صاحبہ مجھ کو وہ ٹاپس دکھا رہی
تھیں جو تم ریحانہ۔ بانو اور گُڑیا کے لئے لائے ہو اور کہہ رہی تھیں کہ تین چار سو

روپیہ کی چیز ہے دام دینا چاہوں تو بُرا مانتے ہیں نہ دوں تو ایک بار ہے وہ اسی قسم کے بہانوں سے اپنے اخراجات ادا کر دیتے ہیں۔"

ہم نے کہا "مگر دیکھئے نا یہ تو میرے اور شیخ صاحب کے یہاں کے یگانگت کے مراسم کی باتیں ہیں مگر ان کے صاحبزادے جو سمجھ رہے ہیں وہ بھی تو میرے لئے باعثِ شرم ہے۔"

محبوب صاحب نے کہا "اجی لاحول ولا قوۃ وہ ہے کس کھیت کی مولی میرا اس نے کیا بگاڑ لیا یہ نام کرکے جواب تمہارا لگاڑے گا بکتا ہے بکنے دو۔ قسم خدا کی اگر آج چاہوں تو آج ان کو عاق کرا سکتا ہوں مگر میں تو منہ ہی نہیں لگانا چاہتا اس کو۔"

ہم نے کہا "بہرحال آپ نے وعدہ کیا ہے۔ یہ باتیں شیخ صاحب یا بیگم صاحبہ کو نہ معلوم ہوں۔"

محبوب صاحب نے کہا "توبہ کرو۔ میں ایسا کمینہ نہیں ہوں۔ مگر اب تو تم کو یقین آیا کہ وہ صاحبزادے کس قسم کے ہیں تم ہی کو یقین نہ آتا تھا۔"

ہم نے کہا "نہیں صاحب اب تو اپنے اوپر گذر گئی وہ کیفیت جس کو اب تک ناقابلِ یقین سمجھتے تھے۔"

محبوب صاحب نے ہنس کر کہا "لو پان تو کھاؤ۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ ایک تو ساتھی ملا۔"

ہم نے کہا "اگر آپ ساتھی ہی سمجھیں گے تو میرا بیڑا پار ہو سکتا ہے ورنہ میں تو ان حضرت کے داؤں پیچ سے واقف ہی نہیں ہوں"

محبوب صاحب نے ہنسکر ہماری پیٹھ ٹھونکتے ہوئے ہم کو ہر طرح اطمینان دلایا اور ہم واقعی مطمئن ہو گئے کہ مارا ہے اس کو اب جاتا کہاں ہے۔

# ۱۷

ہم اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے اور برابر والے کمرے میں سلمیٰ کے پاس ریحانہ بیٹھی ہوئی تھی صرف ایک دیوار درمیان اور دیوار میں بھی دو روشندان کھلے ہوئے۔ حالانکہ دروازہ بند تھا مگر ان دونوں کی گفتگو کی بھنک سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ ہماری توجہ اپنے کام سے ہٹ کر ان کی گفتگو کی طرف ہو گئی اس لئے کہ گفتگو کچھ ہمارے ہی متعلق معلوم ہوتی تھی لہٰذا ہم نے بھی بہانہ کے طور پر ایک کتاب اُٹھالی اور اُس صوفہ پر دراز ہو گئے جو دروازے سے ملا ہُوا تھا یہاں یہ گفتگو بالکل صاف سنائی دیتی تھی۔ سلمیٰ صاحبہ اس وقت ہماری زندگی پر روشنی ڈال رہی تھیں۔

"اس مرتبہ بھی جب بھائی جان گھر آئے تو امّی جان نے ہماری ایک رشتہ کی بہن ہیں ستارہ ان کو بلایا تھا محض بھائی جان کو دکھانے کے لئے وہ صورت شکل میں بھی اچھی ہیں۔ بڑی فیشن ایبل اور جامہ زیب اس کے علاوہ حال ہی میں گریجویٹ بھی ہوئی ہیں"

ریحانہ نے کہا "ان کو تو ضرور پسند کر لیا ہوگا تمہارے بھائی جان نے"

سلمیٰ نے کہا "میرے بھائی جان اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جس کو ایک نظر دیکھا اُسی کے ہو گئے اور نہ میرے والدین اس قسم کے ہیں کہ جس کو وہ پسند کر لیں اُسی کو اولاد کے سر منڈھ دیں۔"

ریحانہ نے تعجب سے کہا "تو کیا انکار کر دیا؟"

سلمیٰ نے کہا "صاف انکار۔ بھائی جان نے کہدیا کہ شادی کے لئے محض لڑکی کا خوبصورت یا تعلیم یافتہ ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔"

ریحانہ نے کہا "پھر اور کیا۔ دُم بھی ہونا چاہیئے لڑکی کے۔"

سلمیٰ نے کہا "نہیں بھائی جان نے بالکل معقول بات کہی کہ جب تک لڑکے اور لڑکی میں ایک دوسرے کے لئے کوئی کشش نہ ہو دونوں کی افتادِ طبیعت میں یکسانیت نہ ہو۔ دونوں ایک دوسرے کو کافی پڑھ نہ چکے ہوں اُس وقت تک زندگی کے ساتھ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ریحانہ نے کہا "تو کیا معلوم ستارہ بیچاری کو ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد کیونکر اندازہ ہو سکتا تھا۔"

سلمیٰ نے کہا "بات اصل میں یہ ہے کہ ستارہ کا ماحول ہی ہمارے یہاں کے ماحول سے جداگانہ ہے۔ ہمارے یہاں تعلیم کے باوجود کم سے کم اس حد تک مشرقیت موجود ہے کہ اپنی حدوں سے گذرنے کا لڑکیوں کے علاوہ لڑکوں کو بھی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ اور ستارہ یہ خواب دیکھ رہی ہیں کہ وہ شادی کے بعد ایک اپٹوڈیٹ

لیڈی کی زندگی بسر کریں۔ موٹر ڈرائیو کرنے کا ان کو ارمان ہے۔ ڈانس سیکھنے کی ان کو تمنا ہے۔ کلب میں برج کھیلنے کے خواب وہ دیکھ رہی ہیں۔ سوسائٹی کی چہل پہل کے تصورات میں وہ گم رہتی ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "آہاہا۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو ایسی بیوی ضرور لاتی۔ اس قسم کی بیویوں سے شوہر کو جو شہرت حاصل ہوتی ہے ذرا اس کا تو اندازہ کرو۔ بجائے اس کے کہ وہ عورتیں اپنے شوہر کی مسز کہلائیں ان کے شوہر اس حیثیت سے مشہور ہوتے ہیں کہ وہ ان کے شوہر ہیں۔ مجھ کو کتنا فخر ہوتا کہ میری بیوی ہر جلسہ میں چمک رہی ہے۔ اُس کے قہقہوں کی کھنک سے ہر اجتماع میں ایک زندگی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ لوگ اس کے لئے آنکھیں بچھائے ہیں اور میں اس کا کوٹ اپنے شانوں پر ڈالے ہوئے بیٹھا آئس کریم کھایا کرتا۔ محض اُس کی وجہ سے مجھ کو بھی ہر پارٹی میں بلایا جاتا اور وہ مجھ کو سب سے ملایا کرتی کہ آپ سے ملئے آپ میرے شوہر ہیں اور لوگ اس طرح ملتے گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اچھا جانور پالا ہے آپ نے۔ وہ پیانو بجا کر سب کو سناتی اور میں جھومتا کہ یہ میری بیوی کی زمزمہ باری ہے وہ بال روم میں دوسروں کے ساتھ ناچتی اور میں سگریٹ کے دھوئیں سے چھلّے بنا بنا کر خوش ہوتا کہ میری بیوی اس وقت اتنے بڑے حاکم کے ساتھ ناچ رہی ہے ——"

سلمیٰ نے کہا "اور ناک کیا ہوتی جناب کی۔"

ریحانہ نے کہا "فیشن ایبل اور اپ ٹو ڈیٹ بیویوں کے شوہر ناک کا طوطا نہیں پالتے۔ یہ ناک تو در اصل عہدِ جہالت کی یادگار ہے ناک کو ان امور سے کیا بحث اس کا کام ہے محض سونگھنا"

سلمٰی نے کہا "خیر بدقسمتی سے آپ مرد تو ہو نہ سکیں اب اپ ٹو ڈیٹ لیڈی ہی بننے کی کوشش کیجئے"

ریحانہ نے کہا "خدا نہ کرے۔ اللہ اس دن سے بچائے کہ میرا دماغ اس حد تک خراب ہو۔ تو کیا وہ ستارہ واقعی اسی قسم کے خواب دیکھ رہی ہیں"

سلمٰی نے کہا "جی ہاں۔ مگر یجو بٹ جو ٹھہریں۔ بات بات میں تو زبان پھسل جاتی ہے اچھی خاصی آدمیوں کی طرح بات کرتے کرتے انگریزی بولنا شروع کر دیتی ہیں یا اُردو ہی میں انگریزی بولنے لگتی ہیں"

ریحانہ نے ہنس کر کہا "یہ اُردو میں انگریزی کیسے بولی جاتی ہے"

سلمٰی نے کہا "مثلاً اس روز ہمارے یہاں تشریف لائیں تو وہ ایک مرتبہ زبان لڑکھڑائی تھی انگریزی بولنے کے لئے اس کے بعد بہت ضبط کر کے ارشاد فرمایا کہ سلمٰی ذرا ایوائے کو آواز دو پانی پینا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میرے یہاں بوائے تو ہوتا نہیں کہیئے تو لڑکے کو بلاؤں وہ پلادے گا پانی"

ریحانہ نے کہا "سخت شریر ہو تم۔ بیچاری بہت شرمندہ ہوئی ہونگی"

سلمٰی نے کہا "جی نہیں اس قسم کی باتوں پہ یہ سر پھری لڑکیاں شرمندہ

نہیں ہوتیں بلکہ اس کو ہم لوگوں کی جہالت سمجھ کہ گویا اُن کو تو یہ ہی آتا ہے ہم پہ کہ
ہم اس قدر تاریکی میں ہیں کہ اب تک بوائے کو لڑکا سمجھتے ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "تمہارے بھائی جان اگر شادی کر لیں اس لڑکی سے تو مزاج درست ہو جائیں۔"

سلمیٰ نے کہا "خیر وہ شادی کریں یا نہ کریں۔ مگر مجھے جناب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ بھائی جان کے سلسلہ میں آپ ہمیشہ اس قسم کی احتیاط سے کیوں کام لیتی ہیں کہ "تمہارے بھائی جان"۔"

ریحانہ نے کہا "اور آپ میرے بھائی جان کو تمہارے بھائی جان کیوں کہتی ہیں۔"

سلمیٰ نے لاجواب ہو کر بہ دشنی کا جواب دیا "میں تو انتقاماً کہتی ہوں۔ مگر واقعی یہ بات کیا ہے اگر آپ صرف بھائی جان کہہ دیں تو کوئی ہرج ہے۔ مگر اللہ رے احتیاط کہ کبھی بھول کر بھی آپ سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔"

ریحانہ نے کہا "خیر تم تو مذاق میں کہہ رہی ہو مگر میں واقعی سوچ رہی ہوں کہ آخر یہ کیا حماقت ہے۔"

سلمیٰ نے کہا "حالانکہ یہ بہت حوصلہ افزا بات ہے اور میں اس بات سے بیحد خوش ہوں کہ آپ میرے بھائی جان کو صرف بھائی جان نہیں کہتیں۔ اس طرح بہت سے امکانات کا دروازہ کھلا چھوڑ دیتی ہیں۔"

ریحانہ نے شاید سلمیٰ کو مارتے ہوئے کہا "بیہودہ بدتمیز کہیں کی ۔ لو اور سنو ۔ اور خود جو جناب کے دل میں چور ہے کہ میرے بھائی جان کو کبھی صرف بھائی جان نہیں کہا "

سلمیٰ نے کہا "میں تو کہہ چکی ہوں کہ انتقاماً کہتی ہوں ۔ مگر تمہارے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے کہ ایک طرف تو شکیل بیچارہ "

ریحانہ نے بات کاٹ کر کہا "دیکھو سلمیٰ کیسی خوشگوار گفتگو ہو رہی تھی اور تم نے اس منحوس کا نام لیکر فضاؤں کو مکدر کر دیا ۔ میں تم سے ہزار مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ میرے سامنے اس کا ذکر نہ کیا کرو "

سلمیٰ نے کہا "اچھا تو گویا بھائی جان کا جو ذکر ہو رہا تھا وہ بے حد خوشگوار گفتگو تھی "

ریحانہ نے کہا "خیر یہی سہی مگر اس کمبخت کا ذکر نہ کرو وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میرے ایک رشتہ کے چچا کا لڑکا ہے "

سلمیٰ نے کہا "گویا ایک قسم کا بھائی جان "

ریحانہ نے کہا "ہاں بھائی جان ۔ بلاشبہ میں اس کو زندگی بھر بھائی جان کہنے کو تیار ہوں "

سلمیٰ نے کہا "دیکھو تم پھر بگڑ گئیں ۔ گویا اس کو بھائی جان کہنے کو تیار ہو مگر میرے بھائی جان کو بھائی جان نہیں کہہ سکتیں "

ریحانہ نے کہا " میں پرائے بھائی جان کو کیوں اپنا کہوں "۔

سلمیٰ نے اب غالباً سنجیدگی کے ساتھ کہا " کاش ایسا ہو سکتا کہ تم واقعی میرے بھائی جان کو بھائی جان نہ کہہ سکتیں خدا جانتا ہے کہ میری اس سے بڑھ کر اور خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ ——— "

ریحانہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا " اب ہوا تیرا دماغ خراب خدا رحم کرے "۔

سلمیٰ خدا جانے کیا جواب دینے والی تھی کہ بیگم صاحبہ نے ریحانہ کو آواز دی اور یہ دلچسپ گفتگو یہیں پر ختم ہو گئی جس کی روشنی میں ہم خود اپنی زیارت کر رہے تھے۔ اس قسم کی گفتگو سننے کے بعد ایک انقلابی کیفیت کا دل و دماغ پر طاری ہو جانا بالکل خدائی بات ہے۔ یہ لڑکیاں تو یہ باتیں کر کے چلی گئیں مگر ہم کو خدا جانے کتنے خواب دکھا گئیں۔ ہم کو اعتراف ہے کہ اب تک تو خیر ہم اپنے لئے ریحانہ میں ایک نامعلوم سی کشش ہی پاتے تھے مگر آج یہ کشش معلوم قسم کی کشش بن گئی اور خدا جانے ہم کب تک ان لڑکیوں کی اسی گفتگو میں کھوئے رہے۔

## ۱۸

محبوب صاحب سے اب باقاعدہ دوستی ہو چکی تھی اور ہم روز بروز اس کے محرم راز بنتے جا رہے تھے جس قدر ہم ان کے قریب ہوتے جاتے تھے اُسی قدر ہماری حیرت بڑھ رہی تھی کہ یہ شخص تو واقعی ایک مستقل ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی زندگی میں وہ ہما ہمی تھی کہ شاید کسی بڑے سے بڑے لیڈر کی زندگی اس قدر واقعات سے پُر نہ ہوتی ہو گی۔ تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ جائیے اور اندازہ کر لیجئے کہ وہ بیک وقت کتنے کاموں میں مصروف ہیں اور کیسے کیسے جن اس انسان نے شیشہ میں اُتار رکھے ہیں۔ سودی روپیہ چلانے والے آغاؤں سے لے کر حکام تک سے تعلقات اور آپ ہیں کہ سب کو ایک لاٹھی ہانک رہے ہیں۔ دُور دور سے اہلِ غرض آپ کا نام سُن کر آتے ہیں اور اپنے نزدیک بامراد جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریائے فیض ہے جو رواں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگوں کے کام بھی آپ کے بدولت بن جاتے تھے مگر اس میں بھی ہمارے ممدوح کی کوئی نہایت دُور کی چال ہوتی تھی۔ ایک دن ہم آپ کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ ایک صاحب ایک لفافہ لیکر تشریف لائے۔ محبوب صاحب

نے عینک کی آڑ سے ان کا جائزہ لیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خط پڑھ کر بولے :-

" لاحول ولا قوۃ - استغفر اللہ - توبہ - توبہ - توبہ "

اور ہم حیران کہ لفافہ میں سے کونسا شیطان نکل پڑا ہے کہ محبوب صاحب نے داڑھی کھجاتے ہوئے فرمایا " چیرمین صاحب آپکے کون ہیں ؟"

ان صاحب نے فرمایا " خالو ہیں میرے "

محبوب صاحب نے کہا " اب بتایئے کہ آپ اتنی دیر میں آئے ہیں اگر کا پیاں دیکھی جا چکی ہوں گی تو میں کیا کر سکتا ہوں - بہر حال اللہ مالک ہے مگر یہ تو بتایئے کہ یہ پرچہ ہے کس کے پاس "

ان صاحب نے فرمایا " مولوی عبدالرب صاحب کے پاس کا پیاں آئی ہیں "

محبوب صاحب نے کہا " چیرمین صاحب کو سلام کہدیجئے گا کہ تعمیل کروں گا جس طرح بھی ہو سکے گا - رول نمبر کیا ہے آپ کا "

ان صاحب نے فرمایا - بائیس سو تین "

محبوب صاحب نے فرمایا " اچھا تو اب آپ کل ملئے "

ان صاحب کے جانے کے بعد آپنے ایک چٹکی بجائی - ہنسے - داڑھی پر ہاتھ پھیرا - اور ہماری طرف دیکھ کر بولے " بس اب کام بن گیا - میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ترکیب کی جائے - مگر قدرت نے خود انتظام کر دیا "

ہم نے کہا " کیا کام بن گیا آپ کا "

محبوب صاحب نے کہا "ارے بھئی جن صاحبزادے کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ حال ہی میں ان کے والد لاکھوں روپیہ چھوڑ کر مرے ہیں ان کا دل ایک جگہ اٹکا ہوا ہے یعنی مرزا معصوم علی کی صاحبزادی پر آپ مر رہے ہیں کہیں دیکھ لیا ہے اس کو اور اب میرے سر ہیں کہ کسی طرح شادی کرا دو وہاں - مرزا صاحب ایسے سخت آدمی کہ پُٹھے پہ ہاتھ بھی رکھنے نہیں دیتے ان کے یہاں خاندان کے باہر شادی ہوتی ہی نہیں - میں نے بمشکل تمام ان سے مراسم تو پیدا کر لیے ہیں مگر ضرورت اس کی تھی کہ کسی طرح مرزا صاحب کو کسی طرح ممنونِ احسان کروں - مجھ کو معلوم ہے کہ آج کل وہ اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ان کا جو مکان بن رہا ہے اُس کے ایک حصّہ کو میونسپل بورڈ نے تڑوا کر پھر سے منظور شدہ نقشہ کے مطابق بنوانے کا حکم دیا ہے اور اس کو تڑوانے میں ان کا بیحد نقصان ہے - اب چیرمین صاحب کا یہ کام آ پڑا ہے اور میں اُن سے مرزا صاحب کا کام نکال کر مرزا صاحب کو قابو میں کر دوں گا - ذرا آؤ تو میرے ساتھ عبد الرب صاحب جن کے پاس ان صاحبزادے کی کاپیاں ہیں ان کو تو ذرا ڈھونڈھیں "

ہم محبوب صاحب کے اس جوڑ توڑ پر حیران ان کے مطیع کی طرح ان کے ساتھ ہو لیے اور آخر محبوب صاحب نے اِدھر اُدھر پوچھ گچھ کے بعد مولوی عبد الرب صاحب کے مکان کا پتہ چلا ہی لیا - دروازے پہ آواز دی تو ایک نہایت خوفناک بزرگ "السلام علیکم" کا نعرہ بلند کر کے حملہ آور ہوئے اور بیٹھک کے کمرے کا دروازہ

کھول کہ ہم لوگوں کو بلالیا۔

محبوب صاحب نے فرمایا" معاف فرمائیے گا مولانا اس وقت آپ کو تکلیف دی۔ بڑی مشکل سے مکان کا پتہ چلا پہلے آپ کے کالج جانا پڑا وہاں چوکیدار سے معلوم ہوا کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔ اور فرمائیے مزاج تو اچھے ہیں"۔

مولانا نے فرمایا " الحمدللہ۔ مگر زحمت کیسے فرمائی"۔

محبوب صاحب نے کہا" وہ میں عرض کرتا ہوں۔ قصّہ دراصل یہ ہے کہ غالباً آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اسلامیہ کالج کی مجلس انتظامیہ کے جو جدید انتخاب ہوئے ہیں ان کے بعد ضرورت اس بات کی محسوس کی جارہی ہے کہ کالج کے اصلاحی پروگرام کو جس قدر جلد ہوسکے عمل میں لایا جائے قصّہ اصل میں یہ ہے کہ کالج کی اس وقت تک کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسٹاف میں تبدیلی نہ کی جائے۔ خیر یہ تو ایک طویل بحث ہے میں تو اس وقت اس لئے حاضر ہوا تھا کہ اگر آپ کالج کے اردو اور فارسی کے شعبوں کو ہاتھ میں لے لیں تو ہم لوگوں کو کم سے کم ایک طرف سے اطمینان ہو جائے"۔

مولانا نے آواز دی " ارے لڑکے پان لاؤ اور کچھ شربت وغیرہ"۔ اس کے بعد فرمایا " اس یاد آوری کا شکریہ۔ بہرحال یہ ایک اسلامی ادارہ ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تنخواہ بھی میرے کالج سے یہاں زیادہ ہی ہے اس لئے کہ مولانا سلامت اللہ جو آج کل اس جگہ پر ہیں وہ جو تنخواہ پا رہے ہیں غالباً وہی نئے آدمی کو ملے گی"۔

محبوب صاحب نے کہا "جی نہیں تنخواہوں میں پچیس فیصدی اضافے کا فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے"۔

مولانا نے بیحد خوش ہو کر کہا "تو میں حاضر ہوں"۔

محبوب صاحب نے کہا "شکر ہے کہ آپ راضی تو ہو گئے۔ اب آپ ایک درخواست اسی وقت مجھ کو دے دیجئے اور فی الحال اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے تا وقتیکہ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو امید ہے کہ پندرہ بیس دن میں تقرر کا حکم آپ کو مل جائے گا"۔

ہم لوگ شربت پیتے رہے اور مولانا جلدی جلدی درخواست گھسیٹتے رہے۔ جب وہ درخواست لکھ چکے تو محبوب صاحب نے اس کو غور سے دیکھا اور "ٹھیک ہے کہہ کر جیب میں رکھتے ہوئے بولے "اچھا تو اب اجازت دیجئے"۔

ہم حیران کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے آئے تھے اُس لڑکے کے نمبر بڑھوانے اور گُل یہ کھلا چلے۔ یعنی اس سلسلہ میں بغیر کچھ کہے سُنے رخصت بھی ہو گئے۔ مولانا چھوڑنے کے لئے کمرے کے باہر تک آئے کہ ایک دم محبوب صاحب نے چونک کر کہا "ارے ہاں خوب یاد آیا۔ معاف کیجئے گا مولانا ایک اور بات بھول گیا" اور پھر لوٹ آئے کمرے میں کہا "آجکل تو آپ فارسی کی کاپیاں دیکھ رہے ہوں گے"۔

مولانا نے فرمایا "جی ہاں"۔

محبوب صاحب نے کہا "بھئی ایک کام میرا کر دیجئے۔ مگر میں اپنے سامنے وہ کام کرا کے جاؤں گا"۔

مولانا بولے "فرمایئے تا- میں نے تو انکار نہیں کیا"

محبوب صاحب نے کہا "ذرا بائیس سو تین رول نمبر کی کاپی لے آیئے"

مولانا نے فوراً اندر کا رُخ کیا اور محبوب صاحب نے ہم کو نہایت بازاری طریقہ پر آنکھ ماری اور چپکے سے کہا "پھنسا ہے مولوی"

اتنے میں مولانا ایک کاپی لئے ہوئے برآمد ہوتے "یہ کاپی تو میں دیکھ بھی چکا ہوں- صاحبزادے کو کچھ آتا جاتا نہیں بُری طرح فیل ہوئے ہیں"

محبوب صاحب نے کہا "بھئی مولانا اس کو پاس کرنا ہے- ابھی میرے سامنے اس کے نمبر بڑھایئے"

مولانا نے فرمایا "اتفاق دیکھئے کہ میں آج ہی کاپیاں واپس کر رہا ہوں اگر آپ شام تک آتے تو معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا- اس لڑکے کو واقعی کچھ نہیں آتا- مگر آپکے ارشاد کی تعمیل کرونگا"

محبوب صاحب نے کہا "کرونگا نہیں- ابھی- میرے سامنے"

مولانا نے کاپی کھولتے ہوئے اور اِدھر اُدھر نمبر بڑھاتے ہوئے فرمایا "لیجئے یہ لیجئے- پاس ہونے سے بھی زیادہ نمبر ہو گئے- بھلا آپ کا حکم اور اسکی تعمیل نہ کرتا"

محبوب صاحب نے کہا "بہت بہت شکریہ- اب آپ مہربانی فرما کر میری اور اپنی ملاقات کا کسی سے تذکرہ نہ فرمایئے گا ورنہ اس کو سینکڑوں معنی دیئے جائیں گے بس اطمینان سے بیٹھے پندرہ بیس دن کے اندر حکم آجائے گا اسی پتہ پر جو آپنے

درخواست میں لکھا ہے۔ السلام علیکم۔"

جب ہم دونوں دور نکل گئے تو ہم نے کہا" یہ کیا پٹی پڑھائی ہے مولانا کو۔"
محبوب صاحب نے کہا" اور نہیں تو کیا وہ میرا باپ تھا کہ نمبر خواہ بڑھا دیتا صورت نہیں دیکھی کہ کتنا خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ اب کا پیاں تو آج چلی جائینگی اپنا کام بن گیا رہ گئے مولانا وہ جائیں جہنّم میں۔" ہم حیرت سے محبوب صاحب کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔

## ۱۹

ڈاکٹر اشرف ہاؤس سرجن کی حیثیت سے چارج لے چکے تھے اور آج ہم لوگ ان کے یہاں مدعو تھے یعنی اُن کی اُس کوٹھی میں جو سرکاری طور پر ان کو ملی تھی۔ یہ دراصل کوئی دعوت نہ تھی بلکہ ڈاکٹر اشرف نے خواجہ صاحب کے اصرار سے آج اپنی کوٹھی میں ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا تھا سوائے خواجہ صاحب کے اور ہمارے کسی اور کو دعوت نہ دی تھی۔ جس وقت ہم لوگ ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے ہیں وہ ہمہ تن انتظار تھے۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہی بحیثیت میزبان اور صاحب خانہ کے برآمدے تک استقبال کے لئے آتے ہوئے بولے "آہاہ ساجد بھائی ہیں خیر آج آپ کی صورت تو دکھائی دی ورنہ آپ تو محبوب صاحب سے ایسے واصل ہوئے کہ رسید ہی نہیں ملتی سُنا ہے کہ بڑی گاڑھی چھن رہی ہے۔"

خواجہ صاحب نے بدحواسی کے ساتھ ٹوپی ایک طرف اچھالتے ہوئے اور کوٹ دوسری طرف، فرمایا "یہ کہتا اگر شروع ہو گئی تو بیٹریں غارت ہو کر رہ جائیں گی پہلے طعام بعد میں کلام۔"

اشرف صاحب نے کہا "ابھی آئے ہو ذرا دم لو۔ بھوک مجھ کو بھی لگی ہے مگر

خانساماں کو اتنا موقع تو دینا ہی پڑے گا کہ وہ کھانا لگا دے۔"

ہم نے کہا۔" دراصل بھر یہ شخص بٹیروں کا ذکر کرتا ہوا آیا ہے۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" میری یہ کمزوری سب کو معلوم ہے کہ بٹیر پہ میری جان جاتی ہے۔ بلکہ بیوی کو تو یہ نسخہ ہاتھ آگیا ہے کہ جہاں میں ذرا بھی ناراض ہوا وہ فوراً بٹیر بن بھنوا دیتی ہیں نتیجہ یہ کہ اگر چاہوں بھی تو بھوک ہڑتال نہیں کر سکتا بلکہ اُلٹا بیوی ہی کی خوشامد شروع کر دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔" میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ کو خفا ہونا پڑتا ہو گا۔"

ہم نے کہا۔" ان کی کمزوری بیوی کے ہاتھ نہیں آئی ہے بلکہ یہ دراصل بیوی کی کمزوری ہے جس سے یہ اکثر فائدہ اُٹھاتے ہوں گے۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" جو کچھ بھی سمجھئے بہرحال میری کمزوریوں کی فہرست بہت محدود ہے اور اب جبکہ آپ حضرات کو دعوت کرنے کی عادت خدا کے فضل سے پڑ رہی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ ان کمزوریوں کو نوٹ کر لیں۔ رساول جس کو دیکھ کر میں آپے سے باہر ہو جاتا ہوں اور رساول بھیجنے والے دوست یا عزیز کے قدموں پہ جان دے دینے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ ذرا غور تو کیجئے ٹھنڈی ٹھنڈی سونے کے رنگ کی رساول اور کاغذی بالائی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا کلام کلکتہ والی گوہر سنا رہی ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔" جو منہ میں آئے بکتے جاؤ۔ اس قسم کی مثال کو کہتے ہیں

ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ خیر۔ ایک تو ہوئی ، ساول ۔"

خواجہ صاحب نے کہا " دوسری حسرمچھلی ہے۔ مچھلی سے عشق صادق ہے۔ یعنی اگر مجھ کو جنّت میں جانے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں مچھلی کا انتظام نہیں ہے البتہ جہنّم میں مچھلی عام ہے تو غالباً مجھ کو غور کرنا پڑیگا کہ میں سکونت کہاں اختیار کروں جنّت میں یا دوزخ میں ۔"

ہم نے کہا " مچھلی تو خیر جنتی غذا ہے البتہ جناب کے متعلق یہ شک ضرور ہے کہ جنّت میں داخلہ بھی ممکن ہو گا یا نہیں ۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا " آپ کو شک ہو گا مگر مجھ کو یقین ہے کہ جنت کو اس قدر ارزاں ہرگز نہ کیا جا سکے گا کہ جناب خواجہ صاحب تک وہاں پہنچ جائیں۔ بہر حال وہ چیزیں ہو گئیں اور ؟"

خواجہ صاحب نے کہا " اور نیز یا ہیٹر اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ مل سکیں تو خیر مرغ میں بھی مضائقہ نہیں ۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا " بس یا اور کچھ ۔"

خواجہ صاحب نے کہا " بس میں اپنی زندگی کو ہر اعتبار سے کامیاب سمجھنے اور خدا کا شکر ادا کرنے کو تیار ہوں اگر اتنی ہی چیزیں ملتی رہیں ۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا " ساجد صاحب آپ گواہ رہیے گا۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے آموں کا بھی انتظام کیا تھا اور ڈھونڈھ کر ثمر بہشت منگوائے تھے ۔"

خواجہ صاحب نے تڑپ کر کہا "صاحب یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ جہاں تک آم کا تعلق ہے وہ تو ہر ایک کی کمزوری ہے اس کا ذکر کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ میرے نزدیک تو انسانیت مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک آم کا عشق جنون کی حد تک انسان میں موجود نہ ہو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چونکہ میں نے پانی کا ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا آپ سب کچھ کھلاویں اور پانی نہ پلائیں۔ ارے صاحب آم کے سلسلہ میں تو پسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو مستثنیات میں سے ہے۔"

خانساماں نے آکر کھانا لگ جانے کا مژدہ جانفزا سنایا اور ہم تینوں کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے خواجہ صاحب نے میز کا ایک ہی نظر میں جائزہ لینے کے بعد فرمایا "یار اشرف معاف کرنا میں تم کو ایک اچھا آدمی تو ضرور سمجھتا تھا مگر تمہاری شرافت کا جو اندازہ آج ہوا ہے وہ آج سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

ہم نے کہا "اگر شرافت کا معیار کھانے کے اقسام سے قائم ہوتا ہے تو شرافت ہوٹل والوں تک محدود رہی گویا۔"

خواجہ صاحب نے یکمشت دو تین بٹیریں اپنی پلیٹ میں کھسکا کر فرمایا "مگر ہوٹل والے اس شرافت پر بل پیش کر کے پانی جو پھیر دیتے ہیں۔"

ہم نے ان کی پلیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ پلیٹ ہے جناب کی یا بٹیروں کی پالی۔ مرد خدا اور چیزیں بھی تو ہیں۔"

خواجہ صاحب نے بٹیر کترتے ہوئے فرمایا۔ میں ہر چیز کی انشاء اللہ داد

دونگا۔ مگر صاحب لطف آگیا نہایت صحت آفرین بٹیریں ہیں"۔

اسی طرح خواجہ صاحب نے واقعی ہر چیز کی داد دی اور آج اپنی خوراک کے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کے معدے پر مال گودام کا شُبہ ہونے لگا۔ کھانے سے فارغ ہو کر آموں کے سلسلہ میں بھی یہ معلوم ہوا کہ گویا آپ نہار مُنہ آم کھا رہے ہیں کھانا کھا چکنے اور اس خلوص سے کھا چکنے کے کوئی آثار آم کھاتے وقت پائے نہ جاتے تھے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا "غالباً آپ کو پہلا علاج ان ہی حضرت کا کرنا پڑے گا"۔

مگر خواجہ صاحب آموں کے وقت بات کرکے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے چاقو ان کے ہاتھ میں تھا اور آم طشت میں بھیگ رہے تھے پیٹ کی گنجائشوں کی طرف سے وہ بے فکر تھے۔ نتیجہ یہ کہ ان کو آموں سے دل بہلاتا ہوا چھوڑ کر ہم لوگ گول کمرے میں آگئے۔ ڈاکٹر صاحب کو تو مجبوب صاحب کے حالات معلوم کرنے کی فکر تھی لہذا ہم نے تصویر والے قصہ سے لے کر اُن سے ہر ملاقات اور ان ملاقاتوں کے سلسلہ میں اپنے تجربات کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کو سُنا دی۔ مولانا سے نمبر بڑھوانے والے قصہ کو سنکر ڈاکٹر صاحب ہنسی کے مارے لوٹ گئے۔ ہم نے کہا:۔

"صاحب مجھ کو تو حیرت یہ ہے کہ اس شخص کی علمی استعداد صفر کے برابر ہے مگر ذہین اس شدت سے ہے کہ کیا مجال جو کہیں پر جاہل ثابت ہو جائے۔ اُس

لڑکے سے پوچھا رول نمبر کیا ہے۔ اب یہ رول نمبر پوچھنا کسی جاہل کا کام نہیں ہو سکتا۔ یا مولانا سے جو گفتگو اس شخص نے کی ہے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اچھا خاصہ تعلیمات کا ماہر ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "جناب وہ اسی کی روٹی کھاتا ہے۔ اس کا آرٹ صرف باتیں بنانا ہے اور اس سلسلہ میں وہ مکمل آرٹسٹ ہے آپ اس کو کسی محفل میں بٹھا دیجئے کیا مجال جو یہ شخص رنگ محفل کو فوراً ٹٹول کر اُسی رنگ میں رنگ نہ جائے۔ اب تو آپ کا اور اس کا ساتھ ہے ہی ابھی اس کی کارگذاریاں دیکھئے گا کہ وہ ہے کس بلا کا آدمی۔ اسی وجہ سے تو میں نے کہا تھا کہ آپ اس کو چکمہ نہ دے سکیں گے۔"

ہم نے کہا "چکمہ تو خیر دے دیا ہے اور یہ سب کچھ آپ ہی کی جوتیوں کے طفیل میں ہوا ہے۔ اس کو اس بات کا یقین ہے کہ میرے دل میں آپ کے خلاف جذبات بھرے ہوئے ہیں بس اس کی دوستی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اب کل کے لئے وعدہ کیا ہے کہ مجھ کو اُن صاحبزادے سے ملائیں گے جو آج کل ان کے خاص اسامی ہیں اور جن کے عشق کے سلسلہ میں محبوب صاحب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "خیر وہاں بھی جائیے آپ کا نقصان ہی کیا ہے مگر ابھی تو آپ کو یہ حضرت بیحد حیران کریں گے جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ بیک وقت

لیڈر بھی ہیں اور مولوی بھی۔ خدا جانے وہ کس کس بہروپ میں آپ کے سامنے آئیں گے شہر میں کسی کے یہاں کوئی تقریب ہو محبوب صاحب اس کے منتظم اعلیٰ ہوں گے تمام انتظامات آپ کے ہاتھ میں ہوں گے اور صاحب خانہ تک پہ آپ کی حکومت چل رہی ہوگی۔ کوئی اہم مقدمہ چل جائے محبوب صاحب اس کی پیروی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ کوئی ہنگامہ ہو جائے پھر دیکھیے محبوب صاحب کی قیادت اور رہبری کے کمالات مختصر یہ کہ وہ تو ہر فن مولا ہیں۔ آپ کہتے ہیں جاہل اس کو۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ قابل آدمی آپ کو ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا۔"

ہم نے کہا "ان کی جہالت کا اندازہ تو اس روز ہوا ہے جب وہ میری انشار پردازی کے سلسلہ میں ناول کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے اور اپنا مبلغ علم یہ ظاہر کیا تھا کہ میٹھی چھری نام کا ایک ناول پڑھا ہے۔"

خواجہ صاحب آموں سے فارغ ہو کر آ گئے تھے اور اس فکر میں تھے کہ کہیں تھوڑی دیر سو رہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کو صوفہ پہ دراز ہونے کا مشورہ دے کر کہا "ناول کے سلسلہ میں وہ اتفاق سے سچ بول گیا ہوگا ورنہ وہ اس قسم کے معاملات میں پڑتا ہی نہیں کہ اس کا پول کھلے۔ ایسی باتوں کو وہ عموماً گول کر جاتا ہے۔ مگر صاحب داڑھی سے جو فائدہ اس شخص نے اٹھایا ہے آج تک شاید کسی نے نہ اٹھایا ہوگا۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا "دیکھئے صاحب محبوب صاحب گئے جہنّم میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ عمدہ غذا کے بعد میٹھی نیند بےحد ضروری ہوتی ہے لہٰذا تکلّف برطرف یہ صوفہ وغیرہ تو چھوڑیئے اب کسی کمرے میں ذرا لوٹ لگائی جائے۔" خواجہ صاحب تو خیر پیٹ پھٹ جانے کے خطرے میں مبتلا ہو کر یہ بات کہہ رہے تھے مگر گرمیوں کی دوپہر میں اگر سونے کا موقع مل جائے تو اس سے فائدہ نہ اُٹھانا کفرانِ نعمت ہے لہٰذا ہم سب اس کمرے میں چلے گئے جہاں زمین کا فرش تھا چند تکیے اِدھر اُدھر منتشر کر کے تینوں آڑے ترچھے لیٹ رہے۔

## ۲۰

محبوب صاحب کے ساتھ جس وقت ہم اختر زمان صاحب یعنی ان لکھ پتی صاحبزادے کے یہاں پہنچے ہیں تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ واقعی شاہانہ انتظامات تھے اور دولت کی پوری جگمگاہٹ ہر طرف نظر آتی تھی۔ محبوب صاحب اس کوٹھی میں اس طرح داخل ہوئے جیسے کوئی فاتح سپہ سالار مقبوضہ قلعہ میں داخل ہوتا ہے جس طرف سے وہ ہو کر گذرے ملازموں نے فرشی سلام کئے اور وہ درّانہ ہم کو ساتھ لئے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ایرانی قالینوں میں پیر دھنسا جاتا تھا نہایت قیمتی فرنیچر ہر طرف سجا ہوا تھا دیوار پر نہایت قیمتی روغنی تصاویر آویزاں تھیں اور دروازوں پر نہایت قیمتی پردے برقی پنکھے کی ہوا میں لہریں لے رہے تھے۔ محبوب صاحب نے نہایت بے تکلفی سے ایک صوفہ میں دھنستے ہوئے ہم کو دوسرے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "کہو پیو گے؟"

ہم نے ہنس کر کہا "اب تک تو خدا نے پینے سے بچایا ہے؟"

خود ہی کہنے لگے "میری رائے میں کسی پھل کا عرق پیا جائے" اور فوراً ہی نہایت دبدبہ سے آواز دی "ارے کوئی ہے؟" ایک آدمی شفاف کپڑوں پر

جگمگاتی ہوئی پلیٹی اور پگڑی میں "ایے" لگائے ہوئے دست بستہ آ کر کھڑا ہو گیا تو محبوب صاحب نے فرمایا "دیکھیے سنگتروں کا عرق لاؤ دو گلاس بہت جلد اور نہایت عمدہ۔ اور سرکار کو اطلاع کر دی ہے؟"

بیرا نے جواب دیا "حمام فرما رہے تھے سرکار مگر اطلاع ہو گئی ہے۔"

عین اسی وقت ایک نہایت مہین اور ریشمی سے نوجوان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "آداب بجا لاتا ہوں حضور والا۔"

محبوب صاحب اور ان کے دیکھا دیکھی ہم بھی کھڑے ہو گئے تو ان حضرت نے سمٹتے ہوئے اور جلدی سے اپنے کو ایک صوفے پر گراتے ہوئے کہا "یہ تکلف کیسا۔ ارے صاحب تشریف رکھیے۔ اور آپ کی تعریف؟"

محبوب صاحب نے آنکھیں گھما پھرا کر اور نتھنے پھلا کر نہایت ایکٹنگ کے ساتھ فرمایا "آپ کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ کے نیاز مندوں میں شامل ہوں۔ میرے بھائی سمجھیے تو یہ ہیں۔ رہنما سمجھیے تو یہ ہیں۔ نہایت مشہور و معروف ادیب۔ کئی کتابوں کے مصنّف۔ اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز۔ نہایت بارسوخ۔ حکّام کی ناک کا بال تمام عمائدین شہر ——"

ہم نے عاجز آ کر کہا "معاف فرمائیے گا یہ مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹنے کا سلسلہ خدا جانے کب تک جاری رہے گا۔ جناب والا میرا نام ساجد علی ہے سرکاری ملازم ہوں

اور محبوب صاحب کے دست مبارک پر بیعت کر چکا ہوں"۔

اختر زمان صاحب نے نہایت انسایرت سے بل کھا کر ہنستے ہوئے کہا "خوب خوب۔ اس رشتہ سے تو آپ گویا پیر بھائی ہوئے۔ بیعت کا شرف مجھ کو بھی حاصل ہو چکا ہے اور مرشد ہی کی نگاہ کرم کے آسرے پہ جی رہا ہوں"۔

محبوب صاحب نے ہنسکر کہا "خیر مرشد تو آپ کے ہوں گے مرزا معصوم علی صاحب مگر جناب والا سوال یہ ہے کہ یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ آخر کب تک چلتا رہے گا۔ آپ تو اپنے حسن خانہ میں تصور جاناں کے سہارے پڑے ہوئے محبت کے خواب دیکھ رہے ہیں اور یہاں دوڑتے دوڑتے برا حال ہے"۔

اختر صاحب نے ایک دم سہم کر ہماری طرف دیکھا تو محبوب صاحب نے فرمایا "آپ ان کو کیا دیکھ رہے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں گویا ایک غیر شخص کے سامنے آپ کا عقدہ کھول رہا ہوں حالانکہ جو کچھ کامیابی مجھ کو نصیب ہوتی ہے وہ ان ہی کے طفیل میں ہوئی ہے اور ان ہی کے اثر اور رسوخ سے کام لیکر مرزا معصوم علی کے کچھ اغراض خدا کے فضل سے ہم لوگوں سے وابستہ ہو گئے ہیں یعنی یہ جن اب مشکل تمام شیشہ میں اُتر سکا ہے"۔

اختر صاحب نے بیتاب ہو کر کہا "آپ کو میری قسم یعنی اب کامیابی کی صورتیں نظر آنے لگی ہیں"۔

محبوب صاحب نے کہا "ان حضرت نے جو مکان تعمیر کرایا ہے اس کا ایک حصہ

میونسپلبورڈ کے منظور کیئے ہوئے نقشہ کے خلاف بن گیا ہے اور اب میونسپلٹی والے اس کو گروا کر نقشہ کے مطابق تعمیر کرانے پر زور دے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دس بارہ ہزار کی چپت پڑ رہی ہے۔"

اختر صاحب نے کہا "تو یہ کونسی بڑی بات ہے اتنی رقم تو آپ خود اپنے ذمہ لے لیتے"

محبوب صاحب نے ڈانٹتے ہوئے کہا "لاحول ولا قوۃ۔ اگر رقم ہی صرف کرنا تھی تو یہ کام میرے سپرد کیوں کیا تھا آپ نے۔ سبحان اللہ کیا قدر فرمائی ہے جناب نے ہماری محنتوں کی۔ جناب والا یہاں تو اس کے قائل ہیں کہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔ پھر یہ کہ روپیہ تو دے دیا جاتا مگر میونسپلبورڈ کے منظور شدہ نقشہ کے مطابق وہ مکان بھی تو نہایت مہمل قسم کا بنتا اس وقت تو وہ ایک چیز بن گیا ہے دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے"

اختر نے بے صبری سے کہا "تو پھر آپ نے کیا کیا۔؟"

محبوب صاحب نے سنگترے کا عرق پیتے ہوئے فرمایا "میں نے کیا کیا یہ کہیئے کہ آپ کا اقبال کام کر رہا ہے اور ساجد بھائی کا رسوخ۔ اس میں شک نہیں کہ آپ آدمی ہیں خوش نصیب۔ ہم دونوں اسی غور و فکر میں مبتلا تھے کہ چیئرمین صاحب میونسپلبورڈ کا ایک خط لیکر ایک صاحبزادے میرے پاس آئے۔ ان صاحبزادے نے یونیورسٹی کا کوئی امتحان دیا ہے اور فارسی کا پرچہ گڑ بڑ آئے ہیں۔ لہذا چیئرمین صاحب

نے لکھا تھا کہ آپ کسی طرح اس بچّہ کے نمبر بڑھوا دیجیے ـــــــــ"

اختر صاحب نے خوش ہو کر کہا "خوب یہ تو گویا کنواں خود پیاسے کے پاس آ گیا۔ اچھا پھر"

محبوب صاحب نے فرمایا "پھر یہ کہ جو کام دس بارہ ہزار میں چلتا وہ صرف ایک ہزار میں چل گیا۔ شکریہ ادا کیجیے ساجد بھائی کا جن کی بدولت یہ کام ہو گیا۔ ممتحن کو کچھ تحفے تحائف دے کر رام کر لیا اور کام بن گیا"

اختر صاحب نے اُچھل کر کہا "کام بن گیا۔ یعنی چیئرمین صاحب نے مکان کو گروانے کا حکم منسوخ کر دیا"

محبوب صاحب نے پھر ڈانٹا "لاحول ولا قوۃ۔ کام بن گیا کا مطلب یہ ہے کہ نمبر بڑھوا دیئے۔ اب چیئرمین صاحب جاتے کہاں ہیں۔ صبح ان سے بھی ملوں گا"

اختر صاحب نے کہا "مگر وہ ایک ہزار تو ـــــــ"

محبوب صاحب نے بات کاٹ کر کہا "پھر آپ نے وہی مغائرت کا برتاؤ کیا۔ میں نے دیا تو کیا ہوا اور آپ دیتے تو کیا ہوتا مطلب تو ہے کام چلنے سے"

اختر صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا "یہ غلط ہے محبوب صاحب اس سلسلہ میں اگر آپ انکار کریں گے تو مجھ کو سخت صدمہ ہو گا آخر میرے ہی لئے تو یہ رقم آپ نے صرف کی ہے"

محبوب صاحب نے کہا "اسی لئے تو میں آپ سے لینا نہیں چاہتا اگر یہ رقم اپنے کسی کام پر صرف کرتا تو میں خود آپ سے ضرورت پڑنے پر مانگ لیتا۔ میرے اور آپ کے درمیان میرا تیرا ہے ہی نہیں"۔

اختر صاحب نے چلتے چلتے کہا "جب میرا تیرا نہیں ہے تو نہ لینے پر اصرار بھی غلط ہے"۔

ہم ایک سناٹے کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اختر کے جانے کے بعد محبوب صاحب نے ہنس کر آنکھ مارتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "ان حرامزادوں سے روپیہ لینا جرم نہیں بلکہ کارِ خیر ہے اگر ہم نہ لیں گے تو کوئی اور مفت خورہ لے جائے گا"۔

ہم ان حضرت کو کیا جواب دیتے خود اپنے اوپر لعنت بھیج رہے تھے کہ اس کمبخت کے ساتھ کیوں آکر شریک جرم بنے۔ کہ اتنے میں اختر صاحب نے آتے ہی ایک ہزار کے نوٹ محبوب صاحب کی جیب میں ٹھونس دیئے اور وہ "نہیں نہیں"، کرتے رہ گئے۔ اختر صاحب نے ایک ہزار پر پانی پھیرتے ہوئے کہا "وہ آگئے ہیں محبوب صاحب آپ کے جامدانی کے تھان"۔ اور آواز دی "ابے کوئی ہے"۔ وہی بیرا کمرے میں داخل ہوا تو اختر صاحب نے جامدانی کے تھان لانے کا حکم دے کر محبوب صاحب سے کہا۔ "چار تھان آپ کے لئے منگائے تھے اور چار اپنے لئے اب اپنے حصہ کے تھان ساجد صاحب کی خدمت میں پیش کر دو تھان کا جسم انگرکھے کیلئے نہایت موزوں ہے"۔

ہم نے کہا: "اگر آپ اس کو تکلف نہ سمجھیں تو عرض کروں کہ میں نے اپنی عمر میں آج تک انگرکھا نہیں پہنا۔"

اختر صاحب نے کہا: "جب ہی تو میں چاہتا ہوں کہ آپ پہنیں۔"

محبوب صاحب نے فرمایا: "ارے بھائی تم واقف نہیں ہو اگر ذرا بھی انکار کیا تو ہمارے اختر صاحب اس کو اپنی توہین سمجھ کر برہم ہو جائیں گے یہ اپنے جسم سے زیادہ مزاجی طور پر نازک ہیں۔"

انگرکھے کے تھان جن میں سے ایک ایک ڈھائی ڈھائی سو کا تھا آ گئے اور محبوب صاحب نے بیحد پسند کئے۔ اختر صاحب نے تھان موٹر پہ رکھوا دیئے اس لئے کہ محبوب صاحب کی واپسی اختر صاحب کے موٹر ہی پہ ہوا کرتی تھی بلکہ آج تو چلتے وقت محبوب صاحب نے حکم دیا کہ صبح موٹر میرے یہاں پہنچ جائے چیئرمین صاحب کے یہاں جانا ہے۔

## ۲۱

ہم تو واقعی محبوب سے ایسے چسپاں ہوئے تھے کہ بقول شیخ صاحب کے گھر میں پیر ہی نہ جمتا تھا۔ آجکل جب کبھی شیخ صاحب کا سامنا ہو جاتا تھا وہ نہایت عجیب و غریب ترنم کے ساتھ یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے۔ ؎

تری نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں

اور ہم ہنس کر رہ جاتے تھے۔ سلمیٰ کو بھی شکایت تھی کہ آج کل آپ باہر بہت رہنے لگے ہیں اور بیگم صاحبہ نے بھی دو چار مرتبہ کہا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ سلمیٰ کو تو خیر ہم نے نہایت تفصیل سے سمجھا دیا کہ آج کل ہم سی۔آئی۔ڈی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور محبوب اس حد تک ہمارے سامنے بے نقاب ہو چکا ہے کہ بیگانہ رہ کر اس کے یہ حالات ہم کو قیامت تک معلوم ہی نہ ہو سکتے تھے۔ اس سے مقابلہ کرنے اور اس کی نقاب کشائی کی رسم ادا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم خود اس کے حالات سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ مگر یہ باتیں شیخ صاحب یا بیگم صاحبہ سے نہیں کہہ سکتے تھے اور بہانہ بازیوں کے پُل باندھتے جاتے تھے۔ ایک دن جبکہ تقریباً ایک ہفتہ سے شیخ صاحب سے ملاقات نہ ہوئی تھی شیخ صاحب نے

صبح ہی صبح ہم کو گرفتار کر لیا اور کمرے میں داخل ہو کر بولے :-

" بندہ پرور آخر کچھ معلوم تو ہو کہ ماجرا کیا ہے۔ کہاں غائب رہتے ہیں۔ کس جگہ میں رہا۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا "

بیگم صاحبہ نے دروازے کی آڑ سے کہا " جوان آدمی سے اس قسم کی باتیں نہیں پوچھا کرتے "

شیخ صاحب نے کہا " تو جب میں جوان تھا تم مجھ سے اس قسم کی باتیں کیوں پوچھا کرتی تھیں "

بیگم صاحبہ نے فرمایا " لو اور سنو۔ تو کیا اللہ نے کیا۔ تمہارے اور ان کے درمیان بھی وہی رشتہ ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ وہ تو ابھی کنوارے ہیں پوچھنے والی ابھی سر پہ نہیں آئی ہے۔ تم تو شادی کے بعد آپے سے باہر ہوئے جاتے تھے "

شیخ صاحب نے کہا " نہ آپے سے باہر ہوتا تھا نہ کچھ۔ مگر عورت کے ضمیر میں جو بدگمانی ہے اس سے تم بھی ہمیشہ مجبور رہیں "

بیگم صاحبہ نے کہا " پھر وہی بات کہی تم نے۔ بدگمانی تھی۔ اور وہ جو مہ جبین تھی مُردار وہ بھی میری بدگمانی تھی "

شیخ صاحب نے ہنسکر فرمایا " اللہ ری یادداشت یعنی اب تک آپ کو نام تک یاد ہے۔ وہ غریب مر بھی گئی مگر مردار کہلاتی ہے اب تک "

بیگم صاحبہ نے کہا ”غریب؟ وہ چڑیل غریب تھی۔ اے غریب تو میں تھی کہ میری چھاتی پہ تم کودوں دلتے تھے اور میں چُپ رہتی تھی کوئی اور ہوتی میری جگہ تو پتہ چلتا“

شیخ صاحب نے فرمایا ”تو آخر اس وقت اس مرحومہ کا کیا ذکر تھا“

بیگم صاحبہ نے اٹھلاتے ہوئے فرمایا ”ہائے ری تمہاری مرحومہ۔ اب تک کس پیار سے مرحومہ کہہ رہے ہیں“

شیخ صاحب نے فرمایا ”یہ لیجئے۔ گویا مرحومہ جو ہے وہ بھی پیار کا لفظ ہو گیا۔ قسم خدا کی آج تک کسی عاشق نے اپنی محبوبہ کو پیار میں مرحومہ نہ کہا ہوگا مگر ہماری بیگم صاحبہ اس کو پیار کا لفظ سمجھ رہی ہیں“

بیگم صاحبہ نے کہا ”وہ تو کہو کہ میرا صبر پڑا اُس ڈائن پہ اگر وہ زندہ ہوتی تو تم آج بھی اس کے پیچھے لٹو ہوتے“

شیخ صاحب نے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”خیر۔ ہاں تو ساجد میاں آجکل ہیں آپ کس رنگ ہیں“

بیگم صاحبہ نے کہا ”وہ تمہاری طرح رنگیلے نہیں ہیں کہ کسی رنگ میں ہوں۔ دوست احباب ہیں وقت کاٹتے ہوں گے۔ جو لوگ ایسے ہوتے ہیں ان کی صورت سے ظاہر ہو جاتا ہے پھٹکار برسنے لگتی ہے“

شیخ صاحب نے اپنی طرف سے مشکوک ہوتے ہوئے کہا ”پھٹکار یعنی کیا مطلب“

بیگم صاحبہ نے برجستہ کہا "مطلب یہ کہ وہ چیز برسنے لگتی ہے جو تمہارے چہرے پر اُس زمانہ میں برسا کرتی تھی۔ آدھی آدھی رات تک میں پڑی تارے گن رہی ہوں اور حضور ہیں کہ اپنی مرحومہ کے یہاں گھر بار سے بے خبر گل چھرّے اُڑا رہے ہیں۔ ایک دو دن نہیں برسوں یہی حال رہا سارا روپیہ اُس کمبخت کے یہاں بھر دیا۔ آج اُس کے لئے زیور بن رہے ہیں تو کل وہ مکان کے لئے مچلی ہیں اور آپ ہیں کہ میری آنکھوں سے کاجل تک چرانے کی فکر میں ہیں۔ آج قافلہ پہاڑ جا رہا ہے تو کل بمبئی کلکتہ کی سیریں ہو رہی ہیں لاکھ کا گھر خاک کر دیا۔ اب چلے ہیں باتیں بنانے۔"

شیخ صاحب نے اب ذرا بُرا مان کر کہا "یہ آخر کیا حماقت ہے کہ گڑے مُردے اکھاڑنے کھڑی ہو گئیں۔ اوّل تو اس قصہ کو تم نے ہمیشہ طول دیا۔ رائی کو پربت بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا اور اب جبکہ تائب ہوئے مجھ کو مدت ہو چکی۔ خواب و خیال ہو گئیں وہ باتیں تو آپ پھر وہ دکھڑا رونے بیٹھ گئیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے روئے میری جوتی نہیں جب روئی تھی نہ اب روتی ہوں۔ میرا کیا گیا اپنے باپ دادا کی کمائی لٹائی اور اپنے اعمال خراب کئے کہتے ہیں تائب ہو چکا۔ یہ نہیں کہتے کہ جب وہ نگوڑ ماری مر ہی گئی تو اس کے سجادہ نشین بن کر تو بیٹھنے سے رہے ———"

شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی یہ سجادہ نشین کی بھی ایک ہی رہی۔"

بیگم صاحبہ نے جل کر کہا "چلو ہٹو۔ یہ ہنسی نہیں ہے بیعزتی ہے "

شیخ صاحب نے کہا " خدا کے واسطے اب اس ذکر کو ختم کرو تم تو اس مبحث پر ایسی گل افشانی کرتی ہو کہ مضامین اُبلتے ہی چلے آتے ہیں۔ میں تو اس وقت ان سے پوچھ رہا تھا کہ آخر ملاقات کیوں نہیں ہوتی "

بیگم صاحبہ نے کہا "تم سے ملاقات کر کے وہ آخر کریں کیا۔ ذرا اپنی عمر دیکھو اور ان کی عمر کا اندازہ کرو۔ کونسی دلچسپی ہو سکتی ہے ان کو تم سے۔ اپنی عمر کے بے تکلف دوستوں میں اُٹھتے بیٹھتے ہوں گے۔ آخر کوئی کہاں تک گھر میں گھسا بیٹھا رہے۔ شادی ہو چکی ہوتی تو ایک بات بھی تھی کہ دل بہلانے والی گھر ہی میں موجود ہوتی "

شیخ صاحب نے بات پکڑ لی " یہ۔ یہ۔ گویا دل بہلانے والی اب گھر میں نہیں ہے تو باہر ——"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹی " توبہ کرو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھ کو ساجد میاں سے یہ اُمید تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ نہ کرے وہ دل بہلانے والیاں ڈھونڈتے پھریں "

ہم نے کہا " اس طرف کچھ عجیب مصروفیات رہیں۔ کچھ ساتھ کے پڑھے ہوئے دوست اتفاق سے آج کل لکھنؤ آئے ہوئے ہیں۔ دفتر ہی میں گرفتار کر لیتے ہیں آکر "

شیخ صاحب نے نہایت شرارت سے فرمایا:"

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

یہ مصرو فیات ہم پہ بھی گذر چکی ہیں اور اسی لئے میں کئی مرتبہ جناب سے عرض کر چکا ہوں کہ زندگی کا یہ دور نہایت مخدوش ہوتا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ فوراً شادی کر لی جائے۔ اس زمانہ میں جب تک انسان شادی نہیں کرتا اس کو ہر نوجوان عورت گویا اپنی ہی نظر آتی ہے اور اس کی نیّت ڈانواں ڈول ہو کر رہ جاتی ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا "بھیّا تم ان کی بات پہ بُرا نہ ماننا یہ بیچارے مجبور ہیں کہ اپنے ہی آئینہ میں سب کا مُنہ دیکھیں۔ جن کی نیّت ڈانواں ڈول ہونے والی ہوتی ہے وہ شادی کے بعد بھی نہیں مانتے۔ پھر میں اگر کچھ کہونگی تو تم کہو گے کہ بُرانے قصّے لے بیٹھیں اور گڑھے مُردے اُکھاڑنے لگیں"

شیخ صاحب نے فرمایا "خیر۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ عزیز من اس عمر میں کنوارا رہنا گویا اپنے کو نیلام پر چڑھا دینا ہے۔ اس زمانہ میں خود اپنے ہاتھ پیر اپنے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ نگاہیں ہر لڑکی کی نگاہ میں اپنے لئے کشش پاتی ہیں۔ کان ہر نسائی آواز میں دل میں گونج جانے والا ترنّم سنتے ہیں۔ دل حُسن کا ہر نمونہ دیکھ کر دھڑکتے دھڑکتے مچلنے لگتا ہے۔ ناک ہر عورت کی ایک ارمان انگیز خوشبو سونگھتی ہے۔ مختصر یہ کہ انسان خود اپنے کو مستقل اور مسلسل دھوکے دیتا ہے"

ہم نے کہا "بائیں تو آپ بڑے تجربہ کی فرما رہے ہیں مگر آپ کو واقعی میرے

متعلق یہ غلط وہم ہو گیا ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "نہیں یہ بات نہیں ہے" "یہ بیچارے اس پردے میں اپنی جوانی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔"

شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "خیر یہ تو ہیں عورت ذات یہ کیا سمجھ سکتی ہیں ان باتوں کو۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ماشاءاللہ نہایت جاذب نظر بھی ہو اور جسم بھی وہ پایا ہے جو فیشن ایبل لڑکیوں کو عام طور پر بیحد پسند ہوتا ہے۔ جامہ زیب بھی ہو اور آنکھ میں ایک قدرتی نرگس ہے ______"

بیگم صاحبہ نے کہا "آخر ماشاءاللہ کیوں نہیں کہتے ۔نظر لگاتے چلے جا رہے ہیں"

ہم نے کہا "آج تو آپ نے واقعی شاعری کی حد کر دی میں اپنی شان میں یہ قصیدہ شاید دیر تک سنتا رہتا مگر دفتر کا وقت آ گیا ہے اس لئے مجبور ہوں"

بیگم صاحبہ نے کہا "جاؤ میاں تم دفتر سدھارو ان کے مُنہ میں تو ہے یک جیب مُنہ کھل جاتا ہے تو پھر زبان کے آگے خندق ہی خندق"

ہم نے کپڑے بدلتے ہوئے کہا "مگر آج ہیں آپ بہت موڈ میں"

شیخ صاحب گردن ہلا ہلا کر ہنستے رہے اور ہم دفتر روانہ ہو گئے۔

## ۲۲

خدا جانتا ہے کہ اس محبوب کے کاٹے کا بھی منتر نہ تھا۔ واقعی بیک وقت یہ شخص خدا جانے کتنے آدمیوں کو چرا رہا تھا اختر زمان کو اُدھر یقین دلا رکھا تھا کہ ان کے لئے بے حد کوشش کر رہا ہے اور مرزا معصوم علی کے یہاں جو ایک دن ہم کو لیکر پہنچے تو کچھ اور ہی عقدہ کھلا اس گھر میں بھی آپ ہی کے نام کا سِکہ چل رہا تھا۔ مرزا معصوم علی کے نزدیک آپ سے بڑھ کر نہ کوئی عزیز تھا نہ دوست۔ نہ ہمدرد نہ غمگسار میونسپل بورڈ سے ان کے مکان کا قصّہ طے کرانے کے بعد آپ ان کو گویا خرید چکے تھے اور اُن کے گھریلو معاملات تک میں دخیل تھے۔ چنانچہ آج بھی جب حسبِ معمول ہم کو اپنا سب کچھ ثابت کر کے مرزا صاحب سے تعارف کرا چکے تو اب شروع کی آپ نے مطلب کی گفتگو:

"بھائی صاحب اُس سلسلہ میں یہ معلوم ہو کر بے حد اطمینان ہوا کہ اختر زمان کی نہ تو اب تک شادی ہوئی ہے اور نہ فی الحال کہیں ارادہ ہے۔ ایک آدھ ذکر ضرور ہے اس سلسلہ میں مگر بڑے آدمی کی بڑی بات ابھی تک ان کو حسبِ منشا لڑکی گویا نہیں ملی ہے حالانکہ جو نسبتیں ہیں ان میں سے ایک لڑکی تو نواب ممتاز علی خان

کی ہے نہایت حسین وجمیل۔ گڑ یکو بیٹ۔ بات کرے تو پھول جھڑیں منہ سے، باپ کی تمام جائداد اور علاقہ کی تنہا وارث مگر اختر زمان صاحب کو وہ بھی پسند نہیں۔"

مرزا صاحب نے فرمایا۔" تو آپ ہی فرمائیے کہ شاکرہ کے لئے جو خواب آپ دیکھ رہے ہیں وہ کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ نہ یہاں علاقہ ہے نہ لڑکی گریجویٹ ہے۔ معمولی پڑھی لکھی ہے۔ بھلا اُس پہ اُن کی نظر کیونکر جمے گی۔"

محبوب صاحب نے کہا۔" بات تو جب ہی ہے کہ وہ صاحبزادے اسی دہلیز پہ ناک رگڑ دیں۔ مجھ کو وہ لڑکا بےحد پسند ہے اتنی دولت کے باوجود نہ کوئی بُرا شوق پیدا ہوا ہے نہ کسی اور رنگ میں ہے۔ پھر یہ کہ پڑھا لکھا بھی ہے۔ آجکل کے لڑکوں میں تمام خصوصیات ایک جگہ مشکل سے ملتی ہیں کسی کے پاس دولت ہے تو تعلیم ندارد۔ کوئی صاحب تعلیم یافتہ ہیں تو فاقہ کش۔ کسی میں یہ دونوں باتیں ہیں تو ہزار عیب بھی ساتھ ہیں۔ یہ آجکل کے پڑھے لکھے لونڈے۔ جُوا کھیلنے میں ماہر۔ پینے پلانے میں بند نہیں۔ عشق بازی تو گویا فیشن ہی میں داخل ہے۔ پھر یہ کہ سو فیصدی بیمار کسی نہ کسی مرض کے شکار۔ مختصر یہ کہ قلبی خوبیاں نہیں ہوتیں اُن سے زیادہ عیب ان میں پائے جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ زمانہ ایسا بُرا آلگا ہے کہ بڑے بڑے بی۔ اے اور ایم۔ اے مارے مارے ٹکے سیر پھر رہے ہیں کوئی عہدہ تو در کنار دفتروں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں اور کلرکی تک نہیں ملتی۔ اب بتائیے کہ ایسی لڑکیوں کی قسمت پھوٹنا ہے یا نہیں ایسے لونڈوں کے حوالے کرکے ان کو کیا خود دکھائیں گے

کیا بیوی کو کھلائیں گے اور کس طرح ظاہری ٹیم ٹام درست رکھیں گے "۔

مرزا صاحب نے کہا "یہ تو سب کچھ درست ہے مگر بھائی جان اختر زمان صاحب سے کیا یہ کہا جائے کہ خدا کے واسطے ہماری لڑکی کو سمیٹ لیجئے اور زوجیت میں قبول کر کے ہم کو زیر بارِ احسان فرمائیے "۔

محبوب صاحب نے بیحد بُرا مان کر کہا "اجی توبہ کیجئے کیا باتیں ہیں آپ کی بھی۔ غرض ہو گی تو ہزار بار وہ خود ناک رگڑیں گے ذرا آپ تماشہ تو دیکھئے میں موقع کی تاک میں ہوں اور مجھ کو پوری امید ہے کہ میری بچی کی قسمت ضرور زور کرے گی میں نے اس سلسلہ میں ساجد بھائی سے بھی بات کر لی ہے کہ بھئی یہ اپنی ہی بچی ہے اور اس کے لئے کسی مناسب لڑکے کی ضرورت ہے ان کی بھی رائے یہی ہے کہ اختر زمان سے زیادہ مناسب لڑکا ملنا مشکل ہے "۔

مرزا صاحب نے کہا "یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ ہر اعتبار سے مناسب کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ خاندانی ہے۔ کوئی عیب نہیں۔ پھر یہ کہ دولت بھی ہے اور تعلیم بھی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہم خود دراصل ان کے شایانِ شان نہیں "۔

محبوب صاحب نے پھر بُرا مان کر کہا "یہ کیا بات کہی آپ نے۔ قسم خدا کی ہماری لڑکی میں جو خوبیاں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ دراصل اختر زمان کی خوش نصیبی ہو گی اگر اس کے گھر میں یہ چراغ پہنچ جاتے۔ ساجد بھائی بھی ان کے بے تکلف دوستوں میں ہیں اور اپنے تو گویا عزیز ہی ٹھہرے یہ بھی موقع کی جستجو میں رہیں گے آپ فی الحال

جتنی نسبتیں لڑکی کی آئی ہوئی ہیں ان کو ملتوی رکھیئے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی مناسب نہیں ہے سب ہی سے صاف انکار کر دیجئے یہ میرا ذمّہ کہ اوّل تو اختر کے یہاں سے نسبت آئے گی ورنہ ان نسبتوں سے بہتر قسم کی نسبت میں خود لاؤں گا۔"

اسی قسم کی باتیں بنا کر جب محبوب صاحب مرزا صاحب کے یہاں سے رخصت ہوئے تو راستہ میں ہم نے ان سے کہا "آپ نے تو عجیب جال پھیلا رکھا ہے اختر اُدھر اس نسبت کے لئے بے قرار ہیں مرزا صاحب اِدھر تیار ہیں پھر آخر دیر کیا ہے؟"

محبوب صاحب نے ہم کو اس نظر سے دیکھا گویا ہم بے حد بیوقوف ہیں اور ایک جھٹکے کی ہنسی کے بعد فرمایا "یہ جو تم نے ایم۔ اے پاس کیا ہے اس سے میرے نزدیک تو تم کو کوئی خاص فائدہ ہوا نہیں۔ عقل۔ وغیرہ تو مجھے نظر نہیں آتی تم میں۔"

ہم نے کہا "ایم۔ اے کا عقل سے بظاہر کوئی تعلق بھی تو نہیں ہے۔ مگر میری سمجھ میں واقعی یہ راز نہیں آ رہا ہے سوائے اس کے کہ آپ دونوں طرف اپنی اہمیت جتانے اور اشتیاق بڑھانے کی فکر میں ہیں۔"

محبوب صاحب نے تمسخر کے ساتھ کہا "بس۔ اتنا ہی سمجھے گویا آپ۔ جناب والا اہمیت تو آپ کی دُعا سے اس فقیر کو یوں بھی دونوں گھروں میں حاصل ہے ان دونوں گھروں میں سے جس گھر میں جو انقلاب کہئیے پیدا کر کے دکھادوں۔

اگر اس وقت میں اختر سے کہہ دوں کہ پچاس ساٹھ ہزار روپیہ ایک پوٹلی میں باندھ کر کسی اندھے کنویں میں جھونک دو تو وہ پلٹ کر یہ نہ پوچھے گا کہ کیوں اسی طرح اگر میں مرزا سے کہہ دوں کہ بیٹا مرزا اپنا یہ مکان میرے نام لکھ دو تو وہ سب بھاگ رجسٹرار کے دفتر میں جا کر رجسٹری کر دے گا میرے نام۔"

ہم نے کہا "یہ تو میں جانتا ہوں مگر میرا خیال یہ ہے کہ آپ یہ سکہ دونوں طرف جمانا چاہتے ہیں کہ آپ نے ناممکن کو ممکن کیا ہے۔"

محبوب صاحب نے فرمایا "شکر ہے کہ اب کچھ کچھ سمجھنے لگے ہو۔ عقل پہ زور دیتے رہے تو کما کھاؤ گے۔ برادرِ من۔ اگر آج میں یہ شادی کرائے دیتا ہوں تو میرا اقتدار ختم۔ یہ سب مطلب کے دوست ہیں اور مطلب نکل جانے کے بعد طوطے کی نسل میں شامل ہو کر آنکھیں پھیر لیتے ہیں یہ اہلِ غرض۔ لہٰذا ان کو جس قدر بھی جھلایا جائے اور اس سلسلہ کو جتنا بھی طویل کیا جا سکے طویل کرنا چاہیئے۔ بات یہ ہے کہ ان امیروں کے پاس جو دولت ہے اس میں ہمارا بھی حصّہ ہے۔ یوں حصّہ مانگو تو یہ کبھی نہ دیں گے پیسہ پیسہ پہ جان جاتی ہے ان کی مگر جب غرض اٹکتی ہے تو یہی پیسہ پانی کی طرح بہتا ہے اور ہم پیاسے اس سے سیراب ہوتے ہیں — اماں ہاں خوب یاد آیا بار وہ تمہارے جامدانی کے تھان میرے یہاں پڑے ہیں اور اُس دن کے ایک ہزار میں پانچسو تمہارے بھی تو ہوئے۔"

ہم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ارے نہیں محبوب صاحب۔ مجھ کو تو

اس سلسلہ میں معاف ہی رکھیے۔ نہ جامدانی کے تھان مجھ کو درکار ہیں اور نہ اُس روپیہ میں یا اس قسم کے کسی روپیہ میں میرا حصّہ ہو سکتا ہے۔"

محبوب صاحب نے بے حد بے تکلّف ہوتے ہوئے نہایت خلوص سے فرمایا۔

"چغد ہیں آپ اچھے خاصے!"

ہم نے کہا "بجا ارشاد۔ مگر اس سلسلہ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

محبوب صاحب نے ایک مسلسل اور مدلّل لکچر دے کر ہم کو سمجھایا کہ ہم بے حد بیوقوف ہیں اور ہم دنیا میں کوئی ترقی نہیں کر سکتے ہمارا مستقبل یہ ہے کہ ہم جوتیاں گھستے پھریں گے۔ نوکری کرتے کرتے مر جائیں گے اور جنازہ چندے سے اُٹھے گا۔ اس کے بعد تاریخی حوالے دے کر یہ ثابت کیا کہ دنیا میں صرف اُن ہی لوگوں نے تکلیف اُٹھائی ہے جو ایمانداری کے فریب میں اپنے کو مبتلا کئے رہے۔ پھر یہ ثابت کیا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ دراصل بے ایمانی نہیں ہے بلکہ بیوقوفوں کے روپیہ کو دوسری بُری مدوں میں صرف کرانے کے بجائے خود حاصل کرنا ایک قسم کا ثواب ہے یعنی اگر یہ روپیہ ہم نہ لیں گے تو خدا جانے یہ قمار بازوں کی جیب میں جائے گا یا کسی مغنیہ کے استاد کی سارنگی میں یا کسی پیرِ مغاں کے بنک میں لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ یہ روپیہ ہم ہی سمیٹ لیں۔ مگر اس تمام لکچر کے بعد بھی ہم نے صاف انکار کر دیا اور بمشکل تمام اُن سے جان بچا کر گھر آ گئے۔

گھر آئے ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ محبوب صاحب کا ملازم چار دیا

تھان اور پانچسو روپیہ معہ اس خط کے لیکر آیا:-

برادرم ساجد صاحب۔ بیوقوف نہ بنئے بلکہ ایک بیوقوف کی بیوقوفی سے فائدہ اُٹھا کر عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ جامدانی کے تھان اور پانچسو روپیہ قبول کر لیجئے۔ ابھی تو خدا جانے آپ کو کتنا مالِ غنیمت بٹورنا ہے۔ لہذا یہ ایمانداری وغیرہ کا غلط ڈھونگ ختم کیجئے۔

آپ کا محبوب

ہم نے اس پرچہ کو بیحد مفید سمجھ کر رکھ لیا مگر ایک خط میں معذرت کرتے ہوئے وہ تھان اور روپیہ پھر واپس کر دیا۔ درا اصل ہمارے لئے ان تھانوں اور اس روپیہ سے کہیں زیادہ قیمتی محبوب صاحب کی یہ تحریر تھی آج اس جعلساز نے اپنی جعلسازی کا یہ دستاویزی ثبوت اعتماد کی انتہا کو پہنچ کر فراہم کر دیا تھا۔ محبوب صاحب نے پھر وہ تھان یا وہ روپیہ ہم کو نہیں بھیجا البتہ جب دوسرے دن ان سے ملاقات ہوئی تو نہایت خفا تھے اور اب تک خفا ہیں در اصل ان کی تمام توقعات پر پانی پھر گیا تھا گر دگر یا نالائق نکل گیا۔ ہم اس فکر میں ہیں کہ محبوب صاحب کو کسی طرح منالیں۔

## ۲۳

جس وقت ہم نے یہ محبوب والا پرچہ ڈاکٹر اشرف اور خواجہ صاحب کو دکھایا وہ دونوں خوشی کے مارے اچھل پڑے مگر خواجہ صاحب تو عقل کے سلسلہ میں پیدائشی یتیم واقع ہوتے ہیں ایک دم بولے "بس اب یہ خط اختر زمان کو دکھا دو کہ دیکھو اس طرح یہ ڈاکو تم کو لوٹ رہا ہے بلکہ شیخ صاحب کو بھی اس آئینہ میں محبوب کی اصلیت دکھا دو۔"

ہم نے کہا "آپ تو ہیں گھامڑ۔ اس قسم کے خدا جانے کتنے دستاویزی ثبوت مجھ کو حاصل کرنا ہیں اب تو اس شخص نے پھنسنا شروع کیا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "مگر میری رائے میں تم مال غنیمت میں حصہ بٹانا شروع کر دو۔ اس لئے نہیں کہ خدانخواستہ تمہاری نیت خراب ہو جائے یا تم کو اس مالِ حرام کی ضرورت ہے بلکہ مصلحتاً۔ تاکہ محبوب کو تم پر اور بھی اعتماد پیدا ہو جائے اور وہ تم کو بالکل اپنا آدمی سمجھنے لگے اگر تم نے یہ حصہ نہ بٹایا تو وہ تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو سکے گا۔"

ہم نے کہا "یہ تو میں خود کئی مرتبہ سوچ چکا ہوں مگر کیا کروں دل قبول

نہیں کرتا۔"

خواجہ صاحب نے کہا: "آپ کا دل قبول نہیں کرتا تو اس کا انتظام یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمام مالِ غنیمت اس مد کے لئے رکھیئے کہ اُس سے احباب کی پارٹیاں اور دعوتیں ہوا کریں۔"

ڈاکٹر نے کہا: "خدا کے واسطے خواجہ کبھی تو کوئی عقل کی بات کیا کرو اور اگر ایسے ہی مجبور ہو تو خاموشی سے اُن لوگوں کی باتیں سُنا کرو جو عقلمند ہیں اس قسم کی باتیں سننا بھی تمہارے لئے مفید ہوں گی۔"

ہم نے کہا: "بیحد مفید۔ اس طرح ان کو کم سے کم یہ اندازہ تو ہو سکے گا کہ اہلِ ہوش کس قسم کے معاملات کو کس طرح سُلجھاتے ہیں۔"

خواجہ صاحب نے کہا: "مگر فی الحال تو یہی طے کرنا ہے کہ اہلِ ہوش میں آپ لوگوں کا شمار ہو سکتا ہے یا اس خاکسار کا۔"

ڈاکٹر نے کہا: "اگر تم کو ہم لوگوں پر کچھ بھروسہ ہے تو یقین کر لو کہ تم عقل کے معاملہ میں نہایت معصوم واقع ہوتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ہم لوگ تم سے جھوٹ تو بول نہیں سکتے اس لئے کہ آخر تم ہمارے دوست بھی تو ہو۔ لہٰذا سچی بات یہ ہے کہ تم ذرا بیوقوف واقع ہوئے ہو۔"

خواجہ صاحب نے سنجیدگی سے کہا: "تم اپنے نزدیک واقعی سچ بول رہے ہو اور یقیناً تمہارا یہی خیال ہو گا مگر ہر خیال کے لئے ایک امکان یہ بھی تو ہو سکتا

ہے کہ وہ خام ہو۔ بہر حال میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا بشرطیکہ آپ دونوں مجھ کو قائل کر دیں کہ اس مال غنیمت کا اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے غور کرنے کے لئے سگریٹ سلگا لیا بہت سے لوگ دماغ سے نہیں سگریٹ سے غور کرتے ہیں اور ہم آنکھیں کھول کر کبھی غور نہیں کر سکتے لہذا ہماری آنکھیں بند ہو گئیں۔ یکایک خواجہ صاحب نے نعرہ بلند کر کے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ "اسے یار ایک ترکیب ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "پھر بولے تم۔"

ہم نے کہا۔ "آپ کی ترکیب بغیر سُنے ہوئے نامنظور۔"

خواجہ صاحب نے اصرار کے ساتھ کہا۔ "یہ غلط ہے۔ آپ لوگ ہیں پاگل قسم خدا کی وہ ترکیب ذہن میں آئی ہے کہ آپ کے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے۔"

ڈاکٹر نے عاجز آکر کہا۔ "خدا کے واسطے اب سُنا بھی چکو وہ ترکیب۔"

خواجہ صاحب نے کرسی پہ معہ جوتے کے سوار ہوتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "میری رائے یہ ہے کہ مال غنیمت سے انکار تو خیر ہونا ہی نہ چاہیئے۔ البتہ اس مال غنیمت کے لئے ایک رجسٹر کھول لو جس میں کچھ اس طرح کے خانے ہوں:۔

| نمبر شمار | تاریخ وصول یابی مال غنیمت | تفصیل مال غنیمت | نام شکار | شرح بٹوارہ | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|
| ان خانوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس رجسٹر میں پہلا اندراج یہ کرو | | | | | |
| ۱ | ۱۲ جون ۱۹۴۶ء | پانچصد روپیہ نقد چار تھان جامدانی | اختر زمان صاحب | پچاس فیصدی | مولوی کو تحائف دینے کے نام سے نقد اور بطور تحفہ جامدانی کے تھان وصول ہوئے۔ |

اس رجسٹر کی برابر خانہ پُری کرتے رہو۔ نقد رقم بنک میں جمع کرتے جاؤ اور دوسرے تحائف کو اپنے پاس محفوظ رکھو۔ تاکہ جب محبوب کو اس کے اصل رنگ میں پیش کرنا ہو تو یہ رجسٹر کام آسکے اور اسی رجسٹر کے اندراجات کے مطابق ان لوگوں کو روپیہ وغیرہ واپس کیا جا سکے جن سے لوٹا گیا ہے۔"

ہم نے غور کرتے ہوئے کہا "بھئی ڈاکٹر ترکیب تو بُری نہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا "بُری نہیں بلکہ بہت ہی اچھی ہے میں تو تعجب کر رہا ہوں کہ یہ ترکیب خواجہ کے ذہن میں کیسے آگئی۔"

خواجہ صاحب نے اکڑ کر کہا "آپ لوگ ہیں صاحبزادے۔ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں۔ چغد کہیں کے۔"

ہم نے کہا "اس وقت تم کو حق ہے جو چاہے کہتے چلے جاؤ"

ڈاکٹر نے کہا "بلکہ اب تم کو اجازت ہے کہ دو ہفتہ تک جتنی چاہے حماقتیں کر وہ ہم لوگ تم کو بیوقوف نہ کہیں گے"

خواجہ صاحب نے فرمایا "نہیں صاحب آپ شوق سے بیوقوف کہیئے۔ ع۔
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

ہم نے کہا "اندھے کے ہاتھ بیٹر والا قصہ اس قصہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اتفاق سے یہ بات اس کو سوجھ گئی ہے تو اب یہ زندگی دشوار کر دیگا ہم لوگوں کی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ترکیب ہے لاجواب۔ محبوب صاحب بھی کیا یاد کریں گے کہ کیسے بدمعاش سے پالا پڑا تھا"

خواجہ نے کہا "کیا سچی بات کہی ہے۔ مکرر ارشاد"

ڈاکٹر نے کہا "مگر اب وہ جا مدانی کے تھان اور پانچسو روپے تو گئے گویا"

ہم نے کہا "نہیں صاحب محبوب کو منانے کے لئے یہ دونوں چیزیں قبول کرنا ہی پڑیں گی"

خواجہ نے کہا "ساجد محبوب اینڈ کو کے نام سے بنک میں اکاؤنٹ کھولو"

ڈاکٹر نے خواجہ کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "شاباش۔ یار اس پہ سے نظر اتار دو۔ اسی قسم کی باتوں پر نظر لگ جایا کرتی ہے آج تو یہ شخص عقل کے

معاملہ میں قضائے عمری پڑھ رہا ہے۔"

ہم نے کہا "واقعی معجزہ ہے یہ تو ایک دن میں دو عقل کی باتیں۔ اب ایسی فضول خرچی بھی نہ کیجیے عقل کے معاملہ میں۔"

خواجہ صاحب نے نہایت سرافرازی کے ساتھ کہا "تم دونوں کو چاہیئے کہ ایک گھنٹہ روز مجھ سے محض گفتگو کر لیا کرو۔"

ڈاکٹر نے کہا "خیر یہ خطرہ مول لینے کے لئے تو ہم تیار نہیں ہیں۔ البتہ آج کے متعلق یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ زندگی بھر میں شاید یہی دو باتیں تم نے عقل کی کی ہیں۔"

خواجہ صاحب نے کہا "رہ گئے تحائف ان کو تو خیر آپ جمع کرتے رہیں گے رجسٹر میں اندراج کرنے کے بعد مگر بہت سے تحائف ایسے ہوں گے جن کو جمع نہ کیا جا سکے گا مثلاً اشیائے خوردنی۔"

ڈاکٹر نے کہا "اندراج ان کا بھی ہوگا رجسٹر میں البتہ کیفیت کے خانہ میں لکھ دیا جائے گا کہ صرف کر دی گئیں اس لئے کہ جمع نہ ہو سکتی تھیں اور وہ اشیائ یاروں کا حصّہ ہوں گی۔"

خواجہ صاحب نے کہا "مگر اس سلسلہ میں حاکم بٹوارہ یہ خاکسار ہوگا۔"

ہم نے کہا "منظور۔ مگر ایک مصیبت یہ ہے کہ جو اشیائے خوردنی براہ راست گھر پہنچ جائیں گی ان کو گھر سے یہاں لانا آسان بات نہ ہوگی۔"

ڈاکٹر نے کہا "اور یہ طے ہے کہ زیادہ تر اس قسم کی اشیاء گھر ہی پر بھیجی

جائیں گی۔"

خواجہ صاحب نے نہایت مایوسی سے کہا۔" یہ تو بُری بات پیدا ہو گئی مگر خیر بہت سی چیزیں دست بدست آپ کو دی جائیں گی وہ تو آپ غریب خانہ پر بھیج سکتے ہیں۔"

ہم نے کہا۔" یقیناً۔"

ڈاکٹر نے اسی وقت خواجہ صاحب سے کہا۔" کہ ایک رجسٹر مہیّا کیجئے تاکہ اس کے خانے آپ سے کھنچوالئے جائیں۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" ابھی لیجئے خانے بھی کھینچے دیتا ہوں اور لیبل بھی لگائے دیتا ہوں رجسٹر مال غنیمت۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" لیجئے وہاں پھر حماقت شروع ہو گئی لیبل لگا کہ گویا آپ سب کو دعوت دیں گے کہ اس عجیب وغریب نام کی وجہ سے سب اس رجسٹر کو دیکھنا چاہیں۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" ہاں ٹھیک ہے۔ حماقت تسلیم۔"

خواجہ صاحب نے اسی وقت رجسٹر بنا دیا اور مقررہ خانے اس میں کھینچ دیئے گئے۔ اس کے بعد ہم کو ہدایت کی گئی کہ اس رجسٹر کو جہاں تک ہو سکے مقفل رکھیں اور رجسٹر سے زیادہ احتیاط کے ساتھ اس قسم کے خطوط جیسا ایک خط ہمارے قبضہ میں تھا۔

## ۲۴

محبوب صاحب ہم سے اس قدر ناراض تھے کہ جس وقت ہم حسب معمول حاضر ہوئے تو آپ نے منہ پھیر لیا اور جب عین سر پہ پہنچ کر ہم نے کہا "السلام علیکم" تو آپ نے نہایت سرد مہری کے ساتھ فرمایا "وعلیکم السلام" اور ایک گہری سانس لیکر گویا اخلاقاً فرمایا "تشریف رکھیئے"

ہم نے کہا "کمال کرتے ہیں آپ یعنی مجھ سے ناراض ہیں گویا آپ۔ اپنوں سے بھی کوئی یوں روٹھتا ہے"

محبوب صاحب نے اداکاری شروع کرتے ہوئے فرمایا "نہیں خیر ناراض ہونے کا تو مجھ کو کوئی حق نہیں ہے مگر یہ شکایت ضرور ہے کہ شاید آپ نے مجھ کو بیحد ذلیل سمجھا۔ آپ کے نزدیک میں گویا ڈاکو ہوں۔ لٹیرا ہوں۔ رہزن ہوں۔ قزاق ہوں۔ چور ہوں۔ اٹھائی گیرہ ہوں ——"

ہم نے ان کے حد سے بڑھے ہوئے جوش کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا "خدا کے واسطے جذبات سے اس قدر مغلوب نہ ہوتے جایئے میری بات بھی تو سن لیجئے فرض کر لیجئے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو کیا آپ بھی میری غلطی کو نہ سمیٹیں گے"

محبوب صاحب نے بغیر اشکوں کے گویا آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا "خدا شاہد ہے کہ میں نے تم کو حقیقی بھائی سمجھا تھا۔ اپنا دستِ راست سمجھا تھا اپنی قوتِ بازو سمجھا تھا اور مجھ کو اسی غرور نے مارا کہ میں بھی یہ سمجھنے لگا تھا کہ میں تنہا نہیں ہوں"

ہم نے بھی عاجزی کا کردار اپنے نزدیک پیش کرتے ہوئے کہا "محبوب صاحب میں آپ کا تھا اور آپ کا ہوں للّٰہ آپ معاف کر دیجئے"

محبوب صاحب نے بمشکل تمام دو اشک اپنی آنکھوں میں خدا جانے کس طرح پیدا کر کے فرمایا "آج تک میں نے کسی پر اتنا اعتماد نہیں کیا مگر تم نے مجھ کو اس اعتماد کا یہ پھل دیا"

ہم نے کہا "آخر بات بھی ہو کچھ۔ نادم ہوں، پشیمان ہوں، شرمندہ ہوں"

محبوب صاحب نے کہا "سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ یہ ڈاکہ کا مال ہے۔ یا تم نے میرے جرم میں شریک ہونا گناہ سمجھ کر اپنا درجہ گویا انتہائی بلند اور میرا انتہائی پست کر دیا"

ہم نے کہا "یہ میں کچھ بھی نہ سمجھا تھا صرف یہ خیال آیا تھا کہ آخر میری کیا کارگذاری ہے کہ میں اس کا معاوضہ لوں اور اس روپیہ میں حصّہ بٹاؤں۔ اگر آپ اس پر اتنا ناراض ہیں تو لائیے میں بسر و چشم قبول کرتا ہوں"

محبوب صاحب نے اب ذرا سنبھلتے ہوئے کہا "میں نے تم کو مسلسل اور متواتر یہ بات سمجھائی ہے کہ ان عقل کے دشمن دولتمندوں کی دولت میں ہمارا تمہارا حصّہ بھی ہے،

ہم چوری نہیں کرتے ڈاکہ نہیں ڈالتے بلکہ اپنی عقل کا اس صورت میں ان کی حماقت سے اعتراف کراتے ہیں۔ تم مصنّف ہو اپنی کتاب کا آخر معاوضہ لیتے ہو کہ نہیں اور تم کو یہ معاوضہ وہ لوگ دیتے ہیں جو خود تمہاری طرح کتاب نہیں لکھ سکتے۔ ایک وکیل مقدمہ کی پیروی کا محنتانہ لیتا ہے یا نہیں یعنی اپنے دماغ اور اپنی قانونی قابلیت کی قیمت ان لوگوں سے وصول کرتا ہے جو اس کی طرح قانونی دماغ نہیں رکھتے۔ مقدمہ جیتے یا ہارے مگر اُس کے دام کھرے ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح ہم لوگ بھی اپنے دماغ سے کام لیتے ہیں اور جو ہم سے کم عقل رکھتے ہیں وہ ہنسی خوشی ہماری مٹھی گرم کرتے ہیں تو آپ اس کو آخر حرام کی کمائی کیوں سمجھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک اُس لڑکے کے نمبر بڑھوانا کوئی معمولی کام تھا۔ تم تو میرے ساتھ ہی تھے میں نے دماغ کا تیل نکال کر ایک صورت پیدا کی اور کھڑے کھڑے نمبر بڑھوا لئے اب آخر میں اپنی فیس اپنا محنتانہ اپنی دماغی صلاحیت کا معاوضہ کیوں نہ وصول کروں۔"

ہم تو حیران تھے اس ظالم کے دلائل سُن کر۔ یہ جاہل اس قسم کی گفتگو کر رہا تھا جو عمر بھر پڑھنے کے بعد ہمارے فرشتے بھی نہ کر سکتے تھے اس ڈکیتی کا جواز ثابت کرنے کے لئے ایسے ٹھوس دلائل ڈھونڈنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ پھر یہ کہ کیا ربط تھا گفتگو میں اور کیا زور تھا تقریر میں۔ واقعی ایک آدھ مرتبہ تو یہ جادو بیان ڈاکو ہم کو حق بجانب سا محسوس ہونے لگا۔ مگر پھر ہم سنبھلے کہ ہر مجرم اپنے جرم کا جواز اسی

طرح تلاش کرتا ہے۔ ہم کو اس وقت وہ قیدی یاد آگئے جو چوری اور نقب زنی کے سلسلہ میں گرفتار ہو کر جب جیل کی لاری پر بیٹھتے ہیں اور لاری عام راستوں سے گذرتی ہے تو وہ "انقلاب زندہ باد۔ قائداعظم زندہ باد" کے نعرے بلند کرتے جاتے ہیں اور اپنے دل میں اپنی چوری اور نقب زنی کے جواز کے قائل ہوتے ہیں کہ ہم نے چوری کر کے گویا اُس نظام کے خلاف بغاوت کی ہے جس کے ماتحت ہندوستان میں دولت کی تقسیم مساوی نہیں ہے بلکہ صورت ہی ایسی پیدا کر دی گئی ہے کہ ایک طرف سرمایہ دار ہیں جن کے پاس دولت ہے اور دوسری طرف وہ فاقہ کش جو چوری کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ یہ چوری دراصل سرمایہ دار سے افلاس کا انتقام ہے لہٰذا یہ بھی ایک قومی کام ہوا اور اس لئے ہم کو چاہیئے کہ اپنے کو اخلاقی اسیر نہیں بلکہ سیاسی قیدی سمجھ کر انقلاب زندہ باد۔ اشتراک زندہ باد۔ قائداعظم زندہ باد۔ سُرخ پرچم زندہ باد کے نعرے لگائیں۔ محبوب صاحب اسی قسم کے چور تھے جو اپنے جرم کو دلائل سے اپنی ڈکیتیوں کا جواز پیش کرتے چلے جا رہے تھے ان کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی اور ہم ان خیالات میں گم تھے کہ یکایک محبوب صاحب نے فرمایا "یہ تمام بکواس کچھ ذہن میں بھی آتی یا میں نے محض وقت برباد کیا اپنا!"

ہم نے کہا "اچھا اب صرف یہ سمجھا دیجئے کہ میں نے کیا کارگذاری کی ہے جس کا معاوضہ لوں!"

محبوب صاحب نے کہا "بات اصل میں یہ ہے کہ مجھ کو اپنے لئے ایک شریک کار

کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی اور جب تم سے مراسم بڑھے تو میں نے تمہارا انتخاب اپنے دل میں کر لیا تھا۔ اب کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے مفت میں یہ بٹوارہ کیا ہے۔ جی نہیں۔ یہ دو گمنام میرا یہ ہے کہ اس قسم کے جتنے لوگ میرے قبضہ میں ہیں ان سب کو میں اکیلا نہیں دیکھ سکتا۔ ان میں سے چند تمہارے سپرد کر دونگا اور چند کی دیکھ بھال میں خود کروں گا۔ آمدنی دونوں کو ہوگی اور بٹوارہ ہر آمدنی میں ہوگا کیا سمجھے؟"

اور ہم دنگ رہ گئے کہ واقعی اس شیطان نے تو اپنا گھر وہ بنانا شروع کر دیا ہے اور اپنی اس بزنس کی ایک شاخ گویا ہم کو قرار دے رہا ہے اور اب ہم کو بھی باقاعدہ لوٹ مار کا دھندا شروع کرنا ہے۔ مگر فوراً ہی ہم کو خیال آگیا کہ ہم تو وقتی طور پر اس کے ساتھ ہیں اور وہ روپیہ جو ہمارے حصّہ میں آنے والا ہے ہر طرح ہم سے اور ہم خود اس روپیہ سے محفوظ رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں لہذا بنانے دو اس کو یہ لمیٹڈ کمپنی۔ ہم نے کہا "اگر آپ یہ بات پہلے ہی فرما دیتے تو یہ معاملہ اتنا طول کیوں کھینچتا بہرحال وہ جامدانی کے نقصان اور میرے حصّہ کا وہ روپیہ دلوا دیئے"

محبوب صاحب کے خبیث چہرے پر نہایت شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اب آئے نا راہِ راست پر۔ عزیز من یہ ہرگز حرام کی کمائی نہیں ہے۔ وہ جو مثل ہے نا کہ بیوقوف کھلاتے ہیں اور عقلمند کھاتے ہیں۔ بالکل سچ ہے۔ ان بیوقوفوں

سے فائدہ اُٹھانے کا موقع تو قدرت نے ہم کو عقل عطا کر کے گویا خود دیا ہے اور اگر اپنی اس صلاحیت سے ہم کام نہ لیں تو یہ ہماری حماقت ہوگی "

ہم نے دست بستہ عرض کیا "بجا ارشاد ہُوا "

محبوب صاحب اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور ہم اس حرفوں کے بنے ہوئے انسان کی خطرناک خباثت کے متعلق غور کرتے رہے کہ واقعی یہ شخص اپنی جادو بیانی کے ماتحت دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر سکتا ہے کاش یہ اپنی ذہانت کا یہ غلط مصرف تلاش نہ کرتا۔ محبوب صاحب نے جاءدانی کے تھان اور نوٹوں کی گڈی لاتے ہوئے کہا "امید ہے کہ اب آپ اس قسم کی حماقت میں مبتلا نہ ہوں گے "

ہم نے دونوں چیزیں لیتے ہوئے کہا "ہرگز نہیں "

محبوب صاحب نے اس کے بعد بتایا کہ اب کل سے دو تین دن تک وہ اختر زمان کے پاس نہیں جائیں گے۔ اور دو تین دن کے بعد گویا ہم کو ان کے پاس جانا چاہیئے یوں ہی ملنے کے لئے۔ ظاہر ہے کہ وہ ضرور پوچھیں گے کہ محبوب صاحب کہاں ہیں ؟ ان کا تو دم نکل رہا ہوگا بغیر محبوب صاحب کے اُس وقت ہم کو چاہیئے کہ ہم نہایت رازداری کے ساتھ یہ کہیں کہ آجکل محبوب صاحب بیحد پریشان ہیں ان کا لڑکا ولایت گیا ہوا ہے اس سلسلہ میں ساری پونجی صرف کر چکے ہیں اب ولایت سے دس ہزار روپیہ طلب کیا گیا ہے تاکہ صاحبزادے وہاں کے مطالبات ادا کر کے واپسی کا ارادہ کریں۔ اس دس ہزار کی فکر میں وہ بیحد پریشان ہیں کسی دوست سے بنتا نہیں

چاہتے بلکہ اس کا ذکر تک کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مکان علیحدہ کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

ہم معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے اور ہم نے ہنسکر کہا "سوجھی تو دُور کی ہے"!

محبوب صاحب نے کہا "میاں شکیل واقعی واپس بھی آ رہے ہیں، عنقریب۔ شیخ صاحب کے پاس تار آیا ہے واپسی کا انتظام کرنے کے لئے لہذا اس موقع سے فائدہ اُٹھانا ہی چاہیئے"۔

ہم اس پروگرام کو گرہ میں باندھ کر محبوب صاحب سے رخصت ہو گئے۔

# ۲۵

گھر آکر یہ مژدۂ جانفزا شیخ صاحب سے بھی سُنا کہ میاں شکیل بفضلہ فارغ التحصیل ہوکر ولایت سے واپس آرہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آج ہی ان کو دس ہزار روپیہ روانہ کیا ہے تاکہ وہاں کے مطالبات کی ادائیگی کے بعد واپس آجائیں۔ جس وقت شیخ صاحب نے یہ تفصیل ہم کو سنائی ہے ہم نے فوراً کہا "دس ہزار؟ آخر اتنے روپے کی کیا ضرورت پیش آگئی"

شیخ صاحب نے فرمایا "سُنا ہے کہ وہاں سے واپسی کے وقت ایک تو عام عوت کرنا پڑتی ہے اسی میں دو ہزار کے قریب صرف ہوجاتا ہے پھر کالج کے حسابات صاف کرنا ہیں اپنی میزبان صاحبہ کے بل چکانا ہیں اور شوق یہ بھی ہے کہ ہوائی جہاز سے واپس آئیں۔ بہر حال اب یہ سلسلہ تو ختم ہوا مجھے تو اندیشہ تھا کہ اگر خدانخواستہ فیل ویل ہوگئے تو خدا جانے کب تک ان کو ولایت میں رکھ کر اپنا دیوالہ نکلوانا پڑے ــــــ"

ہم نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ باقاعدہ بیرسٹر ہوگئے"

شیخ صاحب نے کہا "اور نہیں تو کیا یوں ہی گلی ڈنڈا کھیلنے ولایت گئے تھے!"

ہم نے کہا "سبحان اللہ یعنی اتنی بڑی خوشخبری اور بغیر مٹھائی کے آپ سُنا رہے ہیں"

شیخ صاحب نے سرگوشی کے انداز میں کہا "میں بڑی بی کو بلاتا ہوں ذرا ان کو تان دو۔ ابھی آئی جاتی ہے مٹھائی۔ مگر ہم سے کیا ہم کو تو ملنے سے رہی"

ہم نے کہا "ملے گی کیوں نہیں ایسی خوشی کے موقع پر تھوڑی بہت بدپرہیزی بھی جائز ہے"

شیخ صاحب نے خوش ہو کر کہا "اللہ تم کو خوش رکھے۔ بس ان ہی باتوں کی قدر کرتا ہوں" اور آواز دے کر کہا "ائے میں نے کہا سنتی ہو۔ بیگم۔ ذرا سنو تو سہی یہ کیا کہہ رہے ہیں میاں ساجد"

بیگم صاحبہ نے دروازے کی آڑ میں آ کر کہا "کیا بات ہے؟"

ہم نے کہا "یعنی آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے شکیل صاحب کے پاس ہونے اور واپس آنے کا تار آچکا ہے اور یہ خبر ہم خشک سُن رہے ہیں گویا۔ ہم تو جب مڈل پاس ہوئے تھے تو دادا جان مرحوم و مغفور نے ساری بستی میں مٹھائی تقسیم کرائی تھی اور آپ کے یہاں اتنی بڑی خوشی یوں چُپ چاپ ہو جاتی ہے"

بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر کہا "تم جم جم مٹھائی کھاؤ ارادہ تو یہ تھا کہ شکیل میاں کے یہاں پہنچتے ہی دعوت کر دی جاتی"

ہم نے بات کاٹ کر کہا "وہ بھی مبارک خیال ہے مگر فی الحال مٹھائی کے بغیر تو یہ خبر سُننا ہی نہ چاہیئے تھی"

بیگم صاحبہ نے اسی وقت ملازم کو مٹھائی کے لئے دوڑایا اور ہم سے کہا۔ جب سے یہ تار آیا ہے میں تو اس فکر میں ہوں کہ صاحبزادے آخر اتارے کہاں جائیں گے ولایت سے اللہ رکھے آرہے ہیں صاحب بہادر بنے ہوئے۔ نہ محبوب بھائی کا گھر ایسا ہے جس کو انگریزی قاعدے سے سجایا جا سکے اور نہ اس گھر میں جگہ ہے اتنی"

ہم نے اس بات کا دوسرا ہی رُخ سمجھ کر کہا "نہیں تو آپ پریشان کیوں ہیں اگر اب آپ کو مکان کے اس حصّہ کی ضرورت ہے جو میرے قبضہ میں ہے تو میں ان کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی کوئی انتظام کر لونگا"

بیگم صاحبہ نے اپنے شوہر نامدار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "سُن رہے ہو ان کی باتیں"

شیخ صاحب نے کہا "میں کیا سُنوں۔ تم بات ہی ایسی کرتی ہو جس کا مطلب نہایت غلط نکلے"

بیگم صاحبہ نے کہا "تم سے مکان خالی کرانا تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں خود مکان خالی کر دوں۔ تم آخر اپنے کو کرایہ دار کیوں سمجھتے ہو یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ تم ہم ہی میں سے ایک ہو۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ وہ اللہ رکھے بیرسٹر ہو کر آ رہا ہے اس کے لئے بیرسٹری کے لائق کوٹھی بھی ہو اور اس کوٹھی کی سجاوٹ بھی"

شیخ صاحب نے فرمایا "لاحول ولا قوۃ۔ کہہ تو چکا ہوں کہ بنارسی باغ والی کوٹھی کو ٹھیک کرائے دیتا ہوں۔ قلعی ہو جائے اور فرش ٹھیک کر دیا جائے تو وہ نہایت لاجواب ہو جائے گی۔ رہ گیا فرنیچر وغیرہ وہ تو ہر حال میں نیا ہی خریدنا ہو گا میں کل ہی اُس کوٹھی میں مزدور لگائے دیتا ہوں۔ پندرہ بیس دن میں تو دیکھنا اس کوٹھی کو کیا چیز بن جاتی ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "لو بڑی عمر محبوب بھائی بھی آ گئے اب ان سے مشورہ کر لو ــــــ"

محبوب صاحب نے اسی دروازے سے جس میں بیگم صاحبہ کھڑی تھیں برآمد ہوتے ہوئے کہا "کیسی کانفرنس جمی ہوئی ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "طے یہ کیا جا رہا ہے کہ شکیل میاں کو آخر ٹھہرایا کہاں جائے۔"

محبوب صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا "سبحان اللہ گویا بڑا بھاری مہمان آ رہا ہے کوئی۔ ٹھہرایا کہاں جائے گا آخر ان کو۔ وہ جانتے ہیں کہ باپ اور چچا ان ہی دو میں سے کسی کے پاس رہنا ہے ان کو۔"

شیخ صاحب نے کہا "بات یہ نہیں ہے بلکہ تمہاری بھابی کا خیال بالکل درست ہے کہ وہ اتنے دنوں تک ولایت میں رہ کر آ رہا ہے وہاں کی عادت پڑی ہوئی ہو گی اور تمہارا گھر یا میرا گھر دونوں ہندوستانیوں کے رہنے کے قابل تو خیر ہیں مگر ولایت سے آنے والے ان گھروں میں خوش نہیں رہ سکتے دوسرے اب وہ خدا کے فضل

سے بیرسٹر ہو کر آرہا ہے۔ بیرسٹر۔ ڈاکٹر اور طوائف کے لئے ضروری ہے کہ اپنا درجہ اونچا ثابت کرنے کے لئے ذرا ظاہری شان بنائے رکھیں۔ میں نے یہ طے کیا ہے کہ بنارسی باغ والی کوٹھی ان حضرت کے لئے درست کرا کے آراستہ کر دی جائے۔ وہ اُسی میں رہیں اور اسی میں اپنا دفتر کھولیں۔ موٹر تو خیر ان ہی کے نام کا ہے وہ اُسی کوٹھی کے گیراج میں پہنچا دیا جائے گا۔"

محبوب صاحب نے کہا "اب آپ لوگ کہیں گے اس کا دماغ خراب۔ ولایت سے آنے والے ایک تو یوں ہی زمین پر پیر نہیں رکھتے دوسرے جب ہم خود ہی ان کو پرٹیشور سمجھنے لگیں تو ظاہر ہے کہ دماغ خراب نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اے صاحب ان کو ان ہی گھروں میں سے کسی میں رکھا جائے گا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "نہیں آپ سمجھتے نہیں اس کا نتیجہ اُس پر بہت بُرا پڑیگا۔ ایک تو میں اسی خیال سے ڈر رہی ہوں کہ اس گرمی میں وہ آرہا ہے ولایت کی سردی کے بعد اس کو یہ سخت موسم برداشت کرنا پڑیگا۔"

محبوب صاحب نے کہا "تو ان کو تار دے دیجئے کہ یہاں آنے کے بجائے کشمیر چلے جائیں۔ خدا کے واسطے صاحبزادے کو پاگل نہ کیجئے گا آپ لوگ' ضرورت اسکی ہے کہ ان کو آنے کے بعد مسلسل اس بات کا یقین دلایا جائے کہ تم صرف تعلیم کی غرض سے انگلستان گئے تھے یہ نہ سمجھ لینا کہ نسلاً انگریز ہو گئے ہو۔"

اس عرصہ میں مٹھائی آچکی تھی اور ہماری سفارش پر آج شیخ صاحب کو بھی مٹھائی

کھانے کی اجازت مل گئی تھی۔ ان کی خوشی کا عالم کچھ نہ پوچھئیے کوئی اور دیکھتا تو شاید یہ سمجھتا کہ آنجناب کو ہونے والے داماد کی کامیاب مراجعت کی مسرت ہے لیکن ہم جانتے تھے کہ ان کو اس خوشی سے کہیں زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ اس سلسلہ میں آج مٹھائی کھانے کو میسر آگئی تھی۔ وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ مار رہے تھے جیسے اتحادیوں کی فوجیں برلن میں داخل ہو رہی ہوں یہاں تک کہ بیگم صاحبہ سے نہ رہا گیا:۔

"اے میں نے کہا سنتے ہو۔ بس اب ہاتھ کھینچ لو"

شیخ صاحب نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "دیکھئے صاحب یہ وعدہ خلافی ہو رہی ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ آج مٹھائی کے لئے نہ روکا جائے گا"

بیگم صاحبہ نے کہا "تو کہاں روکا گیا۔ مگر تم تو مٹھائی اس طرح کھا رہے ہو جیسے لوگ اسی بھات کھاتے ہیں۔ مٹھائی مٹھائی کی طرح کھائی جاتی ہے کھانے کی طرح نہیں"

شیخ صاحب نے ایک مسلم گلاب جامن منہ میں رکھتے ہوئے کہا "یہ تو کھانے والے پہ منحصر ہے۔ دوسرے اس طرح وہ لوگ مٹھائی چکھتے ہیں جن کو روز ملتی ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا "اور تم آج قضائے عمری پڑھ رہے ہو۔ اب نہ کھاؤ زیادہ نقصان کرے گی"

شیخ صاحب نے کہا "ہزار مرتبہ کہا ہے کہ کھانے کے معاملہ میں نہ ٹوکا کرو۔ ایسا کھانا نہ جسم کو لگتا ہے نہ اس کا خون بنتا ہے۔ سبحان اللہ کس قدر عمدہ ہے امرتی بالکل تازہ بنا کر بھیجی ہے ظالم نے"

بیگم صاحبہ نے کہا "محبوب بھائی ہٹا لیجئے ان کے سامنے سے مٹھائی "

ہم نے سفارش کی " ارے صاحب کھا لینے دیجئے آج جی بھر کے "

بیگم صاحبہ نے کہا " اے بھیّا۔ اب تو ماشاء اللہ اتنی کھا چکے ہیں کہ پیٹ بھر گیا ہوگا نیّت چاہے نہ بھری ہو "

شیخ صاحب نے جلدی سے ایک برفی ہڑپ کرتے ہوئے کہا " بس اب عنقریب کھائے چکتا ہوں "

محبوب صاحب نے پلیٹیں اُٹھانا شروع کر دیں اور آخر شیخ صاحب انگلیاں چاٹتے رہ گئے مگر بار بار مٹھائی کی تعریف کر رہے تھے اور جب مٹھائی سامنے سے اُٹھ ہی گئی تو آپ نے بیوی کو یہ مژدہ سنایا کہ آج میں احتیاطاً اس وقت کھانا نہ کھاؤنگا پیٹ واقعی کچھ بھر سا گیا ہے۔

# ۲۶

جس وقت ہم اختر زماں صاحب کی کوٹھی پہ پہنچے ہیں اور ان کو اطلاع کرائی ہے وہ صبح دس بجے کی میٹھی نیند سو رہے تھے۔ امراء کے لئے سونے کا یہ وقت نہایت سہانا ہوتا ہے۔ ان کی راتیں جاگنے کے لئے ہوتی ہیں اور دن سونے کے لئے۔ جو لوگ معاشی دوڑ دھوپ میں مبتلا رہتے ہیں ان کے لئے تو یہ وقت دفتروں کارخانوں اور دوسرے کاموں پہ جانے کا ہوتا ہے مگر دولت مند اس وقت گویا اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو کر میٹھی نیند سوتے ہیں۔ بیرا نے ہم کو یہی اطلاع دی کہ رات کو تین بجے تک محفل جمی رہی اور کوئی چار بجے کے قریب سرکار سوئے ہیں۔ مگر ہم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ آپ یا محبوب صاحب جس وقت بھی تشریف لائیں فوراً اطلاع دی جائے۔ میں نے اطلاع کر دی ہے اور سرکار بیدار ہو چکے ہیں۔

اختر زماں صاحب گون پہنے آنکھیں ملتے اور سگریٹ پیتے کمرے میں داخل ہو کر خمار آلود آواز میں بولے "بھائی جان میں تو سمجھا تھا کہ آپ حضرات نے مجھ کو بالکل فراموش ہی کر دیا۔ کل سے دو مرتبہ آدمی محبوب صاحب کے یہاں بھیج چکا ہوں رات کو خود حاضری دی۔ آج کا پروگرام یہ تھا کہ آپ کو دفتر میں گرفتار کرونگا اور پوچھوں گا

کہ آخر مجھ گنہگار سے ایسی کونسی خطا سرزد ہوگئی ہے کہ نہ تو محبوب صاحب میرا حال پوچھتے ہیں نہ آپ تشریف لاتے ہیں"

ہم نے کہا "آپ ایسی چیز ہی نہیں ہیں کہ کوئی آپ سے ناراض ہو سکے۔ بات یہ ہے کہ محبوب صاحب آجکل بیحد پریشان ہیں اور اس شخص کی ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ اپنی پریشانی کے زمانہ میں وہ احباب سے ملنا جلنا بالکل ترک کر دیتا ہے کہ کہیں اُس کی پریشانی کسی پر ظاہر نہ ہو جائے۔ بیحد خود دار اور باغیرت قسم کا انسان ہے اپنی پریشانی کو خود جھیل جاتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دیتا مگر میں تو ان حضرت کے رگ و ریشہ سے واقف ہوں مجھ سے وہ کوئی بات چھپا نہیں سکتے لہذا یہ حقیقت صرف مجھ کو معلوم ہے اور خدا کے واسطے اُن سے کبھی یہ نہ کہیئے گا کہ میں نے یہ بات آپ کو بھی بتا دی ہے ورنہ وہ میری جان کو آجائے گا"

اختر زمان صاحب نے پریشان ہو کر کہا "خیر تو ہے آخر معاملہ کیا ہے میرے دل میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ خدا جانے کیا بات ہے جو خلاف معمول محبوب صاحب اور آپ غائب ہیں۔ ہاں تو قصہ کیا ہے آخر"

ہم نے کہا "بات یہ ہے کہ اپنے لڑکے کو ولایت بھیجنے کے شوق میں ان حضرت نے چادر کا تو اندازہ کیا نہیں پیر پھیلا دیئے۔ اس سلسلہ میں تھوڑی بہت جو کچھ پونجی تھی وہ بیچ دی اور صاحبزادے کو ولایت بھیج دیا۔ اب وہاں سے روپیہ کے مطالبات شروع ہوئے وہاں رہنے کا خرچ۔ تعلیم کے اخراجات اور خدا جانے کیا کیا اخراجات

کی مدّبیں۔ معمولی حیثیت کے آدمی کے بس کا یہ روگ نہیں ہے کہ وہ اولاد کو ولایت بھیجے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی کے زیور تک رہن رکھ کر یہ اخراجات تو خیر کسی نہ کسی طرح پورے ہوتے رہے مگر اب تار آیا ہے کہ صاحبزادے واپس آرہے ہیں لہذا وہاں کے مطالبات ادا کرنے کے لئے اور واپسی کے خرچ کے لئے فوراً دس ہزار روانہ کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم معمولی نہیں ہے اور اس کے لئے ان کو پریشان ہونا ہی چاہیئے مگر آج یہ انتظام ہوگیا ہے کہ مکان کا ایک گاہک مل گیا ہے اور امید ہے کہ کل تک مکان فروخت کرنے کے بعد وہ روپیہ بھیجدیں گے۔"

اختر زمان نے نہایت غور کے ساتھ سُن کر کہا۔ "صاحب کمال کر دیا محبوب صاحب نے۔ اس وقت وہ کہاں مل سکتے ہیں؟"

ہم نے کہا۔ "اگر مکان کی رجسٹری وغیرہ کے سلسلہ میں نہ نکل گئے ہوں گے تو غالباً گھر ہی پر ہوں گے۔"

اختر زمان بغیر کچھ کہے سُنے ایک دم اُٹھ کر اندر چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد ہم کو خود اپنے اس جھوٹ اور اس شرمناک سازش میں اپنی شرکت پر شرم سی آنے لگی اور فوراً ہی اس خیال سے اطمینان بھی ہوگیا کہ ہم اس سازش میں سازش کو کامیاب بنانے کے لئے تو شریک ہی نہیں ہوئے ہیں ہماری اسکیم تو نہایت دیانت دارانہ اور شریفانہ ہے لہذا ہمارے دل کو چور ہونے کی کیا ضرورت ہے بلکہ اگر سچ پوچھئے تو جس ایمانداری کا ہم ثبوت دینا چاہتے تھے اس کا ذکر کرتا ہوں

میں تو ضرور پڑھا تھا اور بزرگوں سے سُنا بھی تھا کہ ایمانداری کتنی بڑی چیز ہے مگر ایمانداری کی زیارت کا اتفاق اس زمانہ میں کبھی نہ ہوا تھا غالباً یہ اُسی وقت کی کوئی چیز ہوگی جب سُنا ہے کہ گھی تک خالص بکتا تھا اور اتنا ارزاں کہ یہ جو گھی کی تہمت ہم لوگ کھاتے ہیں وہ بھی اُس سے بہت گراں ہے۔ بزرگ اس زمانہ کا ذکر اسی طرح کرتے ہیں گویا طلسم ہوشربا سُنا رہے ہیں کہ غلّہ کا یہ بھاؤ تھا دودھ اس حساب ملتا تھا اور گوشت ترکاری کا یہ نرخ تھا۔ مگر سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب دودھ اتنا سستا تھا تو لوگ پانی کیوں پیتے تھے اور جب غلّہ اتنا ارزاں تھا تو سب کے سب سیّد کیوں نہ ہو گئے۔ غالباً یہ ایمانداری ان ہی تاریخی چیزوں میں سے کوئی چیز ہوگی۔

ہم اسی قسم کی باتوں پر غور کر رہے تھے کہ اختر زمان صاحب شیروانی وغیرہ سے مسلح بہ آمدہ ہوتے ہوئے بولے "چلئے صاحب ان حضرت کو گرفتار کیا جائے کہیں خدانخواستہ وہ رجسٹری نہ کرا بیٹھیں مکان کی"

اختر زمان صاحب اور ہم جس وقت محبوب صاحب کے یہاں پہنچے ہیں وہ حضرت اس طرح کپڑے پہنے ہوئے تیار تھے گویا کہیں جا رہے ہیں۔ اداکاری ملاحظہ ہو کہ اختر زمان صاحب کو ہمارے ساتھ دیکھ کر آپ گویا ایک دم چونک پڑے حالانکہ ہم کو معلوم تھا کہ اُن کے انتظار ہی میں تھے۔ اختر زمان صاحب نے جاتے ہی کہا :-

"ہم نظر بازوں سے تو چھپ نہ سکا ماہِ جبیں
تو جہاں جا کے چھپا ہم نے وہیں دیکھ لیا"

اور ہم نے ان "ماہ جبیں" صاحب کی طرف نظر جو اُٹھائی تو بخدا پھٹکار برس رہی تھی اِس شخص کے لعنتی چہرے پر۔ گویا اخلاقاً ہنس کر آپنے فرمایا "آجکل یہ ماہِ جبیں ذرا گہن میں آیا ہُوا ہے۔ مگر آج تو میں خود بھی حاضر ہوتا۔ کچھ ایسی ہی مجبوری تھی کہ آپ کے پاس بھی نہ آسکا مگر خدا کے فضل سے آج یکسوئی حاصل ہو جائیگی"۔

اختر صاحب نے کہا "جناب کی فکر اور یکسوئی دونوں کی مجھ کو اطلاع ہے اور یکسوئی حاصل کرنے کے لئے جو صورت آپنے پیدا کی ہے اس کا بھی مجھ کو علم ہے۔ بخدا آج مجھ کو معلوم ہُوا کہ آپکے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے اور آپ مجھ کو کیا سمجھتے ہیں۔ مجھے آپسے یہ امید ہرگز نہ تھی"۔

محبوب صاحب نے نہایت کامیاب اداکاری کرتے ہوئے گڑبڑا کر کہا "یعنی۔ وہ ــــ گویا ــــ ارے صاحب لاحول ولا قوۃ۔ آپسے اگر کسی نے میری کسی پریشانی کا ذکر کیا ہے تو وہ غلط ہے ــــــ"

اختر صاحب نے کہا "بس کیجئے محبوب صاحب، یہ غلط ہے کہ آپ صاحبزادے کی واپسی کے اخراجات کے سلسلہ میں پہلے تو بیحد پریشان رہے اور آخر فیصلہ یہ کیا کہ مکان علیحدہ کر دیا جائے"۔

محبوب صاحب نے گویا شکایت کے طور پر ہم سے کہا "ساجد صاحب! واللہ دار ی

کے یہ معنی تو نہ تھے۔ آپ نے اختر صاحب تک یہ بات پہنچا کہ اپنا بھرم ہمیشہ کے لئے کھو دیا۔"

ہم نے کہا "اب آپ چاہے جو کچھ بھی سمجھیں مگر میرے نزدیک اختر صاحب کوئی غیر نہ تھے۔"

اختر صاحب نے کہا "آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ محبوب صاحب مجھ کو غیروں سے بدتر سمجھتے ہیں۔ ورنہ مجھ سے یہ بات نہ چھپائی جاتی۔"

محبوب صاحب نے اختر زمان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "بھیا بُرا ماننے کی بات نہیں اگر سچ پوچھتے ہو تو سُنو کہ بندہ کا اصول ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ بارِ شاطر اور بارِ خاطر میں جو فرق ہے اس کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ قمر کو یہ حالات اس لئے معلوم ہو گئے تھے کہ میں جانتا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں امداد سے مجبور ہیں آپ سے یہ بات اس لئے چھپائی گئی کہ میں جانتا تھا کہ آپ فوراً اس رقم کا انتظام کر کے مجھ کو مجبور کریں گے کہ میں اس کو قبول کر لوں ــــــ"

اختر زمان نے کہا "استغفر اللہ کوئی رقم میں رقم بھی ہو۔ دوست اگر ایسے موقعوں پر بھی دوست کے کام نہ آسکے تو لعنت ہے دوستی پر۔ آپ نے تو حد ہی کر دی کہ سر چھپانے کا ٹھکانہ تک علیحدہ کرنے پر تیار ہو گئے مگر اللہ ری خود داری کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ محبوب صاحب خود داری یقیناً

بہت ہی پاکیزہ جوہر ہے مگر اپنوں سے تو تکلّف نہیں کیا جاتا۔ مجھ کو بخدا بید صدمہ ہے اور یہ صدمہ مستقل ہو جائے گا اگر آپ نے اب بھی مکان علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا یہ دس ہزار کا چیک حاضر ہے اگر آپنے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میرے اور آپکے تعلقات ختم "

محبوب صاحب نے گویا نہایت کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوتے ہوئے کہا۔ "میری بات سُن لیجئے مجھ کو بخدا یہ روپیہ لینے سے انکار نہ ہوتا مگر آپ کو معلوم نہیں کہ ہم اور آپ کس ناپاک دنیا میں رہتے ہیں جہاں ہر شریفانہ جذبہ کو کسی نہ کسی غرض کے رنگ میں دیکھا جاتا ہے اس دُنیا میں خلوص۔ شرافت اور بے غرضی تو گویا کوئی چیز ہی نہیں "

اختر زمان نے کہا "اس تمام لکچر کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مجھ کو اس قابل نہیں سمجھتے۔ بہتر ہے ـــــــ"

محبوب صاحب نے کہا " لیجئے وہ بُرا مان گئے۔ اچھا صاحب لائیے۔ میں اس کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ یہ ایک قسم کا قرض ہے جس وقت میں ادا کر سکا آپ کو واپس لینے میں انکار نہ ہوگا "

اختر زمان نے کہا " اگر بھائی بھائی کو قرض دے سکتا ہے تو یہ بھی قرض ہے، ورنہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ آپ کا ہے اور جو آپکے پاس

ہے وہ میرا ہے۔"

چیک محبوب صاحب کے ہاتھ میں تھا اور دو امیٹیشن قسم کے آنسو خدا جانے اس شخص نے کیونکر اپنی پلکوں پہ نمایاں کر لئے تھے۔

۲۷

یہ معمہ آخر حل نہ ہو سکا کہ شیخ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کی حد سے بڑھی ہوئی توجہ جس نے ایک کرایہ دار کو عزیزوں سے بڑھ کر بنا دیا تھا آخر کیوں تھی پہلے تو ہم اس عقلمندی میں مبتلا تھے کہ شاید شیخ صاحب قبلہ اس خاکسار کو فرزندی میں قبول کرنے والے ہیں مگر فوراً ہی اس غلط فہمی کا پردہ بھی اُٹھ گیا اور معلوم ہو گیا کہ ان کی جو صاحبزادی اس قابل ہو سکتی تھیں ان کے منگیتر ولایت تک طول کھینچ چکے ہیں اس وجہ کے بعد پھر لاکھ سوچا مگر کوئی اور سبب سمجھ میں نہ آسکا نہ یہ کسی سے پوچھنے کی بات تھی نتیجہ یہ کہ غور کرتے کرتے تھک کر غور کرنا ہی چھوڑ دیا تھا مگر ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہی سوال دوسرے دماغوں میں بھی موجود ہے اور اسی معمہ کو کچھ اور لوگ بھی حل کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک دن جو لباس تبدیل کرنے اندر والے کمرے میں گئے تو برابر والے کمرے میں ریحانہ اور سلمیٰ کی باقاعدہ کانفرنس ہو رہی تھی اپنا نام سنکر ہم بھی چونکے اور دروازے کے قریب جا کر کان لگا دیئے۔

ریحانہ کہہ رہی تھی :-

" ساجد صاحب پر جو عنایتوں کی بوچھار ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ امّی جان کو

شکیل کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔"

سلمیٰ نے کہا "جب اطمینان نہیں ہے تو آخر ایسی کونسی مجبوری ہے کہ نسبت چپکائے بیٹھی ہوئی ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "کہہ تو چکی ہوں کہ یہ گویا ایک جُوا کھیلا گیا ہے۔ ہزاروں روپیہ اسی داؤں پہ لگایا گیا ہے کہ شاید ولایت جاکر وہ آدمی بن جائیں۔ ہندوستان بھر میں کوئی مشین ایسی نہ مل سکی کوئی سائنسدان ایسا نہ مل سکا اور نہ کوئی جادوگر ایسا ملا جو ان کو آدمی بنا سکتا تعلیم سے وہ بیزار۔ آدمیت سے ان کو بیر۔ شرافت ان کے آس پاس نہیں۔ عادتیں ایک سے ایک ایسی کہ سبحان اللہ چھٹا ہوا لوفر اور بازاری قسم کا انسان ہے وہ۔ مگر اس مجبوب نے خدا جانے کیا جادو کرایا اور کیا پٹی پڑھائی ان بزرگوں کو جو ان کو یقین ہو گیا کہ صاحبزادے کے ان امراض کا علاج صرف ولایت میں ہو سکتا ہے مگر دیکھ لینا وہ وہاں سے اور بھی چوپٹ ہو کر آئیں گے اُمّی جان کو ان کی طرف سے یہی اندیشہ ہے اور اسی لئے وہ ساجد صاحب کو گویا اچھے بُرے وقت کے لئے رکھے ہوئے ہیں کہ اگر شکیل نے جیسا کہ اندیشہ ہے ان کو مایوس کیا تو ساجد صاحب تو گویا موجود ہی ہیں۔ اگر ان حضرت کے ولایت بھیجے جانے سے پہلے ہی ساجد صاحب یہاں آجاتے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ نوبت ہی نہ آتی۔"

سلمیٰ نے کہا "اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ہمارے بھائی جان بے چارے

ریٹیرڈ ڈپٹی ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "خیر یہ تو طے ہے کہ شکیل ولایت سے آکر بھی وہی شکیل ثابت ہوں گے جو وہ دراصل ہیں بلکہ ولایتی معائب کا اضافہ ساتھ لائیں گے اور ان بزرگوں کی امیدوں پر ایسا پانی پھیریں گے کہ ان کی طبیعت ہی خوش ہو جائے مگر اس نسبت کے ٹوٹنے میں بھی محبوب کی چالاکیوں کی وجہ سے دیکھ لینا کہ لوہے لگ جائیں گے۔"

سلمیٰ نے کہا "لوہا لگے یا تانبا جب تم خود ہی اس جہاد کے لئے تیار بیٹھی ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

ریحانہ نے کہا "خیر اس کی نوبت تو خدا نہ کرے کہ آئے۔ مجھ کو تو اُس دن سے اطمینان ہے جب میں نے امی جان اور ابا جان کی گفتگو اسی سلسلہ میں سُنی۔ اور اُسی دن مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ساجد صاحب کی طرف جو خاص توجہ ہے اس کی وجہ کیا ہے۔"

سلمیٰ نے ہمارے دل کی بات کہی "آخر بات کیا سُنی تھی تم نے۔"

ریحانہ نے کہا "اسے یہی کہ امی جان نہایت رازداری کے ساتھ کہہ رہی تھیں کہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ شکیل کا خیال ہی چھوڑ دیا جائے ولایت بھیجا ہے اس کا خرچ پورا کردو اور سمجھ لو کہ اتنا روپیہ پھینک دیا مجھ کو تو ساجد سے زیادہ اچھا لڑکا مل نہیں سکتا خود بیچد شریف ہے گھرانہ اچھا ہے پھر یہ کہ پڑھا لکھا۔ برسرِ روزگار۔ اس

پیارا باجان نے کہا شکیل کی طرف سے جو اندیشہ ہے اگر خدانخواستہ وہ پورا ہوا تو پھر دیکھا جائے گا فی الحال نیت کو ڈانواں ڈول نہ کرو۔ اس ذکر کے بعد ہی یہ خبر آگئی کہ وہ حضرت بیرسٹری کر کے واپس آرہے ہیں پھر ان دونوں کی نیت بدل گئی اور شروع کر دیئے ان کے استقبال کے انتظام اب دیکھ لینا کہ وہ آکر چند ہی دن میں ایسے جوہر دکھائیں گے کہ مزاج درست ہو جائے گا۔ اُس شخص کی اصلاح ناممکن ہے اور آخر میں جو کچھ ہونا ہے وہ مجھ کو معلوم ہے۔"

سلمیٰ نے ریحانہ کو بھینچتے ہوئے کہا "یعنی میری بھابی جان بننا ہوگا تم کو۔"

ریحانہ نے اُلجھ کر کہا "چھوڑو بھئی ہڈیاں پسلیاں چٹخا دیں تم نے تو۔"

سلمیٰ نے کہا "آج میں بھائی جان سے ضرور کہوں گی کہ ان کی حیثیت کیا ہے۔ وہ بیچارے تو خود حیران رہا کرتے تھے کہ آخر میرے حال پر یہ کرم کیوں ہوئے ہیں اور اس توجہ کے کیا معنی ہیں اب میں ان کو بتاؤں گی کہ وہ سرمایۂ محفوظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

ریحانہ نے ایک دم چونک کر کہا "خدا کے لئے اُن سے کچھ نہ کہنا میں نے تم کو اپنا سمجھ کر یہ باتیں بتائی ہیں اب تم چلیں ان کے کان میں پھونکنے۔"

سلمیٰ نے شرارت سے کہا "مجھ کو تو تم نے اپنا سمجھا اور ان کو ایسا غیر سمجھ رہی ہو حالانکہ ان ہی کی وجہ سے تم نے مجھ کو بھی اپنا سمجھا ہے۔"

ریحانہ نے بھی شرارت کا جواب شرارت سے دیتے ہوئے کہا "خیر یہ تو غلط ہے

میں نے تو تم کو اس لئے اپنا سمجھا ہے کہ میں اپنے بھائی جان کے لئے تمہارا انتخاب کر چکی ہوں۔ خدا کی قسم میرے بھائی جان یوں تو خیر ڈاکٹر ہیں مگر بڑی شاعرانہ طبیعت پائی ہے اُن سے زیادہ ان مسکراتی ہوئی آنکھوں۔ ان گفتگو کرنے والے ابروؤں اور عمر خیام کی صراحی نما اس چہرے کی قدر اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

سلمیٰ نے جھینپ کر کہا " اللہ اللہ۔ اپنے بھائی جان کے پردے میں شاعری خود جناب نے شروع کر دی۔ ذرا کبھی خود بھی آئینہ دیکھ لیا ہوتا میں سچ کہتی ہوں کہ اگر میں شاعر ہوتی تو تم ہی کو اپنا موضوع بنا کر ملک الشعرا بن جاتی مگر بہن معاف کرنا تمہارے حُسن کو قیامت بنانے میں شکیل کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔"

ریحانہ نے چونک کر کہا " خدا نہ کرے۔ اچھی خاصی باتیں کرتے کرتے پھر اس منحوس کا نام لیا۔"

سلمیٰ نے تڑپ کر کہا " ہائے میں کیونکر آئینہ دکھاؤں کہ شکیل کا نام آتے ہی تمہارے چہرے پر جو احتجاج کی شان پیدا ہوتی ہے وہ عجیب قسم کے غازے کا کام کرتی ہے۔ حُسن کی ترکیب تجلیوں۔ شوخیوں اور شرارتوں سے تو ضرور ہوتی ہے مگر تھوڑی بہت پسپائی۔ اضمحلال اور فسردگی حُسن کو قیامت بنا دیتی ہے اگر تمہاری زندگی محض باغ و بہار ہوتی تو حسن اپنی جگہ پر حُسن ضرور ہوتا مگر اس خلش کے بغیر وہ قیامت نہ بن پاتا جو اب بن گیا ہے۔"

ریحانہ نے مسکرا کر کہا " کیا کہنا ہے جناب نذرالاسلام صاحب معلوم یہ ہوا

کہ اگر آپ خود شعر کہنا چاہیں تو اچھی خاصی شاعرہ بن سکتی ہیں"۔

سلمیٰ نے برجستہ کہا "میرا کیا سوال ہے اس قسم کا حسن ہر ایک کو شاعر بنا سکتا ہے میں تو مستقل طور پر اس فکر میں ہوں کہ بھائی جان کے لئے کوئی مناسب سا تخلص تلاش کر رکھوں"۔

ریحانہ نے کہا "خیر ان کو بغیر تخلص کے شعر کہنا آتے ہیں ان کے افسانوں میں بعض اوقات اس قیامت کی شعریت ہوتی ہے کہ کوئی غیر شاعرہ وہ شاعرانہ بندشیں استعمال کر ہی نہیں سکتا جو وہ اپنے نثر کے ٹکڑوں میں استعمال کر جاتے ہیں۔ تم نے ناہید میں ان کا تازہ افسانہ "مقاماتِ آہ و فغاں" پڑھا ہے"۔

سلمیٰ نے کہا "ہاں کل ہی پڑھا ہے مگر میری سمجھ میں نہ آسکا کچھ اُلجھ سا گیا ہے"۔

ریحانہ نے تردید کرتے ہوئے کہا "اُلجھ وُلجھ کچھ بھی نہیں گیا ہے جس نفسیاتی گُتھی کو اس افسانہ میں سُلجھانے کی کوشش کی گئی ہے وہ سُلجھنے کی صورت میں کچھ اور اُلجھی ہوئی نظر آتی ہے۔ خیر میرا مطلب یہ تھا کہ اس افسانہ میں جا بجا جو اشعار بکھیرے گئے ہیں اُن سے بھی لطف لیا تم نے"۔

سلمیٰ نے غور کرتے ہوئے کہا "اس وقت کچھ یاد نہیں"۔

ریحانہ نے کہا "یاد نہ ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں اس قسم کی چیزیں تو خود بخود یاد رہ جاتی ہیں۔ ایک جگہ کیسا برجستہ شعر کہہ گئے ہیں۔ پندار نسائیت کا دوسرا نام عورت ہے اگر پندار نہ ہو اور محض نسائیت ہو تو عورت خود اپنی شکست کا اعتراف

نظر آتی ہے حالانکہ وہ فاتح پیدا کی گئی ہے اور اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی کمزوری کے مقابلہ میں مرد کی شہ زوری کو شکست خوردہ دیکھ کر جتنا چاہے ناز کرے۔ مرد نے ہمیشہ اپنی تمام دماغی صلاحیت کو اسی کوشش میں صرف کیا ہے کہ وہ اپنے کو عورت سے بلند۔ ارفع و اعلیٰ اور قوی ثابت کر سکے۔ عورت اس کوشش پر ہمیشہ مسکراتی اور یہی مسکراہٹ اس کی نصرت کا پرچم بن کر لہراتی رہی۔"

سلمیٰ نے کہا۔ "تم اس کو شعر کہتی ہو مگر یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

ریحانہ نے کہا۔ "میرے نزدیک حقائق کو خوبصورتی سے بیان کیے جانے ہی کا نام شاعری ہے۔"

سلمیٰ نے کہا۔ "خیر اس سے تو مجھ کو اتفاق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تم کو بھائی جان مارے محبت کے شاعر بھی نظر آنے لگے ہوں۔"

ریحانہ نے جل کر کہا۔ "پھر وہی بیہودگی میں اس وقت ادبی موڈ میں تھی تم پھر مجھ کو مسخرے پن میں کھینچ لائیں۔"

سلمیٰ نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان آرہی ہیں۔"

اور ہم بھی وہاں سے عجیب کیفیات میں ڈوبے ہوئے نکل آئے۔

## ۲۸

خدا خیر کرے آج صبح ہی صبح خواجہ صاحب کی زیارت ہوئی خلافِ معمول آج خدا جانے حضرت کیونکر غریب خانہ تک رینگ آئے۔ ہم ابھی بستر ہی پر ورانہ اخبار پڑھ رہے تھے کہ آپ نے "السلام علیکم" کا وہ زبردست نعرہ بلند کیا ہے کہ اخبار ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"وعلیکم السلام۔ یہ آج ادھر کا رُخ کیونکر ہو گیا؟"

خواجہ صاحب نے کرسی گھسیٹ کر اپنے کو اس پر گراتے ہوئے فرمایا "کوئی خاص خبر؟"

ہم نے بیٹھتے ہوئے کہا "اس سے بڑھ کر اور خبر کیا ہو گی کہ جناب کا نزولِ اجلال ہوا ہے"

خواجہ صاحب نے فرمایا "صبح چہل قدمی کے لئے روز نکلا کرتا ہوں آج اسی طرف چلا آیا"

ہم نے کہا "خیر محض یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کوئی نہایت ہی اہم بات ہو گی اور اب آپ رفتہ رفتہ ٹپکنا شروع ہوں گے عادت جو ٹھہری ہمیشہ کی۔ سمجھ میں نہیں

آنا کہ یہ حماقتوں میں سے کونسی حماقت ہے۔ ارے بھئی اگر تم ایک دم سے بتا دو گے کہ کیوں آئے ہو کیا کام ہے۔ تو کوئی تمہارا چالان تو کرنہیں دیگا۔"

خواجہ صاحب نے سگریٹ کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا "کوئی ایسی خاص بات تو خیر ہے نہیں۔"

ہم نے کہا "یہاں خاص اور عام کا سوال نہیں دوسرے آپ کیا جانیں کہ کونسی بات خاص ہوتی ہے اور کونسی عام اگر اتنی ہی تمیز ہوتی جناب میں تو رونا کس بات کا تھا۔"

خواجہ صاحب نے ایک لمبا سا کش لیتے ہوئے فرمایا "عجیب سگریٹ آنے لگے ہیں صاحب وہی نام وہی مارکہ وہی ڈبہ وہی لیبل مگر چیز وہ نہیں ہوتی۔"

ہم نے جل کر کہا "خدا سمجھے تم سے خواجہ۔ یعنی پھر بات ٹال دی۔ للہ پہلے وہ بات بتا دو جو تم کو یہاں تک کھینچ لائی ہے۔"

خواجہ صاحب نے نہایت بے پروائی سے کہا "بات وات کچھ نہیں۔ وہ آئے تھے رات ڈاکٹر اشرف۔ تم کو بے حد یاد کر رہے تھے۔ ان کی بہن نے ان کو کوئی خط لکھا ہے اسی سلسلہ میں کچھ مجھ سے تبادلۂ خیال کیا اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ میں تو صاف آدمی ہوں اور میرے نزدیک ساجد بھی صاف آدمی ہیں صفائی کی گفتگو پسند کریں گے اگر وہ اس وقت موجود ہوتے تو میں خود ان سے بات کر لیتا۔"

ہم نے کہا "تم سے تبادلۂ خیال جو کیا ہوگا تو یقیناً تم کو تفصیلات بھی بتائی

ہوں گی اور خط کا مضمون بھی"

خواجہ صاحب نے بڑے استغنا سے فرمایا "ہاں ہاں خط بھی سنایا تھا اور تفصیلی گفتگو بھی کی تھی"

ہم نے اُلجھ کر کہا "دیکھو خواجہ۔ اب ضبط کرنے کی حد ہو چکی ہے آخر اس صبر آزمائی سے کیا فائدہ"

خواجہ صاحب نے فرمایا "ارے بھئی سب کچھ تو بتا رہا ہوں۔ بات بات کے طریقے سے کی جاتی ہے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں ایک دم گھول کر تم کو پلا دوں تمام باتیں۔ ڈاکٹر صاحب کی بہن نے نہایت طویل خط لکھا تھا اور اس خط میں ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کی گئی تھی کہ اب جب کہ وہ خدا کے فضل سے ڈاکٹر ہو کر برسر روزگار بھی ہو چکے ہیں ان کو اپنا گھر بسانے کی فکر کرنا چاہیئے۔ اس ذکر کے بعد تمہاری ہمشیرہ عزیزہ سلمیٰ کا ذکر تھا وہ ایسی ہیں۔ یہ تعلیمی حالت ہے یہ عادات ہیں یہ حُلیہ ہے اور آخر میں لکھا تھا کہ اگر آپ کو میرے انتخاب پر بھروسہ ہو سکتا ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ میں اپنی بھابی جان کا انتخاب کر چکی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے خط سنانے کے بعد کہا کہ ریحانہ کا انتخاب دراصل میرا انتخاب ہے وہ مجھ کو جتنا سمجھتی ہے اتنا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اس کو معلوم ہے کہ بیوی کے سلسلہ میں میرا معیار کیا ہے اور اسی معیار پر اُس نے سلمیٰ کو پرکھا ہو گا۔ دوسرے اتنا اندازہ میں بھی کر سکتا ہوں کہ ساجدہ کی بہن کیسی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ شاید تم نے سلمیٰ کا

کوئی خط ڈاکٹر کو کبھی دکھایا تھا اس کی بے حد تعریف کر رہے تھے۔ مختصر یہ کہ اس تمام گفتگو کے بعد مجھ سے کہا کہ میں تمہارا خیال معلوم کروں۔ تو اب تم کیا کہتے ہو؟"

ہم نے کہا "سبحان اللہ کیا قصہ کوتاہ فرمایا ہے جناب نے اور پھر تقاضا یہ کہ تم کیا کہتے ہو؟"

خواجہ صاحب نے حیران ہو کر کہا "یعنی اتنی تفصیل کے بعد بھی قصہ گویا کوتاہ ہی رہا۔ اس سے زیادہ تفصیل تو خود مجھ کو نہیں معلوم۔ صاف بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کو تم اچھی طرح جانتے ہو وہ نہایت معقول آدمی ہے ——"

ہم نے بات کاٹ کر کہا "خیر ڈاکٹر سے تعارف کرانے کی زحمت نہ فرمایئے میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ سلمیٰ سے واقف نہیں ہیں؟"

خواجہ صاحب نے حیرت سے کہا "کیا مطلب؟ یعنی وہ کیونکر واقف ہو سکتے ہیں؟"

ہم نے کہا "نہ ان کو سلمیٰ کے متعلق کوئی ذاتی معلومات ہے نہ سلمیٰ کو کبھی دیکھا نہ سلمیٰ نے ان کو کبھی دیکھا۔"

خواجہ صاحب نے اور بھی تعجب سے کہا "یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ارے بھئی پردہ نشین خاندانوں میں دیکھنے سننے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ بجیا نے سلمیٰ کو پسند کیا ہے۔ خود ڈاکٹر نے سلمیٰ کا کوئی خط جو

تم نے ان کو دکھایا تھا پڑھا ہے اور پڑھ کر اس کا ایسا اثر لیا ہے کہ اب تک ان کے دل پر نقش ہے۔"

ہم نے کہا "بس زندگی بھر کے ساتھ کے لئے اتنی ہی باتیں کافی ہیں۔"

خواجہ صاحب نے کہا "جناب والا میرا اور میری بیوی کا جو زندگی کا ساتھ ہوا ہے اس میں تو اتنی باتیں بھی پیدا نہ ہوئی تھیں خالص جوا کھیلا گیا تھا۔ اور ہم لوگوں میں شادیاں ہوتی ہی اس طرح ہیں۔"

ہم نے کہا "تو میں آپ سے اس سلسلہ میں بحث نہ کر سکوں گا۔ البتہ اتنا بتائے دیتا ہوں کہ میں خود ڈاکٹر کو بے حد پسند کرتا ہوں اور سلمیٰ کے لئے اس سے بہتر نسبت میرے نزدیک اور کوئی نہیں ہو سکتی مگر میں سلمیٰ کا ولی نہیں ہوں والدین کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا اور کسی ذریعہ سے سلمیٰ کا خیال معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

خواجہ صاحب نے اچھل کر کہا "سلمیٰ کا خیال؟ پاگل تو نہیں ہو۔ اماں لڑکیوں کا خیال معلوم کرنے کی کوشش کرو گے۔ بڑے انگریز کی دم بنے ہو۔"

ہم نے خواجہ صاحب کو چھیڑنے ہی کے لئے یہ کہا تھا ورنہ سلمیٰ کا خیال ہم کو خود معلوم تھا اس روز جو گفتگو ہم سن چکے تھے اس کے بعد اب کسی پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہ تھی مگر اس میں شک نہیں کہ ہم تو ڈاکٹر سے اس معاملہ میں صاف گفتگو کرنا چاہتے تھے اور ان کو بتا دینا چاہتے تھے کہ اول تو سلمیٰ ایک نہایت

متوسط گھرانے کی لڑکی ہے دوسرے اس کی تعلیم ہر چند کہ کم نہیں مگر اتنی بھی نہیں ہے کہ ڈاکٹر اس کو سوسائٹی کے لئے طرّہ امتیاز سمجھیں جس طرح آجکل کے شوہر بیوی کا حسن بیوی کی تعلیم اور بیوی کی ذہانت اپنے لئے نہیں بلکہ سوسائٹی کے لئے چاہتے ہیں کہ سوسائٹی میں بیوی کے ساتھ داخل ہو کر وہ شرمندہ نہ ہوں بلکہ فخر کر سکیں سلمیٰ کو سوسائٹی میں نقل و حرکت کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے وہ گھر کے لئے خلیق اچھی بیوی بن سکتی ہے ممکن ہے کہ سوسائٹی کے لئے اتنی ہی بیکار ثابت ہو حالانکہ وہ خدا کے فضل سے ذہین ہے اور بہت جلد شوہر کا مطالعہ کر کے اس کی مرضی میں اپنے کو ڈھال لینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے مگر ذاتی طور پر وہ ایک خالص مشرقی لڑکی ہے پردے کی پابند خدا اور رسولؐ کو پہچاننے والی۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے فضل سے نئی روشنی کے آدمی ہیں ممکن ہے کہ ایسی بیوی کو پسند نہ کریں اور کیا عجب ہے کہ طبائع کا یہی اختلاف ازدواجی مسرّتوں کو پامال کر کے رکھدے۔

ہم کو غور و فکر میں مبتلا دیکھ کر خواجہ صاحب نے فرمایا "یعنی آپ نے ابھی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ یہ کام میرے جانے کے بعد کرنا فی الحال تو صرف یہ بتا دو کہ میں ڈاکٹر سے کیا کہدوں"

ہم نے کہا "ڈاکٹر سے صرف یہ کہدینا کہ میں اس سلسلہ میں ان سے گفتگو کرونگا بلکہ کل شام کو اپنے یہاں ان کو بلا لو میں پہنچ جاؤنگا"

خواجہ صاحب نے فرمایا "تم کو محبوب صاحب سے چھٹی بھی مل جائے گی"

ہم نے کہا ''یار سنو میں نے محبوب صاحب کا نام محبوب صاحب لکھا ہے''

خواجہ صاحب نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے فرمایا ''بہت ہی برمحل نہایت لاجواب۔ ڈاکٹر سنکر بھی داد دیں گے۔ آجکل آمدنی کا کیا حال ہے''

ہم نے کہا ''کل ہی پانچہزار کا حصّہ وصول کیا ہے۔ جو درج رجسٹر ہو چکا ہے۔ مگر صاحب جواب نہیں ہے اس شخص کا''

خواجہ صاحب نے اس پانچہزار کی پوری تفصیل کہ یہ کہ ہم سے سُنی اور ان کو یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ رجسٹر کے اندراجات سب نہایت باقاعدہ تھے۔ یہ رقم بھی محبوب صاحب نے ایک پرچہ کے ساتھ بھیجی تھی لہذا پرچہ بھی فائل میں شامل تھا۔ دیر تک محبوب صاحب کے متعلق گفتگو ہوتی رہی کہ اتنے میں اندر سے بغیر مانگے ہم دونوں کے لئے چاء آ گئی۔ چاء سے فارغ ہو کر خواجہ صاحب تشریف لے گئے اور ہم ضروریات سے فارغ ہونے کمرے میں آ گئے۔

## ۲۹

ولایت سے واپس آنے والوں کا دماغ خراب کرنے میں خود ہندوستانی اعزہ کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ ہندوستانی تو خیر وہ خود بھی ہوتے ہیں محض چند سال ولایت میں رہنے سے وہ ولائتی نہیں بن جاتے مگر اس کا کیا علاج کہ خود ان کے عزیز اپنے کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے ان کو خدا جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر یہ کہ ہر ولایت جانے والا عالی ظرف بھی نہیں ہوتا کہ اس چند روزہ مقامی تبدیلی کا وہ اثر قبول نہ کرے جس سے قومیت۔ مزاج اور حد یہ ہے کہ شجرۂ نسب تک بدلا ہوا نظر آئے۔ بہت ہی کم سمجھدار طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو ولایت جا کر بھی اپنی اصلیّت پر نازاں رہتے ہیں اپنے ہندوستانی ہونے پر ولایت میں بھی فخر کرتے ہیں اور واپس آکر بھی ہندوستانی ہی رہتے ہیں ورنہ اکثریت اُن لوگوں کی ہوتی ہے جن میں کچھ نہ کچھ تبدیلی یہ سفر ضرور پیدا کر دیتا ہے گویا وہ ولایت اسی لئے جاتے ہیں کہ ہندوستان ان کی نظروں سے گر جائے چنانچہ وہ کسی نہ کسی رنگ میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کی تحقیر کرتے ہوئے واپس آتے ہیں اور اپنا ہندوستانی ہونا خدا جانے کیونکر بھول جاتے ہیں۔

خیر یہ تو ایک عجیب بحث چھڑ گئی مطلب صرف یہ تھا کہ آجکل شیخ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ شکیل کی واپسی کے جو انتظامات فرما رہی تھیں شاید وہ انتظامات کوئی والئے ریاست وائسرائے کی آمد کے سلسلہ میں بھی نہ کرتا ہوگا۔ واقعی یہ معلوم ہوتا تھا کہ شکیل نجیب الطرفین انگریز بن کر ولایت سے واپس آرہے ہیں بنارسی باغ والی کوٹھی دُلھن کی طرح سجادی گئی تھی اور ہر سجاوٹ میں خالص مغربی مذاق سے کام لیا گیا تھا۔ خانساماں اور بیرا ملازم رکھے جا چکے تھے۔ ان کے لئے پگڑیاں اور پگڑیوں کے لئے "ایس" تک بن چکا تھا۔ کوٹھی کے لئے برتن تک علیحدہ خریدے جا چکے تھے۔ کئی ڈنر سٹ اور متعدد ٹی سٹ وغیرہ۔ آخر جب کوٹھی کو ہر اعتبار سے بالکل مکمل کیا جا چکا تو بیگم صاحبہ نے حکم دیا کہ اب یہ کوٹھی ساجد میاں کو لے جا کر دکھاؤ کہ کسی چیز کی کوئی کمی تو نہیں ہے لہٰذا طے یہ ہوا کہ شیخ صاحب اور بیگم صاحبہ بھی ہمارے ساتھ کوٹھی کا معائنہ کرنے جائیں گی۔ موٹر پر اندر یہ دونوں میاں بیوی اور شوفر کے برابر ہم بیٹھ کر کوٹھی جا پہنچے اور قبل اس کے کہ ہم کار سے اُتریں شیخ صاحب ایک جست کر کے سامنے آگئے۔ اس لئے کہ اپنی کارگذاری کا سِکّہ جو بٹھانا تھا۔ چاروں طرف ہاتھ نچا کر بولے:۔

"کیوں بھئی کیا رائے ہے۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہی کچھ محسوس ہوتا ہے کہ کسی باقاعدہ انگریزی وضع کی کوٹھی میں آئے ہو۔ یہ دیکھو یہاں پر بیرا بیٹھا کرےگا تاکہ ہر آنے والے کی اطلاع صاحب کو دے سکے۔ یہ چاندی کی طشتری ہے وزٹنگ کارڈس کے لئے۔

اور فرض کرلو۔ یعنی بفرضِ محال۔ گویا مان لو کہ کسی وقت بیرا نہیں ہے صاحب نے بلا لیا ہے یا پانی پینے چلا گیا ہے یا پچاس ضرورتیں ہوسکتی ہیں کہ وہ یہاں موجود نہ ہو تو یہ بٹن لگا ہوا ہے آنے والا اس کو دبا کر اپنی آمد کی اطلاع گھنٹی کے ذریعہ کرسکتا ہے، یہاں بید کے روغنی مونڈھے وغیرہ اسی لئے ڈلوا دیئے ہیں کہ آنے والا بیٹھ سکے۔ یہ ہینگر ہے اس پر ٹوپی۔ اور کوٹ اور برساتی وغیرہ ٹانگی جاسکتی ہے"

بیگم صاحبہ نے برقعہ کے اندر ہی سے فرمایا "توبہ ہے تم تو اس طرح ایک ایک چیز سمجھا رہے ہو جیسے تاریخی عمارتوں کی سیر کرانے والے وہ لوگ جو ہوتے ہیں کیا کہتے ہیں ان کو"

ہم نے ہنس کر کہا "گائڈ۔ بہت اچھی بات کہی آپ نے"

شیخ صاحب نے اپنی دُھن میں بکتے ہوئے کہا "خیر۔ خیر۔ اب یہ دیکھو اسی برآمدے میں ایک طرف تو ہے منشی کا کمرہ اور دوسری طرف خود صاحب کا دفتر پہلے صاحب کا کمرہ دیکھ لو"

ہم شیخ صاحب کے ساتھ صاحب کے کمرے میں جو گئے تو آنکھیں کھل گئیں نہایت عمدہ ایرانی قالین پر قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا بالکل جدید فیشن کی آفس ٹیبل۔ گھومنے والی کرسی۔ تین چار سادہ کرسیاں۔ کتابوں کی الماری۔ میز کا تمام سامان نہایت اعلیٰ درجہ کا کلاک سے لے کر کلنڈر تک تمام معمولی معمولی چیزیں موجود۔ اسی کمرے سے ملا ہوا غسل خانہ جو اس کمرے اور اندر کے ایک بڈروم سے ملا ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ

اسی طرح شیخ صاحب ایک ایک کمرہ دکھاتے ہوئے اور اپنے حسنِ انتظام کے سلسلہ میں داد وصول کرتے ہوئے کھانے کے کمرے تک جا پہنچے۔ یہ کمرہ بھی خوب تھا نہایت فیشن ایبل میز اور کرسیاں۔ سائڈ بورڈ نہایت لاجواب اور سائڈ بورڈ میں نہایت قیمتی برتن چنے ہوئے۔ شیخ صاحب نے اس کمرے میں پہنچکر فرمایا:۔

"صاحب اس برقعہ کے مارے ناک میں دم ہے اب بتائیے کہ برقعہ کے اندر جناب ماحضر کیونکر تناول فرمائیں گی"

ہم نے کہا "ماحضر؟ یعنی ———"

شیخ صاحب نے فرمایا "ماحضر کے معنی وہی ہیں جو ہوا کرتے ہیں اور تناول بھی اسی طرح ہوگا جس طرح ماحضر تناول کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ معائنہ ادھورا رہ جاتا اگر آپ لوگوں کو یہ اندازہ نہ کرایا جاتا کہ خانساماں جو ملازم رکھا گیا ہے وہ کھانا کیسا پکاتا ہے اور بوائے وغیرہ جو رکھے گئے ہیں وہ کس طرح کام کر سکتے ہیں آج تو گویا میں نے ڈریس ریہرسل کرایا ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا "خیر کھانے کے سلسلہ میں ہم لوگ اندازہ کر لیں گے میں خوب سمجھتی ہوں تمہاری چالاکیوں کو مطلب یہ ہے کہ اسی بہانے سے ذرا چٹورپن ہو جائے گا۔ تو اس ارادہ کو میں پورا نہ ہونے دوں گی معلوم ہے کہ کل ہی ڈاکٹر صاحب نے پیشاب کا امتحان کر کے مجھ کو ڈانٹا ہے کہ آپ پرہیز نہیں کراسکتیں تو علاج بیکار کر رہی ہیں"

شیخ صاحب نے کہا "اب میں کیا عرض کروں۔ میرا ایسا پرہیز اگر جناب ڈاکٹر صاحب خود فرماتے تو قدر و عافیت معلوم ہوتی۔ دوسرے میں تو جناب اس بات کا قائل ہو چکا ہوں کہ یہ پرہیز اور بدپرہیزی سب اعتبارات ہیں جس کی جتنی عمر ہے وہ ہر حال میں پوری ہوتی ہے پرہیز کرنے سے کسی کی عمر بڑھ نہیں سکتی اور بدپرہیزی سے کسی کی عمر کم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر مجھ سے اس سلسلہ میں بحث کرو گی تو میں یہاں تک ثابت کر سکتا ہوں کہ پرہیز کرنا دراصل کفر نہیں تو شرک ضرور ہے۔"

بیگم صاحبہ نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ہائے میرے اللہ۔ لو وہاں مولانا صاحب فتوے بھی دینے لگے اس میں کفر اور شرک میں نے آج ہی سنا ہے۔"

شیخ صاحب نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا "یوں نہیں بلکہ استدلال موجود ہیں۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ پرہیز کرنا دراصل ذاتِ باری تعالیٰ کے خلاف ایک قسم کا اظہار عدم اعتماد ہے۔"

بیگم صاحبہ نے جلدی سے کہا "توبہ کرو۔ اے میں کہتی ہوں توبہ کرو۔ لو اور سنو اب بیچارے خدا تک پہنچنے لگے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "خدا ہر ایک کو خدا رسیدہ کرے۔ مگر ذرا عقل سے کام لیکر اور سمجھ بوجھ کے ساتھ غور کرو کہ خداوند تعالیٰ مردے کو زندہ کر سکتا ہے خواہ مردہ کیسی ہی بدپرہیزی کر کے کیوں نہ مرا ہو۔ وہ اپنے ایک اشارے سے بڑے سے

بڑے پرہیز کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے اور بڑے سے بڑے بد پرہیز کو صحت عطا کر سکتا ہے پرہیز کرنے کے معنی یہ ہیں گویا ہم کو خدا پر بھروسہ نہیں رہا ہے اور پرہیز پر بھروسہ ہے ــــــ"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے میں نے کہا سنتے ہو کہ تمہیں نہ یہاں خدا کا ذکر ہے نہ رسولؐ کا اگر تم چاہو کہ باتیں بنا کر بد پرہیزی شروع کر دو تو یہ ہونے سے رہا۔ واہ!"

ہم نے ہنس کر کہا "آخر کھانے میں ایسی کونسی چیز ہے جس کے لئے آپ شرعی جواز بھی ڈھونڈھ رہے ہیں اور پرہیز کو مذہباً ناجائز قرار دے رہے ہیں"۔

شیخ صاحب نے فرمایا "صاحب ایسی چیزیں ہیں جن سے پرہیز کرنا کفرانِ نعمت کا درجہ رکھتا ہے مثلاً پڈنگ۔ مرغ پلاؤ۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہرگز کھانے نہ دوں گی چاول، چاہے تم دس پانچ مولویوں کے فتوے ہی کیوں نہ لے آؤ"۔

شیخ صاحب نے جل کر کہا "پھر وہی۔ اے صاحب کھا کون رہا ہے۔ میں تو صرف خانساماں کا اندازہ کرنے کیلئے ذرا چکھ لونگا۔ لیجئے وہ آگیا کھانا۔ ٹھیک کرو بھئی میز جلدی"۔

ملازموں نے نہایت قاعدے کے ساتھ میز چُن دی اور انگریزی طریقہ پر سروس شروع کر دی گئی کھانے کا جو مینو لگایا گیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ مچھلی۔ پھر مُرغے اور ترکاریاں۔ اس کے بعد مُرغ پلاؤ اور آخر میں پڈنگ کا انتظام تھا۔ مچھلی اور مرغ

تک تو خیریت رہی مگر ترکاریوں کے سلسلہ میں بیگم صاحبہ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ فرمائی۔ اور مُرغ پلاؤ کی سروس کے وقت تو مارشل لا کی سی کیفیت تھی آخر سمجھوتہ یہ ہوسکا کہ شیخ صاحب پلاؤ نہ کھائیں البتہ تھوڑی سی پڈنگ چکھ سکتے ہیں حالانکہ شیخ صاحب پڈنگ کے سلسلہ میں چکھنے کو خلافِ محاورہ بھی قرار دے رہے تھے اور غیر مانوس بھی مگر بیگم صاحبہ نے واقعی ان کو پانچ چمچوں سے زیادہ پڈنگ بھی کھانے نہ دی۔ بیگم صاحبہ کو تو یہ انگریزی کھانے پسند آئے نہیں لبسا ہندے اور بے آب و نمک مگر کُک نے ہر چیز اچھی تیار کی تھی اور سروس بھی ڈھنگ کی تھی۔ کوٹھی کے تمام انتظامات سے مطمئن ہو کر شیخ صاحب واپس تشریف لے آئے۔ اور ان کے ساتھ ہم دونوں بھی، آج بیگم صاحبہ کا پردہ کچھ اس طرح رہا گویا۔ ع۔

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

یا یہ کہیئے کہ۔ ع۔

نظارے کا نظارہ رو پوشی کی روپوشی

ہم دفتر سے اُٹھنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ محبوب صاحب کا ملازم یہ پرچہ لے کر آیا کہ دفتر سے سیدھے مجھ سے آ کر ملو نہایت ضروری کام ہے چنانچہ ہم دفتر سے سیدھے محبوب صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان کو اپنے لئے سراپا انتظار پایا۔ ہم کو دیکھتے ہی بولے :-

"جناب والا آج آپکے لئے شدید امتحان درپیش ہے اور آج ہی مجھ کو یہ اندازہ کرنا ہے کہ آپکے دل میں اس خاکسار کے لئے کتنی جگہ ہے"۔

ہم نے بیٹھتے ہوئے کہا "اس امتحان کے لئے میں اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہاتھ مُنہ دھو کر چاء نہ پی لوں آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں دفتر سے براہِ راست آ رہا ہوں"۔

محبوب صاحب نے ہنس کر کہا "چاء کے لئے پہلے ہی کہہ چکا ہوں اندر رہ گیا ہاتھ مُنہ دھونا اس کے لئے غسل خانہ موجود ہے مگر یہ سمجھ لیجئے کہ ان باتوں میں نہ تو امتحان ٹل سکتا ہے نہ اس بے تکلّفی کے اظہار سے میں اتنا خوش ہو سکتا ہوں کہ آپ کی یگانگت کا قائل ہو جاؤں۔ بہرحال آپ تازہ ہو لیں جلدی سے"۔

ہم نے شیروانی اتار کر غسل خانہ کا رُخ کیا مگر دماغ مسلسل اسی غور و فکر میں تھا کہ خدا ہی خبر کرے معلوم نہیں اس کمبخت نے ہمارے لئے کیا امتحان تجویز کر رکھا ہے جس عالم سے ان حضرت کے ساتھ آجکل گذر رہے تھے وہ بجائے خود ایک امتحان تھا اُس پر طرّہ یہ نئے امتحان کی دھمکی مگر اب تو پھنسے ہی تھے جو کچھ بھی گذرے اس کو برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ ہاتھ مُنہ دھو کر غسل خانہ سے برآمد ہوئے تو چاء تیار تھی۔ سہ پہر کا ہلکا ناشتہ بھی ساتھ تھا۔ ہم اس وقت ذرا تفصیل کے ساتھ چاء پینے کے عادی تھے لہذا اس چاء کو بھی خوب خوب وصول کیا اور جب چائے سے فارغ ہو چکے تو محبوب صاحب نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا :-

"مرزا معصوم علی صاحب سے آپ واقف تو خیر اچھی طرح ہیں مگر آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اختر زمان ان کی دامادی میں آنے کے لئے اس قدر بے قرار کیوں ہیں۔ حالانکہ ان کو اچھے سے اچھے گھرانے کی بہتر سے بہتر لڑکی مل سکتی ہے مگر وہ کسی جگہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتے اور شاکرہ یعنی مرزا صاحب کی صاحبزادی نے ان کو مجنوں بنا رکھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟"

ہم نے عرض کیا "مجھے تو صرف وہ باتیں معلوم ہو سکتی ہیں جو مرشد سے معلوم ہوں !"

محبوب صاحب نے فرمایا "خیر مذاق کی بات نہیں۔ آج میں آپ کو پورا قصّہ سنائے دیتا ہوں۔ قصّہ اصل میں یہ ہوا کہ صنعتی نمائش کے سلسلہ میں اختر زمان صاحب

نے اس لڑکی کو کہیں نمائش میں دیکھ لیا۔ ہر چند کہ وہ پردہ کرتی ہے اور نمائش دیکھنے بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ برقعہ ہی میں گئی تھی مگر نمائش میں جا کر برقعے کچھ نمائشی سے ہو جایا کرتے ہیں خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو اس قسم کے موقعوں پر نمائش یا دوسرے کھیل تماشے دیکھنے نہیں جاتے بلکہ دیکھنے والیوں کو دیکھنے جاتے ہیں۔ بہر حال اختر زمان صاحب نے ایک برقعہ سے ایک چاند طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور بس اپنے حواس کھو بیٹھے۔ پتہ چلایا کہ یہ صاحبزادی مرزا معصوم علی صاحب کی دختر نیک اختر ہیں اختر زمان صاحب کا خیال یہ ہے کہ ان کی نظر سے حسن کا ایسا جامع نمونہ کبھی نہیں گذرا۔ کسی وقت آپ ان کی زبان سے اس لڑکی کا سراپا سُنیئے۔ جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ معلوم ہوا ہے کہ لڑکی بے حد نیک۔ پڑھی لکھی۔ سلیقہ شعار اور ہر اعتبار سے جواہرات میں تولنے کے قابل ہے "۔

ہم مُنہ اُٹھائے ہوئے یہ بیان سُن رہے تھے اور اب تک کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ آخر مرشد کا مطلب کیا ہے وہ حضرت ایک سانس میں لڑکی کے محاسن بیان کرنے کے بعد مرزا صاحب کی خاندانی شرافت، پھر ان کی جائداد اور آخر میں ان کی ذاتی معقولیت تک کا تذکرہ کر گئے اور پھر ایک معمولی وقفہ کے بعد بولے "اب بتاؤ کیا رائے ہے؟"

ہم نے حیران ہو کر کہا " واقعات اور حالات تو خیر سب سُن لئے مگر یہ

سمجھ میں نہ آیا کہ رائے کس سلسلہ میں طلب کی جا رہی ہے"۔

محبوب صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا "خدا کی قسم تم بیوقوفی میں ایم۔ اے ہو۔ ارے بھائی میرا مطلب یہ ہے کہ ایسے گوہر آبدار کو میں آخر اختر زمان کے حوالے کیوں کر دوں جب کہ مجھ کو معلوم ہے کہ تمہاری بھی اب تک شادی نہیں ہوئی ہے"۔

پیروں تلے کی زمین نکل گئی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بمشکل تمام حواس درست کر کے عرض کیا "اور اختر زمان کو گویا آپ اپنے فائدے اٹھانے کے بعد مایوس کر دیں گے"۔

محبوب صاحب نے کہا "پھر وہی حماقت۔ یار کبھی تو عقل کی بات کیا کرو۔ اختر زمان کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں ہے تمہارے ساتھ اگر یہ نسبت طے نہ بھی ہوئی تو بھی کسی اور کے ساتھ طے ہو گی مگر اختر زمان کے ساتھ کیوں کر ہو سکتی ہے"۔

ہم نے کہا "صاحب آپ مجھ کو بیوقوف کہیں یا کچھ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب خود اختر زمان اس قدر مُصر ہیں اور دوسری طرف مرزا صاحب بھی تیار بیٹھے ہیں۔ خود آپ دونوں سے وعدہ کر چکے ہیں کہ یہ نسبت ضرور طے کرا دیں گے بلکہ اسی سلسلہ میں اختر زمان ہزاروں روپیہ پر پانی پھیر چکے ہیں۔ تو پھر اب نسبت نہ ہو سکنے کی کیا وجہ ہے"۔

محبوب صاحب نے نہایت استادانہ انداز سے مسکرا کر اور ہم کو شفقت سے دیکھتے ہوئے کہا "میاں صاحبزادے بہت مشکل ہے ان نشیب و فراز کو سمجھنا - یہ در اصل شطرنج ہے اس میں ایک ایک چال کا خیال رکھنا پڑتا ہے ذرا چوکے اور مات کھائی - مگر میں ایسا اناڑی نہیں ہوں کہ یہ پیدل مات کھا جاؤں - میری تو انتہائی کوشش یہ ہو گی کہ خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ نسبت نہ ہو سکے اس لئے کہ اگر یہ نسبت طے ہو گئی تو وہ تمام بھید کھل جائیں گے جو آمدنی کا ذریعہ بنے رہے ہیں مرزا معصوم علی اور اختر زمان اگر ایک ہو گئے تو ایک دوسرے کے حالات سے بھی واقف ہو جائیں گے اور ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ بیچ میں کتنا روپیہ کس کس بہانہ سے کھایا گیا ہے - ایسا جناب کی عقل میں یہ راز "

ہم نے اب معاملہ کی گہرائی تک پہنچتے ہوئے کہا "بڑی دُور کی کوڑی لائے ہیں مرشد "

محبوب صاحب نے ڈانٹ کر کہا "دُور کی کچھ بھی نہیں یہ تو بالکل موٹی سی بات تھی صرف جناب کی عقل کا پھیر تھا ارے بندۂ خدا یہ تو سوچا ہوتا کہ اپنا سارا بھرم جھوٹ پر قائم ہے اگر وہ جھوٹ ہی کھل گیا تو باقی کیا رہ گیا - بہر حال اس میں شک نہیں کہ لڑکی ہے نہایت قیمتی اور تمہارے ساتھ آج نسبت ہو سکتی ہے - میں چاہتا ہوں کہ میاں شکیل کی واپسی سے پہلے ہی یہ معاملہ کسی

طرح طے ہو جائے اس لئے کہ ان حضرت کے آجانے کے بعد میں دوسری فکروں میں مبتلا ہو جاؤنگا اور پھر شاید مجھ کو اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملے۔"

ہم جلدی میں صرف یہ کہہ سکے کہ "موقع تو واقعی بہت اچھا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ میرے خاندان میں خاندان کے باہر شادی نہیں ہوتی ــــ"

محبوب صاحب نے تیوریوں پر بل ڈال کر ڈانٹا "پھر وہی جہالت اور بیوقوفی۔ یہ سب پرانے زمانے کے ڈھکوسلے ہیں اب نہ کوئی خاندان دیکھتا ہے، نہ ان چوچلوں کا یہ زمانہ ہے۔"

ہم نے کہا "تو میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ میں ان چوچلوں پر عمل کرونگا مگر ذرا مجھ کو غور کرنے کا موقع دیجئے طے صرف یہ کرنا ہے کہ والد صاحب کو کیا پٹی پڑھاؤں اور ان کو کس طرح راضی کروں کہ وہ مرزا صاحب سے سمدھیانہ قائم کرنے پر تیار ہو جائیں ہیں اس سلسلہ میں آپ کو کل جواب دوں گا۔"

محبوب صاحب نے فرمایا "خیر آپ کل جواب دیں یا پرسوں مگر میں تو آج ہی مرزا معصوم علی صاحب سے یہ ذکر چھیڑے دیتا ہوں ان کو بھی تو راضی کرنا ہے۔"

ہم نے کہا "ان کو راضی کرنا آپکے لئے کونسا مشکل ہے اُس گھر میں تو آپ ہی کے نام کا سکہ چلتا ہے۔"

محبوب صاحب نے فرمایا "جب تم پر قابو نہ چل سکا اور تم کو غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو مرزا صاحب تو پھر بھی غیر ہیں مگر خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ میری بات سے انکار نہیں کر سکتے ۔ دراصل مجھ کو خود اس معاملہ میں ذرا جلدی ہے اندیشہ یہ ہے کہ اختر زمان کسی اور ذریعہ سے کوشش شروع نہ کر دے۔ خیر اسکی اتنی روک تھام تو میں نے کر دی ہے کہ مرزا صاحب کو کل ہی یہ اطلاع دے دی ہے کہ اختر زمان کا خیال چھوڑ دیں ان حضرت کے منہ کو شراب لگ چکی ہے اور اب وہ ہرگز اس قابل نہیں رہے ہیں کہ شاکرہ کے سلسلہ میں ان کا خیال بھی ذہن میں لایا جائے۔ مرزا صاحب کے لئے بس اسی قدر کافی تھا شراب کا نام سنتے ہی کانوں پہ ہاتھ رکھ کر وہ زور کا استغفراللہ کہا ہے کہ اب اختر زمان کا خیال مدتوں ان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ یہ اندیشہ ہی باقی نہ رہے اور لڑکی بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے تمہارا دوست ہوں اس لئے تم کو نیک مشورہ دیتا ہوں کہ زندگی سنوارنا چاہو تو اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دو"

ہم بمشکل تمام دوسرے دن قطعی جواب دینے کا وعدہ کر کے چلے آئے حالانکہ دل کہہ رہا تھا کہ برے پھنسے ہو استاد اب ۔

## ۳۱

اس کمبخت محبوب نے واقعی ہمارے واسطے عجیب مصیبت کھڑی کر دی تھی۔ خیر انکار تو کرنا ہی تھا مگر سوال یہ تھا کہ انکار کس طرح کیا جائے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے محبوب بھی خفا نہ ہو اور یہ مصیبت بھی ٹل جائے۔ اس معمہ کو ایک اکیلا دماغ آخر حل نہ کر سکا لہٰذا خواجہ صاحب کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچے اور ان کو تمام حالات بتا کر مشورہ طلب کیا کہ اب بتایئے کیا کیا جائے۔ خواجہ صاحب کے متعلق تو ہم کو معلوم ہی تھا کہ وہ نہایت حماقت کا مشورہ دیں گے چنانچہ تمام حالات سن کر نہایت سادگی کے ساتھ فرمایا:۔

"شادی تو خیر تم کو کرنا ہی ہے۔ اگر واقعی لڑکی اچھی ہے تو کیا مضائقہ ہے"!

ڈاکٹر نے کہا "خواجہ صاحب غالباً آپ کسی بات کو دماغ تک لے جانے کی زحمت ہی نہیں فرماتے کانوں سے بات سنی اور زبان سے فیصلہ کر دیا دماغ کو خبر بھی نہ ہونے دی"

خواجہ صاحب نے فرمایا "دماغ کا ان باتوں سے کیا تعلق۔ ارے بھئی یہ کنوارے

ہیں۔ کہو ہاں۔ وہ لڑکی حسین ہے سلیقہ شعار ہے۔ پڑھی لکھی ہے اور ایسی ہے، کہ ایک لکھ پتی اُس پر بُری طرح مٹا ہؤا ہے۔ کہو ہاں۔ شادی اُس کی بھی ہونا ہے اور اِن کی بھی۔ پھر اگر یہ شادی ہو جائے تو کیا بُری بات ہے۔ بالکل صاف سی بات ہے بلا وجہ اس میں دماغ کو لڑانے کی کیا ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" دماغ کو لڑانے کی ضرورت ہی اگر آپ سمجھ سکتے تو پھر بات ہی کیا تھی۔ قبلۂ عالم یہ زندگی بھر کے ساتھ کا سوال ہے محض حسن سلیقہ شعاری اور تعلیم ہی سے ایک لڑکی اس قابل نہیں ہو جاتی کہ ایک لڑکا آنکھ بند کر کے اس کو قبول کر لے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا۔" اور نہیں تو کیا دو سینگ بھی اس کے ہونا چاہئیں۔"

ہم نے کہا۔" یار تم تو ہو پاگل۔ کسی وقت تو سنجیدگی اور عقل سے گفتگو کیا کرو۔ یہاں شادی کا سوال ہی نہیں ہے بلکہ زیر غور یہ مسئلہ ہے کہ محبوب کو ٹالا کیونکر جائے۔"

خواجہ صاحب نے پھر ضد سے کام لیا۔" مگر ٹالا ہی کیوں جائے آخر۔"

ڈاکٹر نے اُلجھ کر کہا۔" لاحول ولا قوۃ۔"

ہم نے کہا۔" ٹالا اس لئے جائے کہ میں شادی کرنا نہیں چاہتا۔ مگر خدا کے لئے اب یہ نہ پوچھنا کہ کیوں نہیں چاہتا۔"

خواجہ صاحب نے کہا "مجھے کیا ضرورت ہے پوچھنے کی البتہ اب ایک بات معلوم ہو گئی کہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتے"

ڈاکٹر نے کہا "اب بھی آپ غلط سمجھے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ شادی کرنا نہیں چاہتے۔ صاحب میری رائے تو یہ ہے کہ محبوب سے انکار نہ کیا جائے۔ کم سے کم اُس وقت تک اس قصہ کو چلنا چاہیئے جب تک ان کے بلند اقبال واپس نہیں آتے ہیں"

ہم نے کہا "مگر وہ بلند اقبال کی واپسی سے پہلے ہی اس معاملہ کو طے کر دینا چاہتا ہے"

ڈاکٹر نے کہا "یہ کیسے ممکن ہے۔ ان حضرت کی واپسی میں اب ایک ہفتہ سے زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس عرصہ میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ محبوب سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیجئے اور ساتھ ہی ساتھ یقین دلا دیجئے کہ اس سلسلہ میں اپنے بزرگوں کو ہموار کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے کے آجانے کے بعد حالات یکسر بدل جائیں گے اور اُس وقت تک نہایت آسانی کے ساتھ یہ بات ٹالی جا سکتی ہے"

خواجہ صاحب نے فرمایا "بغیر بولے بھی نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس شخص کا بھانڈا اب کیوں نہ پھوڑ دیا جائے ہم لوگوں کے پاس کافی ثبوت ہیں آخر اب انتظار کس بات کا ہے"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "دیکھو خواجہ بُرا ماننے کی بات نہیں یہ واقعہ ہے کہ تم میں عقل کی ذرا کمی ہے۔ تمہارے خلوص سے ہم کو انکار نہیں مگر خلوص سے سے زیادہ تمہاری حماقت مسلم ہے۔ بھلا یہ بھی بھانڈا پھوڑنے کا کوئی وقت ہے۔ اگر ایسی ہی جلد بازی سے کام لینا ہوتا تو پہلا ہی ثبوت ملنے کے بعد ان حضرت کی قلعی کھولی جا سکتی تھی مگر ہم تو حالات کے شباب پر آنے کے منتظر ہیں اور حالات کا یہ شباب شکیل کی واپسی کے بعد پیدا ہوگا۔ اس وقت اگر بھانڈا پھوڑا بھی گیا تو اس حرفوں کے بنے ہوئے انسان کو اس بات کا کافی موقع مل جائے گا کہ وہ کسی نہ کسی ترکیب سے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو شیشے میں اُتار لے۔"

ہم نے کہا "خیر ان حالات کے کھُلنے کے بعد اُن حضرت کی دال تو مشکل سے گل سکے گی بلکہ اگر ہم چاہیں گے تو ان کو بڑے گھر تک کی ہوا کھلا سکیں گے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ابھی حالات اس منزل تک نہیں پہنچے ہیں جہاں ہم عقدہ کشائیاں شروع کر کے سب کو ایک دم نقشِ حیرت بنا سکیں۔ یہ افشائے راز تو نہایت ڈرامٹک طریقہ پر ہونا چاہیئے جبکہ ان حضرت کو اپنے لئے کوئی راہِ فرار نہ مل سکے۔"

ڈاکٹر نے جُملہ پورا کیا "اور ان حضرت کو بھی پتہ چلے کہ میں تو خیر چار سو بیس تھا مگر یہ حضرات آٹھ سو چالیس نکلے۔"

بہر حال اس گفتگو میں آخری طور پر یہ طے کر دیا گیا کہ ہم محبوب صاحب سے مل کر اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیں۔ اس وقت خواجہ صاحب نے پھر غلطی سے ایک عقل کی بات کہہ دی "میری ناقص رائے یہ ہے کہ محبوب کی اس سازش کا بھی دستاویزی ثبوت ہم لوگ فراہم کر لیں اس کی ترکیب یہ ہے کہ ساجد صاحب محبوب کو ایک پرچہ لکھیں کہ مجھ کو آپ کی یہ تجویز منظور ہے اور غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ میرے لئے اس سے بہتر انتخاب اور کوئی نہیں ہو سکتا آج ہی گھر خط لکھ رہا ہوں کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے امید ہے کہ آپ لوگ میری اس خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر میری زندگی کو خوشگوار بنانے میں مدد دینگے اس خط کا جواب آتے ہی میں تاریخ مقرر کرانے کے لئے آپ سے عرض کرونگا"

ڈاکٹر نے کہا "بہت عمدہ تجویز ہے۔ یار خواجہ تم اگر ایسی عقل کی باتیں کر سکتے ہو تو بیوقوفی کا دورہ تم پہ کیوں پڑا کرتا ہے"

ہم نے کہا "نہیں بیوقوفی تو معمولات میں سے ہے یہ کہو کہ عقل کا دورہ کبھی کبھی پڑتا ہے"

خواجہ صاحب نے کہا "اچھا خیر۔ تم لوگ ان سمجھداری کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے یہ لو کاغذ اور یہ قلم اور لکھو خط"

ڈاکٹر نے کہا۔ میں بولتا جاتا ہوں تم لکھو۔ اس خط کا جواب وہ حضرت ضرور دینگے اور وہی اس سازش کا دستاویزی ثبوت ہوگا۔ بہر حال لکھو :-

مکرمی محبوب صاحب۔ تسلیم

مرزا معصوم علی صاحب کی صاحبزادی کے متعلق نسبت بھیجنے کی جو تجویز آپ کے ذہن میں آئی تھی اس کے متعلق میں نے کافی غور کیا اور آخر کار ———

خواجہ صاحب نے ایک دم نعرہ بلند کیا "ذرا ٹھہرئیے میں بھی لکھتا جاؤں "

ڈاکٹر نے کہا " وہ کیوں ۔ یعنی وحشت ہوتی ہے تم کو کیا "

خواجہ صاحب نے کہا " میرا مطلب یہ ہے کہ فائل میں رکھنے کے لئے نقل بھی تو درکار ہوگی وہ ساتھ ہی ساتھ تیار ہوتی جائے "

ہم نے کہا " دیکھ لیا آپ نے اس وقت عقل کا دورہ پڑا ہے اب وہ مسلسل عقلمندی کی باتیں کریگا اچھا بھئی تم بھی لکھتے جاؤ "

ڈاکٹر نے پھر مضمون بولنا شروع کیا :-

——— کافی غور کیا اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میرے لئے شادی کا اس سے بہتر موقع اور بیوی کا اس سے اچھا انتخاب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں بہر صورت راضی ہوں بلکہ اس تجویز کو اپنی خواہش بنا چکا ہوں اور اسی وقت والد صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ میں اپنی نسبت طے کر چکا ہوں والدہ صاحبہ اور خود آپ تشریف لا کر میری زندگی کے اس نئے دور کو اپنی شرکت سے برکت عطا فرمائیں۔ اس خط کا جواب آتے ہی میں تاریخ مقرر

کرانے کے لئے آپ سے عرض کرونگا۔

آپ کا خادم۔ ساجد"

یہ مسودہ منظور ہو کر خط اسی وقت روانہ کر دیا گیا اور گھنٹہ بھر کے اندر ہی ملازم محبوب صاحب کا جواب بھی لے آیا جس کو ہم سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پڑھا:۔

عزیز مکرم ساجد صاحب۔ زندہ باش

یہ معلوم ہو کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ مرزا معصوم علی صاحب کے یہاں اپنی نسبت بھیجنے پر راضی ہیں یہ واقعہ ہے کہ آپ کے لئے اس سے بہتر جگہ ناممکن ہے شاکرہ نہایت معقول لڑکی ہے اور میں خوش ہوں کہ آپ نے میری اس تجویز کو مناسب سمجھ کر عاقبت اندیشی سے کام لیا ہے۔ والد صاحب کا جواب آنے کا آپ انتظار کیجئے میں جب تک سلسلۂ جنبانی کرتا ہوں۔

احقر محبوب"

ہم لوگوں نے خط کی نقل اور اس جواب کو فائل میں شامل کر لیا اور محبوب کو گویا ایک اور رسّی میں جکڑ دیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ریحانہ کے خط کی روشنی میں ہم سے سلمیٰ کے متعلق کچھ خاص گفتگو نہایت صفائی سے کی اور ہم نے اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی وکالت کرنے کا وعدہ کر لیا۔

# ۳۲

آج شیخ صاحب کے یہاں پاگل خانہ کا منظر تھا کوئی اپنے حواس میں نہ تھا خود شیخ صاحب گڑبڑائے ہوئے تھے۔ قصہ یہ تھا کہ آج شکیل صاحب واپس آ رہے تھے ان کے استقبال کی تیاریوں نے سب ہی کو جنون میں مبتلا کر رکھا تھا۔ شیخ صاحب گھبرائے ہوئے کبھی گھر کے اندر گھس جاتے تھے اور کبھی باہر آجاتے تھے تمام ضروری چیزیں بنارسی باغ والی کوٹھی میں بھیجی جا رہی تھیں۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ واقعی کوئی افسر معائنہ کے لئے آ رہا ہے اور ماتحت گھبرائے ہوئے ہیں آخر خدا خدا کر کے گاڑی کا وقت قریب آیا اور شیخ صاحب نے ہم کو بھی اسٹیشن چلنے کی دعوت دی۔ اگر شیخ صاحب نہ بھی فرماتے تو ہم کو محبوب صاحب کے خیال سے جانا ہی پڑتا استقبال کے لئے۔ آج شیخ صاحب نے مدتوں کے بعد باقاعدہ کپڑے پہنے تھے یعنی ایسی شیروانی جس کے سب بٹن بھی موجود تھے اور استری بھی درست تھی۔ حد یہ ہے کہ موزے تک پہن لئے تھے بڑے میاں نے۔ بالوں میں تیل خواہ کوئی بھی ڈالا ہو مگر کنگھی کی گئی تھی۔ آپ نے پہلے تو بیگم صاحبہ اور علاوہ ریحانہ اور سلمیٰ کے سب بچوں کو موٹر پر بنارسی باغ والی کوٹھی بھجوا دیا

جہاں محبوب صاحب کا خاندان پہلے سے موجود تھا اس کے بعد ہم دونوں اسٹیشن روانہ ہوئے۔ محبوب صاحب اختر زمان صاحب کی گاڑی پر پہلے ہی اسٹیشن پہنچ چکے تھے نواب ولایے مرزا صاحب یعنی شکیل کے وہ جگری دوست جن کے بغیر خدا جانے شکیل کا دل ولایت میں کیونکر لگا ہوگا خالص لکھنوی وضع میں پانوں کا لاکھا جمائے آنکھوں میں سرمہ لگائے پلیٹ فارم پر لہرا رہے تھے آپکے ساتھ ایک ملازم بھی زر کار خوان پوش سے ڈھکی ہوئی ایک کشتی لئے موجود تھا اس کشتی میں طلائی ہار اور پھولوں کے گجرے تھے۔ محبوب صاحب نے ہم لوگوں کو دیکھ کر قریب آتے ہوئے کہا "گاڑی بالکل صحیح وقت پہ آرہی ہے"

شیخ صاحب نے فرمایا "یہ ولایے مرزا کشتی میں کیا لائے ہیں"

محبوب صاحب نے کہا "پھول پان ہیں۔ لیجئے وہ اچھن میاں بھی آگئے۔ آداب بجالاتا ہوں نواب صاحب"

اچھن میاں نے بڑے سوچ کے ساتھ کہا "قبلہ و کعبہ اس طرح تو شرمندہ نہ کیا کیجئے واللہ مر جانے کا مقام ہے میرے لئے کہ سلام میں آپ گویا سبقت فرمائیں۔ میں تو خورد ہوں جناب کا جیسے آپ کے لئے بھائی شکیل ویسا ہی یہ غلام"

محبوب صاحب نے ان کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "میاں خدا خوش رکھے

سلام میں سبقت ہو یا کچھ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں تم کو بچہ نہیں سمجھتا کہیئے اب میدان کب ہے "!

اچھن صاحب نے فرمایا "یہ تو دہلی والوں پر منحصر ہے میری طرف سے سب سامان مکمل ہے سُنا ہے کہ دہلی والوں کا سامان ابھی مکمل نہیں ہوا ہے غالباً مانجھا ابھی تیار نہیں ہے "!

محبوب صاحب نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ساجد صاحب آپ سے ملئے ہمارے لکھنؤ کے بہت بڑے رئیس اچھن میاں۔ سچ پوچھئے تو لکھنؤ اب آپ ہی لوگوں کے دم سے آباد ہے اس مرتبہ چلیئے گا میدان دیکھنے کیا شان ہوتی ہے۔ ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے "!

اچھن صاحب نے کہا "بلکہ اڑا دیا جاتا ہے "!

محبوب صاحب نے تڑپ کر کہا "اے سبحان اللہ کنکوے کی مناسبت سے اڑا دیا جاتا ہے کیا خوب کہا ہے "!

اچھن صاحب نے تسلیم کرتے ہوئے کہا "اسی طرح کٹ رہی ہے حضت "!

محبوب صاحب نے پھر داد دی "کٹ رہی ہے بھی خوب کہا۔ کیا انداز گفتگو ہے "!

اچھن صاحب نے پھر فرمایا۔ یہ تو گفتگو کے پیچ ہیں قبلہ و کعبہ "!

محبوب صاحب نے پھر نعرہ بلند کیا۔ "آہاہا۔ پیچ بھی کیا خوب ہے۔"

عین اسی وقت گھنٹا بجا اور یہ گفتگو یہیں پہ ختم ہو گئی اچھن صاحب دلارے مرزا صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے اور شیخ صاحب نے منہ بنا کر کہا۔ "نوفرز اعلیٰ درجہ کا بدمعاش۔ ذرا صورت تو ملاحظہ ہو معلوم ہوتا ہے کہ خود کسی قسم کا کنکوا ہے۔"

شیخ صاحب کی گالیاں ختم نہ ہونے پائی تھیں کہ ٹرین آگئی۔ گاڑی کے ٹھہرتے ہی ایک فرسٹ کلاس کا دروازہ کھلا اور ایک صاحب ایک آنکھ والی عینک لگائے منہ میں پائپ دبائے تیوریوں پہ بل ڈالے سرتاقدم انگلستان بنے ہوئے نمودار ہوئے۔ محبوب صاحب نے ان کو دیکھتے ہی ایک جست لگائی "شکیل شکیل" شیخ صاحب بھی کچھ بڑبڑائے اور آخر وہ صاحب بہادر پلیٹ فارم پہ آگئے اور "ہلو" کہہ کر سب سے پہلے محبوب صاحب سے وہ زوردار ہاتھ ملایا ہے کہ محبوب صاحب کے جسم کے ہر حصہ نے اس جھٹکے کو محسوس کیا ہوگا۔ شیخ صاحب غالباً گلے لگانے کے خیال سے بڑھے ہوں گے مگر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اس عرصہ میں دلارے مرزا صاحب ان کو ہار پہنا چکے تھے اور اچھن صاحب کا لایا ہوا گجرا بھی ان کے گلے میں پڑ چکا تھا۔ ہم سے نہ کسی نے اس گھبراہٹ میں تعارف کرایا اور نہ ہم خود اس سعادت کے لئے مرے جاتے تھے۔ ہم تو ان حضرت کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ ٹرین سے اتر کر

وہ پلیٹ فارم پر اس طرح کھڑے ہوئے تھے گویا وحشیوں کی کسی نو آبادی میں کوئی انگریز گورنر پہنچ گیا ہو پائپ کا دھواں کبھی والد صاحب کے رُخِ روشن پر مارے سعادت کے رسید کر دیتے تھے اور کبھی اُن چچا صاحب کے مُنہ پر جن کے طفیل میں آپ آدمی سے یہ چیز بنے تھے جو اس وقت نظر آ رہے تھے۔ سب سے ملنے جلنے کے بعد آپ ایک عجیب وحشت کے ساتھ اپنے ڈبے کی طرف مُڑے اور گردن کے اشارے سے کسی کو بلایا۔ فوراً ہی ایک بائیس تئیس سالہ گُجری کمپارٹمنٹ سے برآمد ہوئی۔ آپ نے محبوب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "یہ ہیں مس ولیم میری شریک سفر۔ آپ کچھ روز ہمارے یہاں مہمان رہیں گی" اور پھر انگریزی میں اس بنتِ فرنگ سے کہا "یہ جنٹلمین میرے باپ ہیں اور دوسرے بڑے میاں میرے چچا ہیں۔ میں ان لوگوں کے متعلق تم کو پہلے ہی سمجھا چکا ہوں یہ بیچارے خالص ہندوستانی ہیں" ان مسمات نے تو کھیسیں نکال نکال کر محبوب صاحب اور شیخ صاحب کے سامنے تھوڑا تھوڑا جھک کر گویا تعظیم ادا کی مگر اس وقت شیخ صاحب کے چہرے پر عجیب وحشت برس رہی تھی مگر اس وحشت میں زیادہ مبتلا رہنے کا ان کو وقت نہ مل سکا سامان اُتروانے لگیج وان سے سامان لانے میں سب مصروف ہو گئے آخر یہ قافلہ تو بنارسی باغ والی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا اور ہم شیخ صاحب سے اجازت لے کر گھر آ گئے جہاں سلمیٰ اور ریحانہ استقبال کی تفصیلات معلوم کرنے

کے لئے بے چین تھیں۔ ہمارے پہنچتے ہی سلمیٰ تو ہمارے پاس آگئی اور ریحانہ دروازہ کی آڑ میں کھڑی ہوگئی۔ سلمیٰ نے کپڑے تک اتارنے کا موقع نہ دیا۔

"آگئے شکیل صاحب"

ہم نے کہا "شکیل صاحب معہ ایک ولائتی مہمان صاحبہ کے"

ریحانہ سے ضبط نہ ہوسکا "جی کیا فرمایا؟ مہمان صاحبہ یعنی؟"

ہم نے کہا "یعنی کا جواب تو میں نہیں دے سکتا البتہ ان کے ساتھ ایک میم صاحبہ آئی ہیں جن کا اسم مبارک مس ولیم بتایا گیا ہے اور تعارف یہ کرایا گیا ہے کہ یہ میری شریک سفر ہیں اور چند دن میرے ساتھ مہمان کے طور پر رہیں گی"

سلمیٰ نے کہا "خیر یہ تعارف تو شکیل صاحب نے کرایا ہوگا مگر آپ کا تبصرہ اس سلسلہ میں کیا ہے؟"

ہم نے کہا "مجھ سے کیا مطلب نہ میں نے اس قسم کے معاملات میں مبصر ہونے کا کبھی دعویٰ کیا ہے اور نہ یہ میری عادت ہے خواہ مخواہ کسی کے بیان کو غلط سمجھوں۔ جو کچھ شکیل صاحب نے فرمایا ہے وہ درست ہی ہوگا"

ریحانہ نے کہا "ساجد صاحب اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے لب ولہجہ کے طنز کو بھی ہم لوگ نہیں سمجھتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہم لوگوں کو نہایت بیوقوف سمجھتے ہیں۔ آپ یقین رکھیئے کہ شکیل کے متعلق اس سے

کہیں زیادہ توقعات ہیں پہلے سے قائم کئے ہوئے ہوں اور پوچھ لیجئے سلمیٰ سے کہ میں یہ پیشنگوئی بھی کر چکی تھی کہ شکیلؔ کا تنہا آنا ہی مشکل ہے ۔ ولایت جانے کے بعد بڑے بڑے سعادتمند اور نیک نفس تو ڈگمگا جاتے ہیں پھر شکیلؔ صاحب تو ہمیشہ کے اہلِ دل واقع ہوئے ہیں اگر کسی کو ساتھ نہ لاتے تو تعجب ہوتا ساتھ لانا تو گویا توقعات کے عین مطابق ہے "

ہم نے کہا " دیکھئے صاحب یہ ریمارک ممکن ہے کہ درست ہوں مگر قبل از وقت ضرور ہیں ۔ فی الحال ہم کو اور آپ کو ان کے بیان کی صداقت پر یقین رکھنا چاہیئے "

ریحانہ نے طنز کی کھنک آواز میں پیدا کرتے ہوئے کہا " آپ کی وسیع النظری اور فراخ دلی کی میں قدر کرتی ہوں مگر افسوس ہے کہ آپ ان ذاتِ شریف سے واقف نہیں ہیں اگر آپ کو ممدوح کے متعلق کچھ بھی اندازہ ہوتا تو آپ ہرگز اس حُسنِ ظن سے کام نہ لیتے ۔ مگر میں خدا کی قسم بیحد خوش ہوں اور میرے علاوہ اس سلسلہ میں خوش ہونے والے ایک بھائی جان ہونگے ابّا جان اور امّی جان کو اُن زیادتیوں کی یقیناً سزا ملے گی جو میرے بھائی جان کے ساتھ ان دونوں نے ہمیشہ کی ہیں "

سلمیٰ نے کہا " اور اس زیادتی کا ذکر نہیں کرتیں جو خود تمہارے ساتھ یہ بزرگ کرنے والے ہیں "

ریحانہ اس وقت مارے جوش کے اس بات پر بھی نہ شرمائی اُس نے برجستہ کہا: "خیر مجھ کو تو یقین تھا کہ چُپ کی داد مجھ کو مل کر رہے گی۔ ع۔

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے"

ہم نے شرارتاً کہا: "میری اب بھی یہی رائے ہے کہ اس بیچاری مس سے آپ قبل از وقت ناراض ہو رہی ہیں"

ریحانہ نے کہا: "جی؟ کیا فرمایا۔ میں اس سے کیوں ناراض ہوتی اگر میرا خیال صحیح ہے اور انشاءاللہ صحیح ہی ہوگا تو وہ میری محسنہ ہے"

موٹر کی آواز پر دونوں لڑکیاں اندر چلی گئیں حالانکہ موٹر پر محض ہم لوگوں کا کھانا کوٹھی سے آیا تھا۔

## ۳۳

ہم کو ڈاکٹر صاحب کا پرچہ بھی مل چکا تھا کہ ان سے فوراً ملیں۔ خواجہ صاحب نے بھی آدمی بھیجا تھا۔ اختر زمان صاحب کے یہاں سے بھی شدید بلاوا تھا مگر ہم ان سب سے پہلے شیخ صاحب سے ملنا چاہتے تھے کہ ذرا ان کے تاثرات کا تو اندازہ کریں۔ کل تو خیر شیخ صاحب اسٹیشن سے جو شکیل کے ساتھ گئے تو رات کو خدا جانے کس وقت آئے مگر آج صبح ہی صبح آپ کی زیارت ہو گئی نہایت متفکر سے خدا جانے کن خیالات کی رو میں ہمارے ہی برآمدے کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ ہم کو متوجہ کرتے ہم نے ہی "السلام علیکم" سے ان کو چونکا دیا۔ ایک دم ٹہلتے ٹہلتے کھڑے ہو کر فرمایا "ہو گئی آپکے یہاں صبح۔ خدا جانے کب سے جناب کے انتظار میں یہاں ٹہل رہا ہوں۔ رات جب واپس آیا تو آپ آرام فرما چکے تھے۔"

ہم نے کہا "رات کوئی دس بجے تک تو میں نے آپ کا انتظار کیا۔ پھر خیال آیا کہ شاید آج کوٹھی ہی میں قیام رہے گا۔"

شیخ صاحب نے کہا "میں کوئی ساڑھے دس بجے بیگم کو لیکر آ گیا تھا۔ بات

یہ ہوئی کہ وہ حضرت شام کو موٹر پر جو اُن صاحبزادی کے ساتھ روانہ ہوئے تو دس بجے واپسی ہوئی اور معلوم ہُوا کہ کھانا باہر ہی ہو چکا ہے۔ سخت غصّہ آیا اس حرکت پر مگر کیا کرتا چُپ ہو رہا۔ صاحب کل کا دن تو وہ کوفت میں گذرا ہے کہ میں آپ سے کیا عرض کروں۔"

ہم نے عرض کیا "کیوں خیریت؟"

شیخ صاحب نے فرمایا "اندر چل کر بیٹھو اور بیگم کی زبانی تمام حالات سنو۔ وہ صبح سے کئی مرتبہ پوچھ چکی ہیں۔"

ہم حسب ارشاد کمرے میں آ گئے اور شیخ صاحب نے اندر جا کر بیگم صاحبہ کو ہماری موجودگی کی اطلاع کر دی وہ اپنے مقررہ دروازے کی آڑ میں آ کر بولیں "کہو ساجد میاں۔ کل تم نے صاحب بہادر کو دیکھا"

ہم نے کہا "جی ہاں میرے لئے تو پہلا ہی اتفاق تھا شکیل صاحب کو دیکھنے کا۔"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "بھیا مجھ کو تو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے۔ یہ جو لونڈیا آئی ہے ان کے ساتھ۔ اس میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔"

شیخ صاحب نے وثوق سے فرمایا "یقیناً گڑبڑ ہے۔ میں نے تو اسٹیشن پر ہی رائے قائم کر لی تھی کہ ان مسمات کا ساتھ آنا علّت سے خالی نہیں ہے۔ پھر تمام دن جو رویّہ میں نے دیکھا ہے اس کے بعد کم سے کم مجھ کو کوئی شبہ

نہیں۔ کیا رائے ہے ساجد صاحب آپ کی؟"

ہم نے کہا "سبحان اللہ۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اسٹیشن سے سیدھا گھر آ گیا تھا۔ دن بھر کے حالات آپ نے دیکھے اور رائے طلب کر رہے ہیں آپ مجھ سے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "کیا اس عورت سے انگریزی میں کچھ باتیں کی تھیں شکیل نے اسٹیشن پر؟"

شیخ صاحب نے کہا "ہاں صاحب محبوب کی اور میری طرف اشارہ کر کے خدا جانے کیا بک رہا تھا اتنا تو میں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ صاحب میرے باپ اور یہ بڈھا میرا چچا ہے۔"

ہم نے کہا "آپ نے بالکل صحیح سمجھا وہ یہی کہہ رہے تھے یہ صاحب میرے باپ اور یہ چچا ہیں ان دونوں کے متعلق میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ بیچارے خالص ہندوستانی ہیں۔"

شیخ صاحب نے غالباً اس کو گالی سمجھ کر غصّہ سے کہا "اور یہ مردود خود خالص ہندوستانی نہیں ہے انگریز کا بچّہ ہے گویا خر دماغ۔ بیہودہ۔ نالائق۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "بھیّا نہ تو یہ مہمان ہے اور نہ یہ اب جائے گی۔ ہو نہ ہو یہ صاحبزادے شادی کر لائے ہیں۔ بھلا بتاؤ کسی مہمان کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کوٹھی کا کونہ کونہ چھانتی پھر رہی تھی ایک ایک نوکر سے اس نے بلا کر

ایک ایک چیز کے متعلق سوال کئے اُردو تو نگوڑ ماری بول نہیں سکتی شکیل نو کروں کو سمجھاتے جاتے تھے کہ مس صاحب یہ پوچھ رہی ہیں۔ موٹر کا ایک ایک پُرزہ اُس نے دیکھا۔ برتنوں کا معائنہ ہُوا"

شیخ صاحب نے فرمایا "اس کمبخت نیچے ڈرائنگ روم کو ایک دم قلا بازی کھلا دی ساری ترتیب بدل ڈالی ادھر کا صوفہ اُدھر اور اُدھر کا صوفہ ادھر"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "میرا تو اندازہ یہ تھا کہ وہ ہم سب کی موجودگی سے بھی اُلجھ رہی تھی۔ تیوریوں پہ بل ڈال ڈال کہ ایک ایک کو دیکھتی تھی اور نہ جانے شکیل سے کیا گٹ پٹ گٹ پٹ شروع کر دیتی تھی اور وہ رلیشہ خطمی ہوئے جا رہے تھے"

شیخ صاحب نے فرمایا "میں نے تو آخر محبوب میاں سے کہا کہ صاحب مجھے کچھ معاملہ گڑبڑ نظر آرہا ہے۔ مگر وہ حضرت اُلٹا مجھ ہی پہ ہنسنے لگے کہ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے مارے جوتوں کے فرش کر دوں صاحبزادے کو ان کی بھلا ایسی جرأت ہو سکتی ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا "خیر وہ تو یوں ہی بکا کرتے ہیں مگر ساجد میاں تمہارا کیا اندازہ ہے"

ہم نے کہا "اگر سچ پوچھئے تو اس قدر جلد کوئی رائے قائم کرنا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مہمان ہیں تو کیا عجب ہے کہ مہمان ہی ہوں۔

یہ بھی تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ وہ ایسی جبہ آنت کہ گذریں گے کہ آپ ہی نے ان کو ولایت بھیجا اور واپسی میں بھی آپ ہی کی کوٹھی میں وہ آکر اُترے ہیں پھر ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سب کچھ آپ نے کیوں کیا ہے ایسی صورت میں وہ آپ ہی کے سر پر کسی ایسی عورت کو نہیں لا سکتے جس سے کوئی ایسا رشتہ ہو جو آپکے اور ان کے تمام رشتے منقطع کر دے ؟"

بیگم صاحبہ نے فرمایا " یہ نہ کہو بھیا۔ وہ ایسے بھی ہیں کہ جس تھالی میں کھائیں اُسی میں چھید کریں۔ یہ سب باتیں غیرت دار سوچا کرتے ہیں اور وہاں ایسی غیرت داری کا طوطا پالا ہی نہیں جاتا۔ پھر یہ کہ صاحبزادے تو جیسے وحشی ہو کر تشریف لائے ہیں بھلا غور تو کرو برخوردار نے مجھ سے انگریزی بولنا شروع کر دی۔ اے میں نے کہا کہ لڑکے کچھ حواس ہیں ہے کہ نہیں لو اور سنو مجھ سے بھی انگریزی بولی جا رہی ہے۔ بیچارے ولایت کیا گئے دماغ ہی خراب ہو گیا !"

شیخ صاحب نے کہا " حضرت وہ مردود میری طرف بھی آئی ہے، کہہ کر بڑھا تھا مگر میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر غالباً فوراً سمجھ میں آگیا ہو گا کہ میں ایسی بات کا جواب ذرا جوتے سے دیا کرتا ہوں ؟"

ہم نے ہنسکر کہا " دراصل ان کی عادت پڑ گئی ہو گی ابھی چند دن تو ان کا یہی حال رہے گا۔ وہاں دن رات انگریزی ہی سے سابقہ رہا ہے لہذا وہ بیچارے اس سلسلہ میں مجبور ہیں ؟"

شیخ صاحب نے فرمایا "اجی لاحول ولا قوۃ۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بھائی عبدالرب کا لڑکا عبدالستار بھی تو ولایت گیا تھا اسٹیشن پر میں خود اس کو بھی لینے گیا تھا اسٹیشن پر گاڑی کے آتے ہی اپنے درجہ سے السلام علیکم کہتا ہوا اُترا سب کے گلے لگا سب کا مزاج پوچھا۔ مگر یہ حضرت تو جیسے آپے ہی میں نہیں ہیں۔"

ہم نے کہا "چند دن کے بعد ان کے مزاج بھی درست ہو جائیں گے۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے بعض لوگوں کو اسی میں لطف آتا ہے کہ ذرا اپنے سے مرعوب کرانے کے لئے اپنے کو بلند و بالا ظاہر کریں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "تو یہاں یہ مزاج اُٹھانا والا بھی کوئی نہیں ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر آتے ہی اس چچا کے قدم پکڑ لیتا جس نے ان کو خاک سے پاک کیا اور اس قابل بنایا کہ آج وہ بیرسٹر صاحب بن کر اکڑ رہے ہیں۔"

شیخ صاحب نے کہا "مختصر یہ کہ مجھ کو تو سخت مایوسی ہوتی ہے اور میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب میں اس وقت تک کوٹھی نہ جاؤں گا جب تک وہ حضرت اپنے طرزِ عمل کو محسوس کرتے ہوئے میرے پاس خود نہ آئیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "وہ تو کہو بھیا کہ ابھی سویرا ہے اگر اللہ نہ کرے میں اپنی دیحانہ کو ان کے پلّے باندھ چکی ہوتی تو آج صاحبزادے شاید انگریزی

ہیں بات کرنے کے قابل بھی مجھ کو نہ سمجھتے ۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "میں تو اب ریحانہ کے سلسلہ میں نہایت سمجھ بوجھ کر اور ان حضرت کا اچھی طرح اندازہ کرنے کے بعد کوئی عملی قدم اُٹھا سکتا ہوں مجھ کو اپنی لڑکی اس قدر بھاری نہیں ہے کہ میں آنکھ بند کر کے اس جانور کے حوالے کر دوں ۔"

بیگم صاحبہ نے ذرا سختی سے کہا "تمہاری زبان کے آگے تو ہے خندق یہ باتیں دل میں سوچنے کی ہوا کرتی ہیں زبان سے کہنے کی نہیں ہوا کرتیں۔ کیا میں خود یہ رنگ دیکھ کر خوش ہوں مگر یہ وقت کچھ کہنے کا نہیں ہے ابھی تو صاحبزادے تشریف لائے ہیں ذرا ان کو پیر جمانے دو۔ رنگ ڈھنگ دیکھو اس کے بعد جو اللہ کو منظور ہے وہ ہو گا ۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "وہی مطلب ہے میرا۔ خیر چھوڑو اس قصہ کو خلوئے معدہ میں غصہ خواہ مخواہ بھی آتا ہے۔ ذرا چاء میرے اور ان کے لئے بھجدو۔" بیگم صاحبہ چاء کے سلسلہ میں چلی گئیں اور شیخ صاحب ہم کو مسلسل یقین دلاتے رہے کہ یہ میم جو ساتھ آئی ہے یہ ہے ضرور گڑبڑ قسم کا قصہ۔ ہم نے ان کو لاکھ مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ان کی یہ رائے نہایت پختہ تھی ۔

# ۳۴

شکیل صاحب کے حالات معلوم کرنے کے لئے ڈاکٹر اشرف اس قدر بیقرار تھے کہ آج بھی صبح سے بلاوے پر بلاوے آ رہے تھے یہاں تک کہ دفتر پہنچتے ہی خواجہ صاحب معہ ڈاکٹر صاحب کے ہمارے کمرے میں نازل ہو گئے۔ خواجہ صاحب کی تشریف آوری تک تو غنیمت تھا مگر ڈاکٹر صاحب کا اس وقت خلاف توقع یہاں تشریف لانا یقیناً ان کے اشتیاق کی بوکھلاہٹ کا ثبوت تھا۔ آپ نے تشریف لاتے ہی شکایت کی "اللہ اللہ۔ اس قدر جناب والا نایاب ہو گئے ہیں کہ اگر میں خود اس وقت حاضر نہ ہوتا تو خدا جانے آپ کتنا ترساتے"

ہم نے کہا "آج آپ کے یہاں میری حاضری یقینی تھی مجھ کو معلوم تھا کہ شکیل صاحب کے حالات معلوم کرنے کے لئے جناب کس قدر بیقرار ہوں گے"

خواجہ صاحب نے حماقت کا ثبوت دیا "اسی احساس نے آپ کو مجبور کر دیا کہ ذرا اس موقع پر تغافل سے کام لیں"

ہم نے کہا "یار خواجہ تم نہایت منفرد کلاس احمق ہو۔ میں دراصل تم لوگوں سے اس وقت تک ملنا ہی نہیں چاہتا تھا جب تک کہ مجھ کو شیخ صاحب

اور بیگم صاحبہ کے تاثرات کا اندازہ نہ ہو جاتا۔ کل صرف چند منٹ کے لئے میں نے شکیل صاحب کو اسٹیشن پر پہلی مرتبہ دیکھا اتنے کم وقت میں اوّل تو کوئی رائے قائم نہ کر سکتا تھا دوسرے میری رائے ہی کیا مجھ کو تو اُن بزرگوں کی رائے کا اندازہ کرنا تھا جن کی رائے اس سلسلہ میں کوئی وزن رکھتی ہے اور آپ فرما رہے ہیں تغافل اس کو۔"

ڈاکٹر صاحب نے رفع شر کے طور پر کہا۔ "خواجہ صاحب کے ریمارک نہایت معصوم ہوا کرتے ہیں یہ بیچارے اپنی رائے زنی اور اپنے تبصرہ کے سلسلہ میں نہ تو اپنے دل سے کام لیتے ہیں نہ دماغ سے لہٰذا آپ کا بُرا ماننا ہی بیکار ہے۔ آپ کا فیصلہ یقیناً درست تھا کہ اصل رائے تو والد صاحب قبلہ اور والدہ صاحبہ معظمہ کی ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں اور یقیناً ان کی رائے معلوم کرنے سے پہلے آپ کا ہم لوگوں سے ملنا بیکار تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب آپ نے یہ قیمتی آراء معلوم کر لی ہوں گی۔"

ہم نے کہا۔ "کم سے کم اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کو کچھ اطلاعات دے سکوں۔"

اس کے بعد ہم نے اسٹیشن پر شکیل صاحب کے استقبال ان کے ساتھ مس ولیم کے تشریف لانے کی داستان اور پھر شیخ صاحب اور بیگم صاحبہ کے تبصرات پوری تفصیل کے ساتھ ڈاکٹر صاحب اور خواجہ صاحب کو سُنا دیئے۔

اس روداد کو سننے کے بعد ڈاکٹر صاحب تو غور و فکر میں مبتلا ہو گئے مگر خواجہ صاحب کو چونکہ اس کی ضرورت نہ تھی لہذا آپ نے چھوٹتے ہی پوچھا :-

" اور وہ مس ولیم ہیں کیسی "

ہم نے کہا " بھئی اگر سچ پوچھو تو میں دو باتوں میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں ایک تو انگریزی گانے اور رونے میں امتیاز نہیں کر سکتا ۔ دوسرے آج تک کسی فوجی گورے کو کسی دوسرے فوجی گورے سے مختلف سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوا اور نہ کبھی کسی یوروپین عورت کے حسن یا بدصورتی میں امتیاز کر سکا ہوں میری سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ولائتی عورت کن خصوصیات کے بعد حسین بن جاتی ہے اور کیا اسباب ہوتے ہیں ان کے بدصورت ہونے کے ۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یوروپین عورتوں میں اپنے مذاق کے لئے میں نے کبھی کوئی کشش نہیں پائی میں ان کو اپنے سے کچھ غیر متعلق سی چیز سمجھتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ جن اچھی شراب ہے یا رم ۔ وسکی اچھی ہوتی ہے یا شیمپین تو میں جواب میں غالباً منہ اٹھا کر رہ جاؤنگا اس لئے کہ میرے نزدیک ہر شراب سوائے شراب کے اور کچھ نہیں ہوتی "

خواجہ صاحب نے فرمایا " سبحان اللہ کیا کلیہ جناب نے بیان فرمایا ہے ۔ گوروں کو تو شاید میں بھی نہ پہچان سکوں اس لئے کہ ایک سی وردی میں وہ سب ایک ہی سے نظر آتے ہیں مگر یوروپین عورتوں کے حسن اور بدصورتی میں تمیز نہ کر سکنا

سوائے بدتمیزی کے اور کیا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے جو اس گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ لے رہے تھے ایک دم چونک کر فرمایا "مجھے بے حد مسرت ہے کہ میرے ذہن میں شکیل کی واپسی کے سلسلہ میں جو خیالات تھے وہ سو فیصدی درست نکلے مجھ کو خدا جانے کیوں یہ یقین تھا کہ وہ حضرت بغیر کسی دُم چھلے کے واپس آ ہی نہیں سکتے۔ البتہ ایک بات کا اندازہ نہ آپ لوگ کر سکے نہ اتنی جلدی ہو سکتا ہے مگر آپ نوٹ کر لیجئے کہ آج ہی کل میں آپ کو یہ اطلاع بھی مل جائے گی کہ اس پری کے علاوہ شیشے کی پری سے بھی آپ کے غلام کو ذوق ہے۔"

ہم نے کہا "مگر صاحب عجیب کم ظرف انسان ہے کہ ایک ہی دن میں اس نے اپنی حرکتوں سے شیخ صاحب قبلہ اور بیگم صاحبہ دونوں کی رائے اپنے لئے اتنی خراب کر دی۔"

ڈاکٹر صاحب نے ہنسکر کہا "ابھی کیا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ابھی تو یہ رائے کئی پلٹے کھائے گی محبوب کے ایکسی ہی لکچر سے پھر ان بزرگوں کی رائے میں انقلاب پیدا ہوگا وہ معہ جوتوں کے آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کریگا مگر مجھ کو ان صاحبزادے سے پوری توقع ہے کہ وہ اپنے والد محترم کی دال گلنے نہ دیں گے اور اپنی حرکات سے اپنے والد کی ہر لبیب پوت کو بیکار

ثابت کرتے رہیں گے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا "میں اب تک اسی بات پر غور کر رہا ہوں کہ وہ مس ولیم آخر کس قسم کی عورت ہے اور شکیل اس کو لانے میں کس طرح کامیاب ہو گئے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ حالانکہ یہ سوال آپ کے ذہن میں اتفاقاً آگیا ہے مگر ہے یہ بہت گہری بات۔ اس بیچاری کے ساتھ بھی انتہائی دغابازی کی گئی ہوگی خدا جانے اس کو کیا کیا سبز باغ دکھلائے گئے ہوں گے اور وہ کیا کیا توقعات لے کر ان حضرت کے ساتھ آگئی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جو ہندوستانیوں کے گلے پڑ کر ولائتی عورتیں یہاں آجاتی ہیں ان میں سے اکثر ولایت کے نہایت پست طبقہ سے متعلق ہوتی ہیں جن کی کوئی قیمت ولایت میں نہیں ہوتی اور جن کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ غلام ہندوستان کے غلامانہ ذہنیت والے شوہر اور اس کے ماحول پر حکمرانی کا ان کو یہ اچھا موقع مل رہا ہے۔ دوسرے ہر ولایت جانے والے ہندوستانی کے متعلق ایک عام خیال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ اگر پرنس نہیں تو کم سے کم نہایت خوش حال خاندان کا فرد ضرور ہے ورنہ ولایت ہی کیوں آتا لہٰذا وہ کپڑے دھونے۔ بسکٹ بنانے۔ ہوٹلوں میں پلیٹیں صاف کرنے۔ آلو چھیلنے کی جگہ اس کو پسند کرتی ہیں کہ ایک متمول ہندوستانی کے دل پر بھی حکومت کریں اور دولت پر بھی

مگر جب وہ ہندوستان آکر شوہر کو پھکڑ اور ڈھول کے اندر پول پاتی ہیں تو چند ہی دنوں میں تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ مقدمہ بازی ہوتی ہے اور وہ شوہر نامدار کو نوچ کھسوٹ کر واپس چلی جاتی ہیں۔ یہاں مستثنیات سے بحث نہیں بہت سی انگریز خواتین ایسی بھی نظر آئی ہیں جو ہندوستانی شوہر کے رنگ میں رنگ کر خود اپنا یوروپین ہونا ہی بھول چکی ہیں۔ مگر شکیل کی طرف سے یہ یقین ہے کہ اُس نے اپنے نمول کا بھی سکہ جمایا ہوگا اپنی ہندوستانی منسوبہ کا بھی ذکر نہ کیا ہوگا۔ یہ یقین بھی دلایا ہوگا کہ میں آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرونگا۔ نہ والدین کا کوئی دخل ہوگا نہ کسی اور کا۔ مختصر یہ کہ غریب کو تمام امکانی دھوکے دیئے گئے ہوں گے اور اب جب چند ہی دنوں میں ان حضرت کی قلعی کھلے گی اس وقت دیکھیئے گا کہ کیسا لطف آتا ہے۔"

ہم نے کہا "شیخ صاحب کے تیوروں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محض اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک کہ ان مسماۃ کے مہمان ہونے کا جو ڈھونگ رچایا گیا ہے وہ قائم ہے اس کے بعد وہ صاحب بہادر کو معہ میم صاحبہ کے کوٹھی سے بھی نکال باہر کریں گے اور غالباً اس سلسلہ میں محبوب صاحب کی بھی مرمت ہو جائے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا "مجھ کو خدا جانے کیوں مس ولیم کو دیکھنے کا بھی اشتیاق ہے اور بغیر دیکھے اس کے ساتھ ہمدردی بھی پیدا ہو چکی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "اس اشتیاق اور اس ہمدردی کے سلسلہ میں جذبہ ایک ہی کار فرما ہے۔ میں آپ کو یہ مشورہ تو خیر دے دیتا کہ آپ فی الحال عذر شکر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کیجئے جب شکیل اور مس ولیم کے درمیان جوتا چلے گا اور مس ولیم شکیل سے آزاد ہو جائے گی مگر میں جناب کے سراقدس پر بھی اتنے بال نہیں دیکھتا کہ ولائتی اور دیسی دونوں قسم کے اُسترے اُس پر تیز کئے جائیں"

خواجہ صاحب نے فرمایا "یورپین بیوی کا شوہر ہونا اگر کوئی برداشت کر سکے تو اس میں شک نہیں کہ ہے بڑی شاندار بات"

ہم نے کہا "اس سے بڑھ کر شان اور کیا ہوگی کہ شوہر ہر حال میں بیوی کا خانساماں ہی نظر آتا ہے اور بیوی شوہر کے ساتھ سلوک ایسا کرتی ہے گویا شوہر نام کا کوئی جانور اس نے پال رکھا ہے"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "لطف آجائے خواجہ اگر تم مس ولیم سے شادی کر لو"

ہم نے کہا "ایک ڈیکیٹ ہو موجودہ بھابی کے ہاتھ میں دوسرا مس ولیم کے ہاتھ میں اور جناب ٹینس بال کی طرح ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر اُچک رہے ہوں"

خواجہ صاحب نے کہا "زندگی عذاب ہو جائے۔ مجھ کو مس ولیم سے تو خیر کوئی اندیشہ نہیں مگر بیگم صاحبہ ناطقہ بند کر دیں"

خواجہ صاحب نے یہ عجیب بحث چھیڑ کر گفتگو کا رُخ ہی بدل دیا نتیجہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی واپسی پر آپ مسلسل یہی رونا روتے رہے کہ اسلام نے چار شادیاں جائز قرار دی ہیں۔ اور بیویوں نے مرد کے اس حق کو کفر کا درجہ دے رکھا ہے آخر علمائے کرام ان بیویوں کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں۔ آخر ڈاکٹر صاحب اس گفتگو سے تنگ کر رخصت ہو گئے اور خواجہ صاحب ہمارے دماغ کا حلوہ اس وقت تک تناول کرتے رہے جب تک کہ چپراسی ان کو بلانے نہیں آیا۔

## ۳۵

دفتر سے نکل کر بجربت تمام گھر کی طرف جا رہے تھے کہ محبوب صاحب سے تصادم ہو گیا۔ پکڑے گئے۔ مردہ بدست زندہ، بجائے اپنے گھر کے محبوب صاحب کے یہاں جانا پڑا۔ وہ حضرت کچھ متفکر سے تھے نہ وہ تیزی تھی جو ہر نازک سے نازک موقع پر آپ کو چُست رکھتی تھی۔ نہ وہ آنکھوں میں شرارت کی چمک۔ معلوم یہ ہوتا تھا جیسے کچھ لپ بہا سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ راستہ بھر ایک بات بھی نہ کی۔ گھر آکر کپڑے اتارے ایک گوشہ میں دو کرسیاں ڈالیں اور ہم کو بٹھا کر نہایت سرگوشی کے انداز میں بولے:۔

" میں اس وقت بیحد بیقرار تھا کہ تم مل جاؤ تو تم سے بات کر کے اپنے دل و دماغ کا کچھ بوجھ ہلکا کر لوں۔ میں بیحد متفکر ہوں اور آج مجھ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے آج تک کبھی کسی قسم کے حالات میں شکست قبول نہ کی تھی مگر اب مجھ کو ایسا نظر آرہا ہے کہ گویا میری ہر طاقت مجھ سے چھنی جاتی ہے۔ میری ہمت میرے حوصلے اور میرا ہر عزم جواب دے چکا ہے "!

ہم نے دیکھا کہ واقعی محبوب پچھڑ جانے والے پہلوان کی طرح پست سا

نظر آرہا ہے۔ ہم نے حوصلہ بندھانے کے لئے کہا یہ اگر آپ ہی اس قسم کی باتیں کر بیٹھے گئے تو سوال یہ ہے کہ ہمت اور استقلال سے پھر کون کام لے سکے گا۔ اس قسم کی باتیں کم سے کم آپکے شایانِ شان نہیں "۔

محبوب نے کہا "تم کو معلوم نہیں کہ میرا کیا عالم ہے۔ میری ساری طاقت کا دارومدار شکیل تھا مگر جس دن سے وہ آیا ہے اور جو حالات میں اُس کے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد نہ تو کوئی امنگ اپنے میں پاتا ہوں نہ کوئی حوصلہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک جوا کھیل رہا تھا جس کو ہار گیا ہوں۔ تم کو نہیں معلوم کہ اس کمبخت نے کیا گل کھلائے ہیں۔ وہ ایک ولائتی عورت ساتھ لایا ہے۔ مہمان کا بہانہ کیا ہے مگر میں نے ایسے لونڈے بہت دیکھے ہیں یقیناً اس عورت سے اس ناخلف نے شادی کر لی ہے۔ اس عورت نے آتے ہی سارے گھر پر قبضہ کر لیا ہے اُسی کے نام کا سکہ چل رہا ہے۔ صاحبزادے کو تو خیر اس کا ہوش نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ بھائی صاحب کی اس توجہ کا نتیجہ ہے جو اس قصہ کے کھل جانے کے بعد یقیناً باقی نہ رہے گی اور پھر صاحبزادے بیک بینی و دو گوش اس کوٹھی سے بھی نکالے جائیں گے۔ ریحانہ کے ساتھ شادی کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اگر یہ شادی ہی نہ ہوگی تو سوال یہ ہے کہ آخر ہوگا کیا۔ نہ میرے یہاں روپیہ دھرا ہے کہ صاحبزادے ان میم صاحبہ کے نام کا ہاتھی باندھ سکیں اور نہ خود بدولت میں

اتنی صلاحیت ہے کہ زندگی کو کسی اعتبار سے خوشگوار بنا سکیں نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ـــــــ"

ہم نے کہا "مگر فی الحال یہ سب آپ کے قیاس ہی تو ہیں"

محبوب صاحب نے تلخی سے کہا "کیا باتیں کرتے ہو ساجد بھائی۔ ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے شکیل میرے باپ نہیں ہیں ان کا باپ ہوں اگر ان ہی کے چرکے میں آجاؤں تو تف ہے مجھ پر۔ تم کو معلوم ہے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا کھیل یہی تھا کہ ریحانہ کے ساتھ شکیل کی شادی ہو جائے مگر میرے اس خواب کی یہ تعبیر ان نابکار اولاد نے دکھائی ہے۔ اب میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ کل تک تو خیر میں بھی شک اور یقین کی کشمکش میں مبتلا تھا مگر آج میں نے شکیل سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے یہ راز معلوم کر لیا ہے کہ یہ مسمات مہمان نہیں بلکہ میزبان ہیں۔ ان دونوں کی وہ انگریزی قسم کی شادی ہو چکی ہے کیا کہتے ہیں اُسے۔

ہم نے کہا "سول میرج ـــــــ"

محبوب صاحب نے کہا "جی ہاں"

ہم نے کہا "یہ تو بڑا غضب ہوا۔ واقعی شیخ صاحب کو اگر اس بات کی اطلاع ہو گئی تو سارا کھیل خراب سمجھئے وہ قیامت تک اپنی لڑکی کی شادی نہ کریں گے اور فرض کر لیجیے کہ وہ کرنا بھی چاہیں تو یہ انگریز بیوی سوت کا قصہ

کیونکہ برداشت کر سکے گی ؟"

محبوب صاحب نے کہا " اس سلسلہ میں اب تم میری مدد یہ کرو کہ سب سے پہلے تو شیخ صاحب کو اس بات کا یقین دلا دو کہ شکیل اس عورت کو دراصل اس لئے ساتھ لایا ہے کہ ریحانہ کو باقاعدہ انگریزی تعلیم دی جا سکے۔ وہ اس قدر نیک آدمی ہیں کہ میرے اور تمہارے اس کہنے کا فوراً یقین کرلیں گے اس کے بعد میری یہ مدد بھی کرو کہ میری بات تو اس انگریزن کی سمجھ میں آتی نہیں نہ میں اس کی زبان سمجھوں نہ وہ میری زبان سمجھے تم ہی اس کو سمجھاؤ کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور اب سب کی زندگی کو خوشگوار بنانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ اس شادی والے قصّہ کو گول کر جائے فی الحال ـــــــــ"

ہم نے جملہ پورا کیا " اور گورنس کا کردار پیش کرتی رہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے محبوب صاحب کہ اس عورت کو علیحدگی ہی سمجھایا جائے کہ اگر وہ کچھ روپیہ لے کر شکیل کا پیچھا چھوڑ سکتی ہے تو یہ سودا کرلے۔"

محبوب صاحب نے ہمارے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا " میں اس سلسلہ میں اس کے ولایت واپس جانے کے اخراجات کے علاوہ دس ہزار روپیہ تک دے سکتا ہوں اگر وہ اس پر تیار ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا ہے مگر مجھے امید نہیں کہ وہ فی الحال اس بات پر راضی ہو گی اس لئے کہ ابھی تو

وہ کوٹھی دیکھ رہی ہے۔ موٹر دیکھ رہی ہے۔ خانساماں اور بیرے دیکھ رہی ہے اس کو کیا پڑی ہے کہ وہ دس ہزار کی رقم لے کر یہ سب کچھ چھوڑ دے"۔

ہم نے کہا "تعجب ہے کہ آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ ارے صاحب اس کو تمام حالات صحیح صحیح بتا دیئے جائیں کہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور اگر وہ شکیل کو نہیں چھوڑتی ہے تو شکیل کو یہ سب کچھ اس لئے چھوڑنا پڑے گا کہ یہ تمام انتظام ان کی ہونے والی سسرال کی طرف سے ہے اور جب سسرال والوں کو یہ علم ہو جائے گا کہ شکیل کی تم سے شادی ہو چکی ہے تو وہ ان تمام چیزوں سے شکیل کو محروم کر دیں گے اور اس محرومی میں تم کو بھی شکیل کا شریک ہونا پڑے گا اس کے بعد تم کو واپسی کے اخراجات کے علاوہ یہ دس ہزار بھی نہ مل سکے گا لہٰذا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم یہ سودا کر کے اپنے کو اس پردیس میں تباہی سے بچا دو ——"

محبوب صاحب کے چہرے پر یکایک زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہماری پیٹھ ٹھونک کر بولے "شاباش۔ کیا ترکیب سوجھی ہے خدا کی ذات سے امید ہے کہ یہ نشانہ خطا نہ کرے گا اور اگر یہ نشانہ بھی چوک جائے تو پھر ہماری قسمت۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شکیل سے مس ولیم کو علیحدہ لیجا کر یہ گفتگو ہو گی کیونکر۔ اچھا سنو ایک ترکیب ہے۔ کل شکیل میرے ساتھ چیف جج سے ملنے جا رہے ہیں دس بجے کا وقت مقرر ہے ——

ہم نے کہا "اور یہ وقت میرے دفتر کا ہے ــــــــ"

محبوب صاحب نے ہمارے دفتر کو نہایت غیر اہم سمجھ کر فرمایا "اجی جہنّم میں گیا آپ کا دفتر۔ کل چھٹی لے لو اور دس بجے تم کوٹھی پہنچ کر اپنا کام شروع کر دو۔ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا۔ تمہارے ملنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ نہ مس ولیم تم کو جانتی ہے نہ شکیلؔ۔ تم ایک غیر جانبدار اجنبی کی طرح یہ گفتگو کر سکتے ہو اور بھئی میرا تو دل گواہی دے رہا ہے کہ تم کو یقیناً کامیابی ہوگی بات یہ ہے کہ جو رُخ تم نے گفتگو کا تجویز کیا ہے اس کے بعد سوائے اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ وہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کی طرح یہ رقم لے کر ہمارا راستہ صاف کر دے۔ مجھ کو شکیلؔ سے تو امید نہیں کہ وہ سمجھداری سے کام لے گا نہایت اُلّو کا پٹھا واقع ہوا ہے"

ہم نے ہنس کر کہا "

ثنائے خود بخود گفتن نہ می زیبد ترا صائب "

محبوب صاحب نے فرمایا "کیا مطلب۔ یار اس قسم کے نازک موقعوں پر فارسی نہ بولا کرو۔ ایک تو یوں ہی دماغ پریشان ہے اس پر سے ایک غیر ملکی زبان"

ہم نے کہا "مطلب یہ کہ صاحبزادہ کو اُلّو کا پٹھا کہنا گویا اپنے مُنہ میاں مٹھو کے مصداق ہے"

محبوب صاحب اس وقت لطائف وظرائف کے موڈ میں نہ تھے نہایت خشکی سے بولے "خیر۔ تو مطلب یہ کہ ایسا اس کو شیشہ میں اتار دو کہ بس وہ مان ہی جائے اور پھر اس کو جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نو دو گیارہ کر دیا جائے تم تصور نہیں کر سکتے ساجد بھائی کہ اس قصہ نے میرے دماغ کی کیا کیفیت کر دی ہے۔ یعنی میری زندگی میں یہ پہلا اتفاق ہے کہ عقل نے چکر کھا کر کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے بھائی صاحب کے تیور دیکھے۔ بھابی صاحبہ کا رخ دیکھا ان دونوں کو اس عورت کی طرف سے شک تو یقیناً ہے مگر ابھی سویرا ہے اس لئے کہ ابھی شک یقین نہیں بنا ہے بلکہ آج اگر موقع ملے تو بھائی صاحب سے باتوں باتوں میں کہہ دینا کہ میں نے سُنا ہے کہ شکیل صاحب اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ مس ولیم ریحانہ کو پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لیں۔"

ہم نے کہا "آپ کا یہ مشورہ غلط ہے میرے خیال میں ان کو شک ہی میں مبتلا رہنے دیجئے اگر اس سلسلہ میں صفائی کی کوشش کی گئی تو ان کو شبہ کے پختہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ چور کی داڑھی میں تنکے سے کیا فائدہ۔ مس ولیم اگر چلی ہی جائے گی تو شک خود بخود دُور ہو جائے گا اور اگر وہ خدانخواستہ نہیں جاتی تو پھر ہر عذر گویا عذر لنگ ثابت ہوگا۔ اگر وہ جانے پر تیار نہ ہوگی تو اس پر بھی تیار نہ ہوگی کہ گورنس بن کر فی الحال رہے۔"

محبوب صاحب نے کہا "اچھا بھائی جو تمہارا جی چاہے کرو، بیگم تو عقل ہی جواب دے چکی ہے"

ہم دوسرے دن چھٹی لے کر دس بجے کوٹھی جانے کا وعدہ کر کے محبوب صاحب سے رخصت ہوئے۔

# ۳۶

حکم حاکم، دوسرے دن بجائے ہمارے ہماری درخواست دفتر روانہ ہوئی اور ہم خود اپنی ڈیوٹی پر بنارسی باغ والی کوٹھی کی طرف چل دیئے جس وقت ہم کوٹھی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ شیخ صاحب کا موٹر تیزی سے گذرا جس پر محبوب صاحب کی جھلک بھی دکھائی دی اور اب جو موٹر کی طرف گھوم کر دیکھتے ہیں تو محبوب صاحب کا ہاتھ کار کے باہر نکلا ہوا ہماری طرف جنبش کر رہا تھا گویا ہم کو کوٹھی جانے کے لئے لائن کلیر دیا جا رہا تھا۔

کوٹھی میں داخل ہوتے ہی ایک بیرا نے بڑھ کر استقبال کرتے ہوئے پوچھا۔

"صاحب تو ابھی باہر گئے ہیں اپنے والد کے ساتھ۔"

ہم نے کہا "اور میم صاحب"

بیرا نے کہا "وہ موجود ہیں۔ آپ اپنا کارڈ دیں یا سلپ پر نام لکھ دیں تو میں اطلاع کر دوں۔"

کارڈ ہمارے پاس موجود تھا مگر اس پر نام کے علاوہ پتہ بھی لکھا ہوا تھا اور اتنی تفصیلات ہم بتانا نہ چاہتے تھے لہٰذا سلپ پر محض نام لکھ کر بیرا کو

دے دیا۔ بیرانے فوراً ہی واپس آکر ڈرائنگ روم کی چک اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ تشریف رکھئے میم صاحب ابھی آتی ہیں"

ہم ڈرائنگ روم میں پہنچکر ایک صوفہ پر بیٹھنے ہی والے تھے کہ مس ولیم نہایت شگفتگی کے ساتھ مسکراتی ہوئی داخل ہوئیں اور ہم کو بیٹھنے کی دعوت دے کر بیرا سے سگریٹ اور کچھ پینے کے لئے لانے کو کہہ کر نہایت شیریں انداز میں ہم سے مخاطب ہوئیں "آپ غالباً شکیل کے کوئی عزیز یا دوست ہیں - وہ ابھی چیف جج سے ملنے گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو ان کا انتظار کم سے کم دو گھنٹہ کرنا پڑیگا وہ اس سے جلد نہیں آسکتے ممکن ہے کچھ دیر ہی ہو جائے"

ہم نے کہا "میں دراصل مسٹر شکیل سے ملنے بھی نہیں آیا ہوں نہ ان کا دوست ہوں نہ عزیز ہوں تو آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنے کے خیال سے آگیا ہوں"

مس ولیم نے حیران ہو کر کہا "مجھ سے۔ مگر میں تو آپ کے لئے بلکہ شکیل کے علاوہ باقی اس ملک کی پوری آبادی کے لئے بالکل اجنبی ہوں ابھی چند دن ہوئے ہندوستان آئی ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ ان حالات میں آپ مجھ سے کیا خاص باتیں کر سکتے ہیں"

ہم نے کہا "آپ ان باتوں کو بیحد دلچسپ اور خاص اپنے سے متعلق

پائیں گی مگر میں اس گفتگو سے پہلے آپ کا یہ اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ یہ گفتگو بس میرے اور آپ کے درمیان رہے گی یعنی آپ شکیل صاحب سے یہ گفتگو نہ دُہرائیں گی ورنہ مجھ کو یقین ہے کہ مجھ سے زیادہ خود آپ کو نقصان پہنچ جائیگا؟"

مس ولیم نے ہم کو غور سے دیکھتے ہوئے مگر نہایت جرأت اور صاف گوئی کے ساتھ کہا " دیکھئے مسٹر میں آپ سے اس بات کا بالکل وعدہ نہیں کر سکتی اس لئے کہ یہاں میرے تنہا ہمراز شکیل ہیں اور ظاہر ہے کہ مجھ کو شکیل پر جو اعتماد ہو سکتا ہے وہ آپ پر نہیں ہو سکتا تاہم آپ گفتگو کیجئے شاید اس گفتگو ہی سے مجھ کو اندازہ ہو سکے کہ آپ کی اس احتیاط کا کیا مطلب ہے"

ہم نے کہا " آپ کی اس بیباکی اور سچائی کی میں بیحد قدر کرتا ہوں اور اسی سچائی کے ساتھ خود بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں میں دراصل آپ کے ساتھ کوئی ہمدردی کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ خود میری ایک ایسی غرض وابستہ ہے کہ میں بغیر آپ کو اصل واقعات بتائے نہ خود فائدہ اُٹھا سکتا ہوں اور نہ آپ کو اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کتنے بڑے فریب میں مبتلا ہو کر یہاں آئی ہیں۔ شکیل صاحب نے یہاں آکر آپ کے متعلق سب کو یہ یقین دلایا ہے کہ آپ محض ان کی ہم سفر ہیں اور چند دن مہمان رہ کر واپس چلی جائیں گی مگر شکیل صاحب کی سب سے بڑی بیوقوفی یہ ہے کہ وہ اپنے کو عقلمند سمجھ کر باقی سب کو بیوقوف سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہم لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ آپ مہمان نہیں

ہیں بلکہ ——

مس ولیم نے بات کاٹ کر کہا "بیشک بیشک میں مہمان نہیں ہوں شکیل نے مجھ کو بھی یہ سمجھایا ہے کہ میں چند دن اپنے کو مہمان کی حیثیت سے پیش کروں تاکہ وہ اپنے ناسمجھ ہندوستانی رشتہ داروں کی رائے ہموار کرنے میں کامیاب ہو جائیں ان کا خیال یہ ہے کہ اگر وہ ایک دم سے یہ بات کہدیں گے کہ میں ان کی بیوی ہوں تو ان کے عزیزوں پر گویا ایٹم بم گر پڑے گا وہ مجھ کو ولایت سے یہ بات سمجھاتے ہوئے آئے ہیں کہ رفتہ رفتہ اس شادی کا راز کھولا جائے گا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھی کہ آپ اس کو فریب کیوں کہہ رہے ہیں شکیل تو خود مجھ کو سمجھا چکے ہیں کہ اختلافِ قومیت اختلافِ رنگ و نسل اور اختلافِ مذہب کو شادی کے سلسلہ میں ہندوستان کے جُہلا برداشت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ کہ مناسب موقعوں پر ان کو بہلا پھُسلا کر ہموار نہ کر لیا جائے۔ میں شکیل کی نازک پوزیشن کو سمجھ چکی ہوں اور یہ دروغِ مصلحت آمیز میرے علم میں تراشا گیا ہے لہذا فریب کا کوئی سوال ہی نہیں"

ہم نے کہا "آپ کا نام مس ولیم ظاہر کیا گیا ہے خدا جانے یہ بھی سچ ہے یا جھوٹ بہرحال میں آپ کو مس ولیم ہی کہونگا ——"

مس ولیم نے کہا "سچ تو یہ بھی ہے مگر جب اس سے بڑا سچ آپ کو معلوم ہے تو آپ مسز شکیل کیوں نہیں کہتے"

ہم نے کہا "میری گفتگو سننے کے بعد شاید آپ خود اپنے کو مسز شکیل کہلواتے ہوئے شرمائیں گی۔ میں مختصر طور پر آپ کو تمام حالات بتائے دیتا ہوں جو یقیناً آپ کی توقعات کے خلاف ہوں گے۔ جن صاحب کے ساتھ شکیل اس وقت گئے ہیں وہ ان کے والد ہیں اس کا تو آپ کو علم ہی ہوگا اور ان کے علاوہ جو بڑے میاں شکیل کے چچا جان کہلاتے ہیں وہ شکیل کے رشتہ کے چچا بھی ہیں اور شکیل کے ہونے والے خسر بھی!"

مس ولیم نے چونک کر کہا "ہونے والے خسر؟ کیا مطلب!"

ہم نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا "آپ بات بات پر اسی طرح چونکیں گی جی ہاں ہونے والے خسر۔ ان ہی بزرگ نے شکیل کو ولایت بھیجا تھا تاکہ ان کا ہونے والا داماد بیرسٹری کر کے آجائے۔ ان ہی بزرگ کی یہ کوٹھی ہے جس میں اس وقت آپ موجود ہیں۔ ان ہی بزرگ کی طرف سے یہ سب شان و شوکت کے انتظامات ہیں جو آپ کو یہاں نظر آرہے ہیں اور یہ سب کچھ محض اس لئے ہے کہ ان کی لڑکی سے شکیل کی شادی ہونے والی ہے اب اگر اُن بزرگ کو یہ معلوم ہو جائے کہ شکیل آپ کے ساتھ شادی کر چکے ہیں تو وہ اپنی لڑکی کو ہرگز شکیل سے منسوب نہ کریں گے اور جب وہ یہ ارادہ ہی ترک کر دیں گے تو شکیل کو نہ اس کوٹھی میں رہنے کا حق ہوگا نہ شکیل ان ملازموں کا بوجھ اُٹھا سکیں گے نہ یہ شان باقی رہے گی نہ یہ شوکت۔ موٹر۔ کوٹھی۔ ملازم۔ کوٹھی کا تمام سامان سب

کچھ ان کو چھوڑنا پڑے گا اور اپنی ذاتی زندگی وہ نہایت معمولی طریقہ پر بسر کرنے پر مجبور رہوں گے ـــــ"

مس ولیم کی آنکھیں وحشت میں کھلی کی کھلی رہ گئیں اس نے نہایت سہمے ہوئے انداز میں کہا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر"

ہم نے کہا "میری صداقت کا اندازہ آپ کو خود بخود ہو جائے گا۔ اس وقت دراصل مجھ کو ان کے والد ہی نے آپ کے پاس بھیجا ہے اس لئے کہ خود ان کے والد کی تمام امیدیں شکیل کی اسی شادی سے وابستہ ہیں جو بحالت موجودہ ناممکن ہے۔ گویا محض آپ کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے سونے کی چڑیا اُڑی جاتی ہے۔ وہ اس کے لئے تیار ہیں کہ آپ ان سے اپنی واپسی کے تمام اخراجات کے علاوہ دس ہزار روپیہ نقد لے لیں اور شکیل کو اس شادی کے لئے آزاد کر دیں۔"

مس ولیم نے کہا "آپ کی اس گفتگو نے مجھ کو نہ کچھ سمجھنے کے قابل رکھا ہے نہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل۔ تو کیا شکیل کا یہ بیان غلط تھا کہ وہ لکھنؤ کے سب سے بڑے رئیس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس نے ولایت میں نواب لکھنؤ کے نام سے شہرت حاصل کی نوابوں کی طرح وہ وہاں رہا نوابوں کی طرح روپیہ اُڑایا اور یہاں آکر بھی مجھ کو یہی یقین دلایا کہ یہ کوٹھی اس کی ذاتی ہے۔ کیا وہ اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے۔"

ہم نے ہنسکر کہا "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں جھوٹ اور سچ کا فیصلہ تو خود بخود ہو جائے گا نہ اپنے بیان کو سچ ثابت کرنے کی مجھ کو ضرورت ہے نہ اتنی فرصت، میں تو مختصراً آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں میرا اس سلسلہ میں ذاتی فائدہ کیا ہے۔ میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ واپسی کے اخراجات اور دس ہزار کی رقم قبول کر کے خدا کے لیئے واپسی کا ارادہ نہ کریں گے ورنہ ایک بے زبان لڑکی کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ یہ رقم بلکہ اس سے زیادہ تو آپ کو ہر حالت میں مل ہی سکتی ہے ان حضرت نے آپ سے قانونی شادی کی ہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے مگر آپ کے چلے جانے یا شکیل کو چھوڑ دینے کا ایک ناگوار نتیجہ یہ ہوگا کہ اس بے گناہ لڑکی کے ساتھ اس سراپا فریب کی شادی ہو جائیگی میں دراصل اس لڑکی کا پیامی ہوں اور آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ کسی مالی پیشکش کو قبول کر کے اس قصہ کو خاموشی کے ساتھ ختم نہ کر دیجئے گا آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے تو آپ روپیہ بھی لے سکتی ہیں اور انتقام بھی۔"

مس ولیم نے ایک دم سرخ ہو کر کہا "اگر یہ سچ ہے تو میں بھی شکیل کو وہ مزا چکھاؤں گی کہ زندگی بھر کے لیئے اس کو سبق مل جائے میں روپیہ چاہے نہ بھی لوں مگر انتقام تو ضرور لوں گی۔"

ہم نے کہا "بہر صورت اس آگاہی کے بعد آپ کو ذرا ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے میں آج شکیل کے والد سے جا کر کہے دیتا ہوں کہ آپ نے اس

پیشکش کو نامنظور کر دیا ہے"۔

مس ولیم نے کہا "یقیناً کہہ دیجئے بلکہ اگر اجازت دیجئے تو میں خود شکیل کی عدم موجودگی میں ان سے کہہ دوں"۔

ہم نے کہا "یہ اور بھی اچھا ہے گا اس طرح آپ کو میری صداقت کا بھی اندازہ ہو سکے گا اور شکیل کے والد کو بھی حالات کی نزاکت کا اندازہ ہو گا"۔

موٹر کی آواز سُن کر ہم دوسرے راستہ سے نکل گئے۔

# ۳۷

ہم دفتر سے آ کر چلمچی میز سجائے ہوئے بیٹھے ہی تھے کہ محبوب صاحب نہایت سراسیمگی کے عالم میں تشریف لائے اور نہایت خاموشی کے ساتھ ہم کو ساتھ لے کر سڑک پر آ گئے جہاں ان کا تانگہ منتظر تھا۔ ہم کو زبردستی تانگہ پر بٹھایا گیا اور وکٹوریہ پارک پہنچ کر محبوب صاحب نے ہم کو ایک طرف لیجا کر ایک بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا "ساجد میاں اب میرے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہا ہے کہ میں اعتراف شکست کر کے یا تو کسی طرف کالا مُنہ کر جاؤں یا کچھ کھا کر سو رہوں "!

ہم نے غور سے محبوب کو دیکھتے ہوئے کہا "پھر وہی بزدلی کی بات آپ کا ایسا مرد میدان اور ذراسی آزمائش میں یہ گھبراہٹ۔ آخر معلوم تو ہو کہ معاملہ کیا ہے "!

محبوب صاحب نے نہایت کمزور آواز میں کہنا شروع کیا "آج شکیل کے غسل خانہ جانے کے بعد اس میم نے مجھ سے کہا کہ شکیل ابھی کسی بیرسٹر سے ملنے جا رہے ہیں مگر آپ ان کے ساتھ نہ جائیے گا مجھے آپ سے کچھ باتیں ان کی

عدم موجودگی میں کرتا ہیں۔ میں سمجھا کہ تمہاری گفتگو کے زیر اثر وہ مجھ سے سودا کرے گی لہٰذا شکیل کی روانگی کے بعد میں ٹھہر گیا۔ اب اس نے کہہ بدکر یہ کہ پہلے تو ان تمام باتوں کی تصدیق کی جو تم نے اس سے کہی ہوں گی کہ کیا یہ واقعہ ہے کہ شکیل اپنے ہونے والے خُسر کی اعانت سے ولایت گئے تھے میں نے صاف صاف جیسا کہ ہم دونوں میں طے ہو چکا تھا تمام قصّہ اس کو سنا دیا کہ میں خود نہایت غریب آدمی ہوں میری اتنی حیثیت نہیں کہ میں اپنے لڑکے کو ولایت بھیجتا میرے رشتہ کے بھائی کی لڑکی سے شکیل کی نسبت طے ہوئی لہٰذا اُن ہی کے اخراجات سے وہ ولایت گیا اور اب بھی اُن ہی کی یہ کوٹھی ہے ان ہی کا یہ سب سازوسامان۔ موٹر۔ ملازم وغیرہ ہیں اور اگر شکیل کو تم نے نہ چھوڑا تو شکیل کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ میری آخری پونجی دس پندرہ ہزار روپیہ ہے وہ میں سب سمیٹ کر تم کو دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم شکیل کو چھوڑ دو۔ صاحب یہ سُننا تھا کہ وہ آگ بگولہ ہو گئی اس نے ایسا آڑے ہاتھوں مجھ کو لیا ہے کہ میں کیا کہوں۔ اس نے آخر صاف صاف کہہ دیا کہ میری اور شکیل کی شادی قانونی طور پر ہوئی ہے جو روپیہ تم رشوت کے طور پر مجھ کو دینا چاہتے ہو وہ تو میں اپنے حق کے طور پہلے ہی لے سکتی ہوں مگر شکیل نے جو دھوکا مجھ کو دیا ہے اس کا انتقام لیے بغیر بھی نہیں رہ سکتی۔ میں نے بیحد خوشامد کی ہر طرح اس کو سمجھایا مگر وہ تو زخمی شیرنی

کی طرح بپھری ہی جاتی تھی مجھ کو تو اپنی جان بچانا دوبھر ہو گیا۔"

ہم نے گویا حیران ہو کر کہا "پھر اب کیا ہو گا۔ ڈانٹا تو اس نے مجھ کو بھی بہت تھا مگر قبل اس کے کہ وہ مجھ پر حملہ کرے آپ لوگ واپس آگئے اور میں گفتگو کو اُدھورا چھوڑ کر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔"

محبوب صاحب نے کہا "مگر تم سے تو وہ اتنی خفا نہیں معلوم ہوتی اس لئے کہ مجھ سے کہا ہے کہ ان صاحب کو ذرا میرے پاس کسی ایسے وقت بھیج دیجئے گا جب شکیل موجود نہ ہو اور جب میں چلنے لگا تو اس نے کہا کہ کل شام کو شکیل کلب کے ڈنر میں جائیں گے میں طبیعت کی بے کیفی کا بہانہ کر کے نہ جاؤں گی ان صاحب کو اسی وقت بھیج دیجئے گا میں ان سے ذرا گفتگو کرنے کے بعد آپ کو جواب دے سکتی ہوں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتائے دیتی ہوں کہ یہ دس پندرہ ہزار کی رقم میرے جذبۂ انتقام کو سرد نہیں کر سکتی میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی مجھ کو بھی کیا شکیل نے کوئی ہندوستانی لڑکی سمجھ رکھا تھا کہ نہ میں منہ سے بولوں گی ......... نہ سر سے کھیلوں گی وہ میرے ساتھ دغابازی کریں گے اور میں خاموشی کے ساتھ اس کو برداشت کر لوں گی۔"

ہم نے کہا "خدا کے واسطے میرے حال پر رحم کیجئے مجھ کو کل ہی اس نے مارتے مارتے چھوڑ دیا تھا غالباً اب پھر اسی لئے بلایا ہے کہ ذرا میری مرمت کرے۔ مجھے تو اس عورت سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

محبوب صاحب نے کہا "کیا بتاؤں دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس نالائق کو چھوڑ چھاڑ کر خود کنارہ کش ہو جاؤں بھائی صاحب سے کہہ دوں کہ میں اب کچھ نہیں جانتا وہ اس کو کوٹھی سے نکال باہر کریں اور میم صاحبہ چوہے پر اس نابکار کی جوتہ کاری کریں وہ ان حضرت کو ایسا مزہ چکھائے کہ چھٹی کا دودھ زبان پر آجائے مذاق نباشد انگریز عورت ہے یہاں سے ولایت تک زمین آسمان ایک کر دے گی اور صاحب بہادر کی تمام اکڑ دھری رہ جائے گی۔"

ہم نے کہا "مگر اس کے تیوروں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب بھی یہی کرے گی اگر اس نے خدانخواستہ یہ طوفان اٹھایا تو شیخ صاحب قبلہ تو فوراً نسبت سے انکار کر کے اپنا دست تعاون کھینچ لیں گے اور پھر یہ میم شکیل صاحب بیچارے کی زندگی تلخ کر دے گی۔"

محبوب نے پریشان ہو کر کہا "بھیا کل تم کو بلایا ہے خدا کے واسطے چلے جانا اور اس کو سمجھانا، مشکل تو یہ ہے کہ میں اس کو نہ سمجھا سکتا ہوں نہ اس کی سمجھ سکتا ہوں وہ شکیل سے سنی سنائی اردو میں خدا جانے کیا کہتی ہے اور میں اپنی لنگڑی لولی انگریزی میں نہ جانے کیا بکتا ہوں آج تو وہ بات کرتے کرتے ایکدم بڑی زور سے ہنس پڑی میری انگریزی پر اس نے مجھ سے کہا " کیا تم مانگتا ہے ہم شکیل چھوڑ دے"۔

میں نے کہا "یس سر" بس یہ سنتے ہی وہ ہنسی کے مارے لوٹ گئی بعد

ہیں اس نے کہا کہ لیڈی کو سر نہیں کہا جاتا اب بھلا میں کیا جانوں کہ سر کس کو کہا جاتا ہے اور پیر کس کو آخر اس کو بڑی مشکل سے سمجھایا کہ اگر آپ میری ساری رقم لے کر شکیل کو چھوڑ دیں گی تو میں آپ کا بڑا "تھینک یو ہونگا"۔ بس جناب اس نے پھر ہنسنا شروع کیا اور ہنستے ہنستے ایکدم اس کو غصہ آگیا اور لگی مجھ کو ڈانٹنے کچھ انگریزی میں مطلب کہنے کا یہ کہ نہ میں اس کو سمجھا سکتا ہوں نہ وہ مجھ کو سمجھا سکتی ہے۔ تم کم سے کم اس سے پوری بات تو کہہ سکتے ہو اور اس کی بات سمجھ تو لو گے بھائی میرے یہ آخری کوشش بھی کر دیکھو اس کے بعد تو جو کچھ قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہی ہوگا"۔

ہم نے کہا "مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ روپیہ لیکر پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں اور یہ وہ بالکل سچ کہتی ہے کہ یہ رقم تو اس کو مل ہی جلنے گی مگر وہ اس کے علاوہ انتقام بھی لے گی اس کا میرے پاس کیا جواب ہے"۔

محبوب نے کہا "جواب تو کچھ نہیں ہے مگر خوشامد سے تو خدا بھی راضی ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس نے تم کو بلایا ہے کہ میں ان سے بات کر کے کوئی آخری جواب دوں گی گویا ابھی امید قائم ہے۔ ساجد میاں تم نے میرا ہر حال میں ساتھ دیا ہے یہ سمجھ لو کہ یہ وقت مجھ پر پڑ گیا ہے خدا جانتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس ناخلف کو گولی سے اڑا دوں۔ راتوں کی نیند غائب ہے۔ تمہاری بھابی کا یہ حال ہے کہ روتے روتے آنکھیں غریب نے سجا لی ہیں۔ وہ ٹھہری مامتا کی ماری ماں، اس کا

جی چاہتا ہے کہ بیٹے کو کلیجے سے لگائیے اور بیٹے کا یہ حال کہ ماں کو ماں کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں اور اس میم کے سامنے محجوب سے ہو جاتے ہیں اس خیال سے کہ یہ ہندوستانی عورت ان کی ماں ہے ان کو تو گویا میری پکفورڈ کا بچہ ہونا چاہئے تھا۔ اور ڈگلس فیر بنیک ہوتے ان کے والد ماجد تو وہ بہت سرخرو ہوتے۔ قسم خدا کی اگر مجھ کو یہ اندازہ ہوتا تو کبھی اس مردود کو ولایت نہ بھیجتا۔ اس کا تو ایسا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ کل ہی غریب ماں کو کھانے کی میز سے اُٹھا دیا کہ تم ہاتھ سے کھانا کھاتی ہو تو میز پہ سب کے ساتھ نہ کھایا کرو یہ نہایت گندگی ہے۔ گندگی بقول گیا اپنی کہ کھرّی چارپائی پہ بیٹھ کہ ارہر کی دال اور چاول سوندا کرتا تھا بیٹھا ہوا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کیا حال ہوا ہوگا اس ارمان بھری ماں کا اس طرز عمل کے بعد"

ہم نے واقعی اس واقعہ کو سنکر کانوں پہ ہاتھ رکھ کہ کہا "معاف کیجئے گا محبوب صاحب اس واقعہ کے بعد بھی آپ کا ان حضرت سے ملنا سوائے بیعزتی کے اور کچھ نہیں ہے تو بہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر میرا لڑکا ایسی حرکت کرے تو میں اس کو اپنی فرزندی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دوں۔ اس قسم کی بیہودگی کا جواب جوتے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا"

محبوب صاحب نے کہا "ٹھیک کہتے ہو مگر میری حالت کی نزاکت کا تو اندازہ کرو کہ مجھ کو بھائی صاحب کی نظروں میں سرخرو ہونے کی تمنّا ہے"

ہم نے غصّہ سے کہا "اجی جہنّم میں گیا آپ کا سرخرو ہونا" مگر فوراً ہی ہم کو

خیال آگیا کہ یہ تو در اصل قدرت ان لوگوں سے انتقام لے رہی ہے ان جرائم کا جو یہ بے گناہوں کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں دوسرے ہمارا کام ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرنا تو ہے ہی نہیں لہٰذا فوراً اپنے کو سنبھال کر بولے۔
"بہر صورت میں کل چلا جاؤں گا اور امکانی کوشش کرونگا کہ بیگم صاحب کوئی طوفان نہ اُٹھائیں"
محبوب صاحب نے کہا "میرے پاس واقعی اس وقت پندرہ ہزار سے زیادہ روپیہ نہیں ہے لیکن اگر تم نے روپیہ کے سلسلہ میں معاملہ خراب ہوتے دیکھا تو اس سے کچھ دو چار ہزار زیادہ پہ بھی سودا کرنے کا تم کو اختیار ہے۔ بیوی کا زیور وغیرہ میں سب اس سلسلہ میں قربان کر سکتا ہوں۔ اس لئے کہ ریحانہ سے شادی کے بعد مجھ کو سب واپس مل جائے گا"
ہم نے دل ہی دل میں ریحانہ سے شادی کے تصور پہ ان کو بُرا بھلا کہہ کر کہا
"انشاءاللہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا وہ ضرور کروں گا"
اس طرف سے اطمینان کرنے کے بعد پارک کے گوشہ سے محبوب صاحب نکلے اور تانگے پہ ہم کو ہمارے یہاں چھوڑتے ہوئے آپ بالا ہی بالا بغیر شیخ صاحب سے ملے ہوئے روانہ ہو گئے آجکل وہ شیخ صاحب سے آنکھ چار کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور شیخ صاحب اپنی جگہ پہ ان باپ بیٹے سے بیزار تھے عجیب انتشار پیدا کر رکھا تھا تشکیل صاحب نے۔

ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ یہ نسخہ آگیا تھا کہ ہسپتال سے اُلجھے اور دفتر آکر ہم کو گرفتار کر لیا ان کو معلوم تھا کہ آجکل ہم کن مصروفیات میں مبتلا ہیں لہٰذا سمجھدار آدمی کی طرح ان کو ہم سے یہ شکایت نہ تھی کہ ہم اُن کے یہاں کیوں نہیں پہنچتے اور ناسمجھ انسان کی طرح خواجہ صاحب کو گویا یہ چھیڑنے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ چنانچہ آج بھی ڈاکٹر صاحب نے دفتر پہنچکر ہمارے کمرے میں خواجہ صاحب کے ساتھ تشریف لاتے ہوئے کہا "السلام علیکم بھائی جان" مگر خواجہ صاحب نے فرمایا:-

"یہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے"

ہم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا "جی ؟ میں سمجھتا نہیں جناب کی اس سخن سنجی کا مطلب۔ کون رشک مسیحا ہے۔ کس کے مکان کا ذکر ہے جس کی زمین چہارم آسمان ہے"

خواجہ صاحب نے بدستور حماقت کے ساتھ فرمایا:-

"چہ حاجت کہ نہ کرسئ آسماں    نہی زیر پائے قزل ارسلان"

ہم نے کہا "لیجئے اب فارسی میں دماغ خراب ہُوا۔ کون ہے قِزل ارسلان؟ کس کے ظہیر فاریابی واقع ہوتے ہیں آپ"

ڈاکٹر صاحب نے اب تک تو مُسکرانے کا سلسلہ جاری رکھا مگر اب تضیع اوقات اور دقت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا "خواجہ صاحب اب اگر اجازت ہو تو آپ کے قزلِ ارسلان صاحب یا رشکِ مسیحا صاحب سے ایک آدھ بات میں بھی کر لوں"

ہم نے کہا "مگر میں ان سے یہی تو پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر کس جرم میں قزل ارسلان یا رشکِ مسیحا کے خطابات عطا ہوتے ہیں"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "کمال کرتے ہیں آپ بھی یعنی ان کی کسی بات کی وجہ سمجھنے کی کوشش فرما رہے ہیں خصوصاً ایسے خطرناک موقع پر جبکہ یہ حضرت اشعار پڑھ رہے ہوں۔ میں تو ہمیشہ اس قسم کے موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس غریب پر رحم فرمائیے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس کے!"

خواجہ صاحب نے ہنسکر کہا "بدمعاش ہیں آپ!"

ڈاکٹر صاحب نے بدستور سنجیدگی سے کہا "دیکھ لیا آپنے اشعار پڑھنے کا نتیجہ۔ گالیوں پر اُتر آئے ہیں اس کے بعد مار دھاڑ شروع کر دینگے"

ہم نے کہا "واقعی خدا رحم کرے"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "خیر چھوڑیئے اس ذکر کو سنا ہے کہ والد صاحب قبلہ

نے شکیل صاحب کے بنگلہ پہ جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

خواجہ صاحب نے کہا "لاحول ولا قوۃ۔ نہایت باسی خبر ہے یہ تو، آجکل تو حالات اس تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ ہر دو منٹ کے بعد تمام سیاسی نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ پرسوں تو جناب کی سیاسی مصروفیات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ آپ کو دفتر سے چھٹی لینا پڑی اور میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر جناب کی مصروفیات کا یہی عالم ہے تو شاید ملازمت کو خیر باد کہنا پڑیگا اب دیکھ لیجئے نا کہ ہمارے جتنے سیاسی لیڈر رہیں وہ صرف لیڈری کرتے ہیں کوئی ملازمت۔ تجارت یا کاروبار نہیں کرتے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "اس چھٹی لینے کی بھی اطلاع ملی تھی مجھ کو واقعی آجکل کام بہت بڑھ گیا ہے شاید۔ کچھ تو ہم کو بھی سنائیے نا۔"

ہم نے شروع سے آخر تک کے تمام حالات نہایت تفصیل سے ڈاکٹر صاحب کو سنا دیئے مگر جب ہم اس ذکر پر پہنچے کہ محبوب صاحب ہم کو بلا کر لے گئے اور ہم سے کہا کہ ہم مس ولیم سے مل کر اس بات کی کوشش کریں کہ وہ واپسی کے اخراجات کے علاوہ دس ہزار کی رقم لے کر شکیل کا پیچھا چھوڑ دے تو خواجہ صاحب نے نہایت تشویش سے کہا:-

"کہیں آپ نے یہ عقلمندی تو نہیں فرمائی کہ واقعی یہ کوشش شروع کردی ہو۔"

ہم نے جل کر ڈاکٹر صاحب سے کہا" صاحب یہ اب ذاتیات پہ اُتر آئے ہیں اور اپنے آئینہ میں میری صورت دیکھ رہے ہیں میں اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا آپ ان کو سمجھائیے۔ یعنی میں ان کے نزدیک گویا ایسا گدھا ہوں کہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتا۔ اجی صاحب میں نے تو مس ولیم سے مل کر پہلے تو یہ معلوم کیا کہ واقعی اس کی شادی شکیل سے ہو چکی ہے ———"

ڈاکٹر نے اچھل کر کہا" ہو چکی ہے نا؟ شاباش۔ اچھا۔ اچھا۔ پھر"

ہم نے کہا" پھر میں نے اس کو تمام حالات سچ سچ بتا دیئے کہ شکیل صاحب کی اصلیت کیا ہے اور یہ جو کچھ شان و شوکت دکھائی دے رہی ہے وہ کس حد تک عارضی ہے اور کس کی جوتیوں کے طفیل میں ہے پھر اس کو بتایا کہ جس وقت شیخ صاحب کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ شکیل تم سے شادی کر چکے ہیں اس کے بعد نہ یہ کوٹھی نہ یہ موٹر نہ یہ بیرے نہ خانساماں"

خواجہ صاحب نے خوش ہو کر کہا" بہت گھبرائی ہو گی بیچاری"

ہم نے کہا" بالکل قدرتی طریقہ پہ اس کو پہلے تو میرے بیان کا یقین نہ آیا مگر جب میں نے اس کو یقین دلانے کی کوشش کرنے کے بجائے یہ بتایا کہ میری صداقت کا اندازہ تم خود کر لو گی تو اس نے نہایت غصہ سے کہا کہ اگر یہ باتیں سچ ہیں تو میں بھی کوئی ہندوستانی لڑکی نہیں ہوں کہ چپ ہو رہوں میں تو مزاج درست کر دوں گی ان حضرت کا۔ اس نے بتایا کہ شکیل صاحب ولایت میں

نواب لکھنؤ کے نام سے مشہور تھے نوابوں کی طرح روپیہ صرف کرتے رہے اور اسی آن بان سے رہ کر واپس آئے اور یہی یقین دلا کر اس بیچاری کو ساتھ لائے ہیں "

ڈاکٹر صاحب نے کہا "قصہ پُر لطف ہوتا جا رہا ہے مگر میں تو یہ سننے کے لئے بیقرار ہوں کہ محبوب نے جو سودا کرنا چاہا ہے اس کا ذکر بھی آپ نے کیا یا نہیں اور اگر کیا ہے تو کس رنگ میں "

ہم نے کہا "میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ کو اس وقت شکیل کے والد نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ اس تباہی میں شکیل کی شرکت کرنے کے بجائے واپسی کے اخراجات کے علاوہ دس ہزار روپیہ نقد لے کر واپس چلی جائیں "

خواجہ صاحب نے نہایت بُرا مان کر کہا "ڈبو دی لٹیا۔ لاحول ولاقوۃ"

ہم نے ڈانٹا "چپ رہو جی تم کیا جانو ان باتوں کو۔ ہاں صاحب تو میں نے اس پیشکش کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ جو رقم آپ کو پیش کی گئی ہے وہ تو آپ اپنے حق کے طور پر لے ہی سکتی ہیں رشوت کے طور پر کیوں لیں مگر اس وقت یہ غضب نہ کیجئے گا کہ شکیل کو چھوڑ کر چل دیں، آپ کو چاہیئے کہ ان باتوں میں ہرگز نہ آئیں اور واقعی شکیل سے دغابازی کا پورا انتقام لیں "

خواجہ صاحب نے اچک کر کہا "ول ڈن۔ مجھ کو تجھ سے اس عقلمندی

کی امید نہ تھی"۔

ہم نے کہا "خیر یہ تحسین ناشناس ہے"۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا "اور ادھر بھی سکوتِ سخن وشناس ہے فی الحال، اس لئے کہ میں قصّہ کی دلچسپی میں گم ہوں"۔

ہم نے قصہ جاری رکھتے ہوئے ایک ایک بات نہایت تفصیل سے بتا دی کہ پھر کس طرح اس نے محبوب صاحب کی خبر لی اور ہمارے بیان کی محبوب صاحب سے تصدیق کرنے کے بعد اس نے محبوب صاحب کو کیسا آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ان کی پیشکش کو کس طرح ٹھکرایا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ مس ولیم نے آج پھر ہم کو بلوایا ہے اور محبوب صاحب نے بیحد خوشامد کی ہے کہ خدا کے واسطے مس ولیم سے مل لو اب تو وہ دس ہزار کی جگہ پندرہ ہزار کا ذکر کرنے لگے ہیں اور مجھ کو یہ بھی اختیار دے دیا ہے کہ میں دو چار ہزار اس سے بھی زیادہ کر کے معاملہ طے کر سکتا ہوں گویا وہ اس مقصد کے لئے بیس ہزار تک خرچ کرنے کو تیار ہیں مگر مس ولیم انشاءاللہ اب کسی رقم پہ راضی نہ ہوگی اس کو تو انتقام کی فکر ہے"۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ سے آج ہی شام کو ملنے کی کوشش کی جائے جب آپ مس ولیم سے مل کر واپس آئیں تو کیوں نہ ساتھ میں کھانا کھایا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس دلچسپ ملاقات کی رو داد آخر کیسے

معلوم ہو گی اور بغیر یہ روداد معلوم کئے نیند کیسے آئے گی آج رات "

ہم نے کہا " یہ پروگرام نہ بنائیے۔ بات یہ ہے کہ مس ولیم کے یہاں سے واپسی پر محبوب مجھ کو گرفتار کرنے کی کوشش کریگا ظاہر ہے کہ اس کا اشتیاق آپ سے کہیں زیادہ ہے یعنی آپکے یہاں تو صرف اشتیاق ہے اور وہ اس منزل سے گذر کر اضطراب میں مبتلا ہے "

خواجہ صاحب نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے کہا " قسم خدا کی اگر ولایت میں پیدا ہوتا تو لوگ میرا جلوس نکالتے میرے نام کے نعرے بلند کرتے اور مجھ کو نوبل پرائز دیتے مگر بدقسمت ہوں کہ ہندوستان میں پیدا ہوا ہوں اور صحبت نصیب ہوئی ہے آپ لوگوں کی "

ہم نے ڈاکٹر سے کہا " ذرا نبض تو دیکھئے میں آئس کیپ منگاتا ہوں میرے نزدیک یہ سرسامی کیفیت ہے "

خواجہ صاحب نے ڈانٹا " وہ ترکیب ذہن میں آئی ہے کہ طبیعت خوش ہو جائے گی۔ سنو۔ اب تم محبوب کو یہ رائے دو کہ وہ اختر زماں کو مس ولیم سے اُلجھا دے "

ڈاکٹر نے کہا " کیا مطلب "

ہم نے کہا " ٹھہرو تو سہی تجویز نہایت معقول ہے یہ خود بھی شاید نہ سمجھے ہونگے کہ اس تجویز سے کتنا فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے اختر زماں کی شادی مرزا معصوم علی

کی لڑکی سے وہ کرانا نہیں چاہتا۔ شکیل کو مس ولیم سے چھوڑانا چاہتا ہے لہذا وہ اس کے لئے فوراً تیار ہو جائے گا۔ اختر زمان کا کیا حال ہے ان کے پاس تو ایک نیلامی دل ہے جس کے نام بھی چھوٹ جائے رہ گئی مس ولیم وہ اس سازش میں ہمارا ساتھ دے گی ہیں اس اسکیم کو سجا کر آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں گا۔"
عین اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی سیکرٹری صاحب نے طلب کیا تھا لہذا ہم ڈاکٹر اور خواجہ سے اجازت لے کر ادھر چلے گئے۔

# ۳۹

دفتر سے گھر پہنچکر غسل کر کے نکلے ہی تھے کہ محبوب صاحب کا پرچہ لئے ان کے ملازم کو منتظر پایا۔ ہم نے پرچہ لے کر پڑھا :۔

"عزیزی ساجد میاں۔ خدا کے واسطے اس وقت مس ولیم کے پاس جانا نہ بھولنا اور خواہ وہاں سے کسی وقت تم کو چھٹی ملے مجھ سے ملتے ہوئے گھر جانا۔ تشکیل سات بجے گھر سے روانہ ہو جائیگا لہذا تم سوا سات بجے تک مس ولیم کے پاس پہنچ جانا اور یہ تاکید ہے کہ وہاں سے واپسی پر میرے پاس ہوتے ہوئے جانا۔

محبوب"

ہم نے پرچہ کا مناسب جواب دے کر ملازم کو رخصت کیا اور چونکہ اب چھ بج چکے تھے لہذا جلد جلد چاء وغیرہ سے فارغ ہو کر اور سلمیٰ سے ادھر اُدھر کی ایک آدھ بات کر کے تیار ہونا شروع کر دیا۔ سلمیٰ نے کہا بھی کہ آپ بالکل آرام نہیں کرتے یہ اچھی بات نہیں ہے مگر ہم نے اس کو مطمئن کر دیا کہ اس وقت اگر آرام کیا گیا تو تمہاری سہیلی کی خیر نہیں دوسرے محبوب کا

جادو جو خود اُس پر اُلٹنے والا ہے چل جائے گا اب تو وہ ہر طرف سے پھنس چکا ہے اور یہی وقت ذرا محنت کا ہے میرے لئے۔ سلمیٰ بھی سمجھتی تھی کہ ہمارا جہاد کس قدر اہمیت رکھتا ہے لہٰذا وہ چپ ہو رہی اور ہم وقت مقررہ پر بنارسی باغ والی کوٹھی کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ ٹھیک سوا سات بجے ہم کوٹھی کے دروازے پر تھے۔ مس ولیم غالباً ہمارے ہی انتظار میں ٹہل رہی تھیں ہم کو دیکھتے ہی خیر مقدم کے لئے خود بڑھیں اور ہم کو ساتھ لے جا کر لان پر ہمیں اپنے کرسیاں لگوا کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی اور غالباً اب مجھ کو برابر آپ کا انتظار کرنا پڑے گا اس لئے کہ اس غیر ملک میں آپ ہی میرے سب سے پہلے محسن ہیں جس نے میری آنکھیں اس طرح کھولیں کہ اب مجھ کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا ہے۔ میں نے آپ کے بیان کے ایک ایک لفظ کی تصدیق تشکیل کے والد سے کر لی ہے۔ میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ جب آپ نے مجھ کو یہ باتیں بتائی ہیں تو میں نے آپ ہی کو جھوٹا سمجھا تھا اور میں آپ سے ڈر گئی تھی کہ نہ جانے اس شخص کا کیا مطلب ہے، یہ مجھ کو کیا دھوکا دینا چاہتا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ آپ میرے لئے اس پردیس میں رحمت کا فرشتہ ہیں۔ آپ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ میری ہر طرح مدد کریں گے۔"

ہم نے کہا "مس ولیم آپ یقین رکھیئے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا وہ کروں گا۔"

مس ولیم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "میں اس شکیل کی بوٹیاں نوچ ڈالونگی مجھ کو زندگی میں پہلی مرتبہ یہ تجربہ ہوا ہے ایک آدمی اتنے دنوں تک مسلسل جھوٹ بول سکتا ہے اس شخص نے ولایت میں مجھ کو اپنی امارت اور شرافت کا ایسا یقین دلایا ہے کہ میں آپ سے کیا کہوں"۔

ہم نے کہا۔ "مگر معاف کیجیے گا مس ولیم کیا آپ شکیل کے ساتھ محض انکی امارت کی وجہ سے آئی ہیں"۔

مس ولیم نے ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ کہا۔ "نہیں نہیں ہرگز نہیں میں روپیہ پیسے کی بالکل بھوکی نہیں ہوں میں نے شکیل سے یہ ہرگز نہ کہا تھا کہ وہ اپنی مالی حالت کی طرف سے مجھ کو مطمئن کرے وہ تو خود ہی شیخی بگھارا کرتا تھا مجھ کو صرف ایک محبت کرنے والا شریف شوہر درکار تھا مگر جو شخص جھوٹا ہو وہ نہ محبت کر سکتا ہے نہ شریف ہو سکتا ہے جس سے محبت کرے اسی کو دھوکا دے اس سے بڑھ کر کمینہ پن ایک انسان اور کیا کر سکتا ہے۔ مسٹر ساجد میں جھوٹ بولنا نہیں چاہتی۔ میں ایک نہایت پست خاندان کی لڑکی ہوں مگر فطرتاً ذرا اپنے خاندان کی سطح سے بلند واقع ہوئی ہوں مجھ کو شروع ہی سے یہ شوق تھا کہ میں عزت کی نظر سے دیکھی جاؤں اور اس کا امکان مجھ کو اپنے وطن میں نظر نہ آتا تھا۔ شکیل سے جب میری ملاقات سنجیدگی اختیار کرنے لگی اور شکیل نے جب مجھ کو اپنی دیوانہ وار محبت کا یقین دلایا تو میں نے

بھی خیال کیا کہ میں ایک ہندوستانی سہی مگر معزز خاندان میں شامل ہو جاؤنگی ایک بیرسٹر کی بیوی بن کر رہوں گی ہندوستان میں میرا اثر و اقتدار ہو گا۔ سفید نسل کی ہونے کی وجہ سے مجھ کو امتیازی حیثیت بھی حاصل ہو گی پھر یہ کہ یہ شخص مالدار بھی ہے میرے ارمان بھی پورے ہوں گے۔ حکومت کیسے عیش و عشرت کے اور عزت کے۔ مگر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ اگر شکیل نے صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اگر غربت میں زندگی بسر کر سکتی ہو تو میرے ساتھ چلو تو بھی میں اس بات سے خوش ہوتی کہ غربت تو یہاں بھی ہے وہاں بھی ہو گی مگر عزت ضرور بڑھ جائے گی۔ میرا مطلب یہ کہ میں شکیل کے مالدار ہونے سے خوش ضرور تھی مگر محض یہ مالی کشش مجھ کو ہندوستان نہیں لائی بلکہ میں نے غلطی یہ کی کہ شکیل کو معزز اور شریف انسان سمجھا مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کا جھوٹا اور فریبی ہے۔ اور مجھ کو تو اس کا باپ بھی کچھ بہت ہی تھرڈ کلاس انسان نظر آتا ہے"۔

ہم نے کہا "مس ولیم میں آپ کی صاف گوئی سے بیحد متاثر ہوا ہوں میں آپ پر اعتماد کر کے شکیل اور ان کے والد کے متعلق تمام حالات بتائے دیتا ہوں کہ یہ لوگ کس قسم کے آدمی ہیں"۔

یہ کہہ کر ہم نے محبوب صاحب کا کچا چٹھا مس ولیم کو سنا دیا کہ یہ شخص کیسی کیسی سازشیں کرتا رہتا ہے اور ڈکیتی کی اس مہذب قسم نے اس کو کیسا

جرائم پیشہ بنا دیا ہے ساتھ ہی ساتھ جب میں ولیم کو ہم نے یہ بتایا کہ ہم خود اس کے شریک کار ہیں تو اس نے پھر وہی تیز چیخ نکالی جو انگریز عورتوں کے لئے مخصوص ہے مگر اُس نے ایک دم سنبھل کر کہا "ناممکن ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ اس ڈاکو اور ایسے کمینہ انسان کے شریک ہوں"۔

ہم نے مس ولیم کو پہلے تو اس بات کا سولہ آنہ یقین دلایا کہ ہم واقعی اس کے آٹھ آنے کے شریک ہیں اور اس کے بعد جب وہ بیچاری بے حد پریشان ہو چکی تو اپنی ساری اسکیم اس کے سامنے کھول کر رکھدی کہ ہم محبوب کے شریک کار کیوں بنے ہیں اور ہماری کیا نیت ہے اب مس ولیم کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر تازگی تھی آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا اور اس بے وفور مسرت میں نہایت وجدانی کیفیت کے ساتھ کہا "ہر فرعونے را موسیٰ۔ آپ نے اس جوڑ کا بڑا اچھا توڑ تجویز کیا ہے۔ آپ شاید اس سے زیادہ نیک کام اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ ایک شیطان کو بے نقاب کرنے کے لئے اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ تو اب آپ آخر منتظر کس بات کے ہیں کیوں نہیں یہ راز کھول کر اس بدمعاش کو گرفتار کراتے ہیں"۔

ہم نے کہا "میرا مطلب اس کو گرفتار کرانا نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سب کچھ صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ ریحانہ اس کی سازش سے بچ جائے اور ڈاکٹر کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا بدل اس کو مل سکے"۔

مس ولیم نے کہا "مسٹر ساجد کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ریحانہ سے مل سکوں آپ کی اس تفصیلی گفتگو سے میرا بے حد یہ دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ریحانہ اور آپ کی بہن سلمیٰ سے ملوں۔ مجھے نہ جانے کیوں ان لڑکیوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور میں نے آپ کے دل کا بھی ایک چور پکڑا ہے۔"

ہم نے کہا "میرے دل کا چور؟"

مس ولیم نے شرارت سے مسکرا کر کہا "جی ہاں آپ کے دل کا چور۔ ذرا آپ ریحانہ کا نام لیجئے تو میں آئینہ میں آپ کے دل کا چور دکھا دوں۔ آنکھوں میں ایک عجیب چمک چہرہ پہ ایک خاص رنگ اور آواز میں ایک خاص لرزش سی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔"

ہم نے کہا "جی ہاں مجھ کو انکار نہیں ہے مگر اس میں آپ کی نباضی سے زیادہ آپ کی سمجھداری کو دخل ہے کہ آپ نے تمام حالات سن کر ان سے کچھ نتیجہ اخذ کیا کچھ اس بات سے کہ میں محض ریحانہ کی وجہ سے یہ تمام درد سر مول لئے ہوئے ہوں۔"

مس ولیم نے مسکرا کر کہا "ہاں یہ بھی ٹھیک ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ریحانہ کا نام لیتے ہوئے آپ کے خد و خال چغلی کھا جاتے ہیں اور ایک نظر باز دور سے بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔ تو بتایئے کہ مجھ کو ان لڑکیوں سے کب اور کیونکر آپ ملوا سکتے ہیں۔"

ہم نے کہا "سب سے پہلے تو آپ اپنے لئے کوئی پروگرام ایسا بنا لیجئے کہ آپ کچھ دیر شکیل صاحب سے علیحدہ رہ سکیں تاکہ مجھ سے بھی ملاقات ہو سکے اور ان ملاقاتوں کے امکان بھی پیدا کئے جائیں۔"

مس ولیم نے کہا "یہ کونسی مشکل بات ہے شکیل سے میں آج ہی کہوں گی کہ میں تمہارے کلب جانا پسند نہیں کرتی میں یہاں کے لیڈیز کلب کی ممبر ہو گئی ہوں۔"

ہم نے کہا "ہو گئی ہوں؟ یعنی اتنی جلدی۔"

مس ولیم نے کہا "جی ہاں بس گویا آج ہی سیکرٹری صاحبہ مجھ سے ملنے آئی تھیں اور میں نے ممبری منظور کر لی ہے چلئے قصہ ختم آپ بہرحال کل چھ بجے کے بعد آ سکتے ہیں میں اس کا انتظام کر رکھوں گی مگر رنجانہ اور سلمٰی سے ملنے کا وعدہ رہا۔"

ہم نے کہا "جی ہاں وعدہ ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ میں آج محبوب سے کیا کہوں گا۔"

مس ولیم نے کہا "کہنا ہی کیا ہے بس صاف جواب اب تو آپ اس سازش کو جلد سے جلد کھولنے کا انتظام کیجئے تاکہ شکیل صاحب اپنے والد کے مقدمہ میں پہلی مرتبہ پیروی کریں۔"

ہم نے مس ولیم کو مطمئن کر دیا کہ وہ وقت بھی قریب ہے فی الحال آپ

ہماری اسکیم کی تفصیلات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں اس کا انتظام کرتا ہوں
کہ آپ ہماری سوسائٹی کے ممبروں سے ملیں وہ سب غائبانہ طور پر آپ کو
جان چکے ہیں اور سب کو آپ سے مل کر مسرت ہوگی۔

مس ولیم سے دوسرے دن چھ بجے آنے کا وعدہ کر کے ہم رخصت
ہو گئے۔

اللہ رے اضطراب، اب معلوم ہو رہا تھا محبوب صاحب کو بھی آٹے دال کا بھاؤ۔ تمام دنیا کو دھوکا دینے والا اور مظلوموں کی مظلومیت پر فخر کرنے والا کہ یہ سب میرے شکار ہیں آج خود اُس ذہنی شکنجہ میں پھنسا ہوا تھا کہ حواس باختہ نظر آتا تھا نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا خدا جانے رات کی نیند کا کیا حال تھا صاحبزادہ سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں وہی آپکے ملک الموت ثابت ہوئے۔ اس وقت کوئی آپ کا حلیہ دیکھتا۔ دیوانوں کی طرح شیروانی کے بٹن کھولے سر کے بالوں کو اُلجھائے اس سڑک پر ٹہل رہے تھے جو صاحبزادے کی کوٹھی اور آپکے دولت کدہ کی سڑکوں کو ملاتی تھی۔ ہم کو تو شاید اندھیرے میں شُبہ بھی نہ ہوتا مگر آپ ہی نے ہم کو دیکھ کر دُور سے آواز دی اور جب ہم ٹھہر گئے تو آپ خود قریب آ کر بولے:۔

"بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی تفصیلی باتیں ہوئیں"

ہم نے کہا "ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا سوال ہے وہ بیچاری اپنا

ملک چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب کی مخالفت مول لیکر اپنی قوم کو چھوڑ کر سات سمندر پار یہاں آئی ہے اور اب اس سے کہا جا رہا ہے کہ وہ پھر واپس جائے تو یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے کہ وہ سرسری طور پر گفتگو کر کے چھوڑ دے۔"

محبوب صاحب نے کہا "آؤ تو ٹہلتے ہوئے چلیں راستہ ہی میں گفتگو ہوتی رہے گی میں تم کو پہنچا کر واپس آجاؤں گا۔ مجھ کو صرف اتنا بتا دو کہ کچھ کامیابی بھی ہوئی"

ہم نے کہا "محبوب صاحب یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں اس نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا میرے یا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ یہ کہتی ہے کہ میں تو جعلسازی کا مقدمہ چلاؤں گی شکیل پر کہ یہ نواب لکھنؤ کی حیثیت سے مجھ سے ملے اور مجھ کو یقین دلایا کہ میں نہایت دولتمند آدمی ہوں خود مختار ہوں۔ اور میری تمام دولت کی مالکہ تم ہی ہو گی۔ لہذا میں نے شادی کر لی اب یہاں آکر مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ یہ حضرت صفر ہیں اور مجھ کو صرف دھوکا دیا گیا ہے۔ صاف جعلسازی ہے۔ ان کی ساری پونجی تو عدالت مجھ کو دلوا دے گی اور جعلسازی کے سلسلہ میں مقدمہ الگ چلے گا ان پر۔ مجھ کو کیا ضرورت ہے کہ میں پندرہ بیس ہزار لیکر اس شخص کو چھوڑ دوں جس نے میرے ساتھ اتنی زیادتی کی ہے"

محبوب صاحب نے راستہ چلتے چلتے ایک دم ٹھہرتے ہوئے کہا "تو گویا کوئی

امید نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ سیدھی انگلیوں گھی نہ نکلے گا۔"

ہم نے کہا: "ہرگز نہیں اور ٹیڑھی انگلیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ آخر کرہی کیا سکتے ہیں؟"

محبوب صاحب نے نہایت شاطرانہ خوفناک قسم کا قہقہہ بلند کرکے کہا: "کہ تو ہیں ایسا سکتا ہوں کہ ان مسمات کی راکھ بھی نہ ملے دو بدمعاشوں پر اس رقم کا چوتھائی صرف کردوں گا جو ان کو دینا چاہتا ہوں اور پھر دیکھوں گا کہ یہ مسمات کیسی چھومنتر ہوجاتی ہیں۔"

سچ کہا تھا ریحانہ نے کہ یہ شخص محض چالاک ہی نہیں خوفناک بدمعاش بھی ہے اُس کے اس ارادہ سے ایک جُھرجُھری سی تو ہم کو بھی آگئی مگر ہم نے مضبوطی سے کام لے کر کہا: "محبوب صاحب آپ کو معلوم ہے کہ اس قسم کا جُرم کرنے کے بعد آپ کو کبھی ذہنی سکون میسّر نہ ہو سکے گا۔ ممکن ہے کہ یہ جُرم کسی اور پر نہ کھلے مگر خود آپ کو ایک اندرونی سزا ہمیشہ ملتی رہے گی۔"

محبوب صاحب نے کہا: "کچھ سزا وزا نہیں بس اب تم چُپ ہو رہو اور تماشہ دیکھو اگر سیدھی طرح یہ عورت راہ راست پر آجاتی تو میں خود یہ طریقہ اختیار نہ کرتا مگر مجبوراً مجھ کو اپنے راستہ کا یہ کانٹا ہٹانا پڑے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں شکیل کو اس کے حوالے کرکے ریحانہ سے ہاتھ دھو بیٹھوں اور بھائی صاحب کی وہ دولت جو ریحانہ کے ذریعہ شکیل کو مل سکتی ہے کسی اور کو مل جائے۔"

ہم نے کہا: "اگر میں آپ کو ایک ایسی ترکیب بتاؤں کہ اس جرم کی ضرورت بھی پیش نہ آئے شکیل صاحب بھی آزاد ہو جائیں اور مس ولیم بھی آپ کی شکر گذار رہے تو؟"

محبوب صاحب نے چلتے چلتے ٹھہر کر ہمارا بازو پکڑ کر کہا: "زندگی بھر کی غلامی کا کاغذ لکھنے کو تیار رہوں۔ بندۂ احسان تو خیر اب بھی ہوں تمہارا مگر تم گویا مجھ کو واقعی خرید لو گے۔"

ہم نے کہا: "کہاں کا احسان اور کیسی خریداری۔ مگر ترکیب وہ سوجھی ہے محبوب صاحب کہ آپ ہی داد دے سکتے ہیں ابھی مایوس ہو کر لوٹتے وقت یہ ترکیب ذہن میں آئی کہ میر معصوم علی کی لڑکی شاکرہ سے تو آپ اختر زمان کی شادی کرانا نہیں چاہتے کیوں نہ اختر زمان اور مس ولیم کا سنجوگ کرا دیا جائے۔"

محبوب صاحب نے ایک دم اچھل کر کہا: "کیا — کیا — کیا — یعنی — وہ کیوں کر؟"

ہم نے کہا: "مس ولیم کو صرف دولت کی ضرورت ہے۔ محبت کی ضرورت ہے اور وہ ایک معزز شوہر چاہتی ہے شکیل سے اس دھوکا دینے کے بعد اس کو خود نفرت سی ہو گئی ہے ممکن ہے پہلے محبت ہو مگر اب تو ایک جذبہ انتقام ہے اور اگر سچ پوچھئے تو شکیل صاحب اس عورت کے ساتھ اب ہر

وقت خطرے میں ہیں۔ اگر مس ولیم اور اختر زمان کے درمیان آپ ربط پیدا کر دیں تو اس سے متعدد فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ شکیل خود مس ولیم کو بے وفا سمجھ کر چھوڑنے پر تیار ہو جائیں گے۔"

محبوب صاحب نے بات کاٹ کر کہا "یہ خیر وہ تو چھوڑنے پر اب تیار ہے مجھ سے گفتگو ہو چکی ہے وہ اس حماقت پر نادم ہے اور خدا سے چاہتا ہے کہ کسی طرح مس ولیم سے نجات مل جائے۔"

ہم نے کہا "بس تو پھر بسم اللہ۔ اختر زمان کے عشق کی باگ آپ نہایت آسانی سے اِس طرف موڑ سکتے ہیں اور مس ولیم کو جب یہ معلوم ہو گا کہ شکیل کا نعم البدل اس کو اختر زمان کی صورت میں مل رہا ہے تو وہ اپنے کو ہر اعتبار سے فائدہ میں سمجھ کر فوراً تیار ہو جائے گی۔"

محبوب صاحب نے ایک دم جھپٹ کر ہم کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "خدا شاہد ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی ترکیب ہی نہ تھی میں تو حیران ہوں کہ یہ بات میرے ذہن میں کیوں نہ آئی۔"

ہم نے کہا "اب دیکھ لیجئے خود غرضی اپنی کہ ہر اچھی بات کو آپ چاہتے ہیں کہ بس آپ ہی کے ذہن میں آیا کرے۔"

محبوب صاحب نے عشق شروع کر دیا "نہیں میری جان مجھ میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے۔ تم میری طاقت۔ میرا سہارا۔ میری امید اور میرے سب

کچھ ہو۔ اچھا دوست اب تم دیکھنا اپنے محبوب کی مہارت اور کاریگری وہ ہاتھ کی صفائی دکھاؤں کہ اختر زمان کا دل شاکرہ کے بجائے مس ولیم سے چسپاں ہو کر رہ جائے مگر مس ولیم کو سمجھانا تمہارا کام ہے۔"

ہم نے کہا "اس کو میں راضی کر لوں گا۔ مگر ایک بات ہے کہ آپ تشکیل صاحب کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ خدا سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح مس ولیم سے نجات مل جائے تو آپ ان کو سمجھا دیجئے کہ ان کو مس ولیم سے نجات دلانے کی کوشش شروع ہو گئی ہے اور میرا تعارف ان سے کرا دیجئے تاکہ میں وقت بے وقت مس ولیم سے ملنے کے لئے آزاد ہو جاؤں۔"

محبوب صاحب نے کہا "کل صبح ہی اس کو لے کر تمہارے پاس آؤنگا۔ اس کو بھائی صاحب کے پاس بھی جانا ہے وہ حضرت الگ خفا بیٹھے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں نے اس جانور کو آدمی بنا کر اس بات پر راضی کیا ہے کہ وہ کم سے کم اُس وقت تک اپنے حواس میں رہے جب تک کہ ریحانہ سے شادی نہیں ہو جاتی اس کے بعد اس کو اختیار ہے خواہ انگریز بنے یا حبشی۔ اس سے گفتگو کرنے کے بعد مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ مس ولیم سے محبت وغیرہ تو شادی ہونے کے چند دن بعد ہی ختم ہو گئی تھی اب تو کمبل اور نہ کچھ والا قصہ ہے وہ مسمات گلے پڑ گئی ہیں اور ان حضرت کا ڈر کے مارے بُرا حال ہے کہ وہ جب چاہے ان کو قانونی شکنجے میں کس سکتی ہے۔"

ہم نے کہا "اور اس کا واقعی ارادہ کچھ ایسا ہی ہے نہایت سخت قسم کی عورت معلوم ہوتی ہے"۔

محبوب صاحب نے عجیب بات کہی "ارے بھائی یہ ولائتی عورتیں۔ عورت ہی کب ہوتی ہیں"۔

ہم نے کہا "پھر؟"

نہایت وثوق سے کہنے لگے "یہ بھی مرد کی ایک ذرا زنانی قسم ہے۔ بس ماں اور بیوی بننے کی حد تک تو وہ عورت ہیں باقی ہر معاملہ میں مردان سواری وہ کریں۔ پیراکی وہ کریں۔ شکار وہ کھیلیں۔ بندوق وہ چلائیں۔ گولی وہ ماردیں کیا ٹھکانا ہے ان عورتوں کا ان سے زیادہ عورت تو دراصل ہم لوگ ہوتے ہیں"۔

ہم اس انکشاف پر بیحد خوش ہوئے اور اس طنز کی صداقت سے لطف لیتے ہوئے کہا "زیادہ اچھا یہی ہے کہ ان مس ولیم سے مقابلہ کی نہ ٹھانی جائے بلکہ ان ہی ترکیبوں سے سانپ ایسا مارا جائے کہ لاٹھی نہ ٹوٹے"۔

محبوب صاحب نے کہا "اب تو مجھ کو بالکل اطمینان ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ آخر زمان کو میں جانتا ہوں ان حضرت کا مس ولیم سے عشق کرنا اب گویا قطعی ہے اور مس ولیم کے لئے جو دلائل تم دے رہے ہو وہ ذہن میں اُترتے ہیں۔ ارے بھئی اس کو آخر چاہیئے کیا ہے ایک ہندوستانی شوہر جو دولتمند ہو۔ محبت کر سکتا ہو۔

بیوقوف ہو۔ غلامانہ ذہنیت کا انسان ہو ان تمام باتوں میں اختر زمان کو وہ شکیل سے کہیں زیادہ پلائے گی۔ بس دوست اب سمجھ لو کہ فتح ہے شکیل کو لے کر جمع دیدہ دولت پر حاضری دوں گا۔ اب وہ ہے آپ کا دروازہ اور یہ ہے بندے کا راستہ۔"

ہم نے خدا حافظ کہہ کر ان حضرت کو رخصت کیا اور خود گھر میں داخل ہو گئے۔

# ۱۴

ابھی ہم ضروریات سے فارغ ہو کر کپڑے ہی بدل رہے تھے کہ سلمیٰ ہمارے کمرے میں آگئی اور دروازہ بھیڑ کر کہا "نکل جاؤ ریحانہ تم اُس کمرے میں۔"

ہم نے کہا "خیریت تو ہے یہ اس وقت غریب خانہ پہ کیوں حملہ ہوا ہے۔"

سلمیٰ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "محبوب صاحب اور ان کے صاحبزادے تشریف لائے ہیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ لے آئی۔"

ہم نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور ایک ولائتی مہمان سے ملنے کے شایانِ شان بن کر باہر کے برآمدے میں آگئے تاکہ ریحانہ اور سلمیٰ کو کچھ اور آزادی مل سکے۔ ہم نے باہر آکر مشکل سے اخبار کی دو چار ہی خبریں پڑھی ہوں گی کہ محبوب صاحب کے "السلام علیکم" سے چونکے وہ حضرت اس عرصہ میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکے تھے اور سرگوشی کے انداز میں ہماری طرف بڑھ کر کچھ کہنا چاہتے تھے لہٰذا ہم بھی متوجہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ صاحبزادے انسانیت کے جامہ میں نہایت تیزی سے آرہے ہیں اس وقت شیخ صاحب سے بڑی گھلی ملی باتیں ہو رہی ہیں میں جان بوجھ کر ہٹ آیا

ہوں۔ تمہارا ذکر کر چکا ہوں اور یہ بھی مژدہ سنادیا ہے کہ ان کی بلا کسی دوسرے کے سر منڈھی جا رہی ہے۔ بہت خوش ہیں اس بات سے۔"

ہم نے کہا:"آپ کی صحت میں بھی اس وقت ماشاء اللہ بحالی کے تمام آثار پائے جاتے ہیں۔ کم سے کم آواز میں پژمردگی اور چہرے پر پانی پت کی کیفیت نہیں ہے۔"

محبوب صاحب نے گویا لطیفہ فرمایا:"اجی راجہ پورس کے اس ہاتھی کے بچے نے تو مجھ ہی کو کچل دیا تھا وہ تو کہو کہ تم نے بچا یا۔"

ہم نے راجہ پورس کے اس ہاتھی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:"آج تو ماشاء اللہ مارے خوشی کے آپ راجہ پورس کا ہاتھی بن جانے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے۔"

محبوب صاحب نے کہا:"اب ان حضرت سے تم کو ملا کر ذرا گھر پہنچا دوں تو اختر زمان کے یہاں آج ہی دھاوا بولتا ہوں اور ادھر تم اپنی کارروائی شروع کر دو بسم اللہ کر کے۔"

ہم نے کہا:"اس قسم کی شیطانی باتیں بسم اللہ کہہ کر شروع نہیں کی جاتیں۔ لاحول پڑھ کر شروع کی جاتی ہیں۔"

شیخ صاحب کی آواز آئی:"ارے میاں ساجد۔ میں نے کہا یہ شکیل صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم تو ان سے ملے ہی نہیں ہو۔"

شکیل صاحب نے آگے بڑھ کر ہاتھ میں ہاتھ لیکر وہ جھٹکا دیا کہ خدا ہی نے عزت رکھ لی۔ ہم نے کہا "بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔"

شیخ صاحب نے فرمایا "اب ان کی سمجھ میں کچھ کچھ آچلا ہے کہ یہ واصل ہندوستانی ہیں"

شکیل صاحب نے کہا "نہیں میں بالکل ہندوستانی ہوں آپ اطمینان رکھیں۔"

ہم نے کہا "کیسے برداشت کر رہے ہیں آپ یہ گرمی ولایت سے آکر"

شکیل نے کہا "مجھے کوئی خاص تکلیف تو نہیں البتہ آپ لوگوں سے شاید کچھ زیادہ محسوس کرتا ہوں گا۔ اکثر ولایت میں بھی خاصی گرمی پڑ جاتی ہے"

شیخ صاحب نے کہا "میں ان کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ گرمی سردی کا خیال فی الحال چھوڑ کر اپنے ہندوستانی تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش کریں اور پھر اپنے کام میں فوراً جی لگائیں یہ وکالت شروع میں بڑی محنت چاہتی ہے اور محنت سے زیادہ سوجھ بوجھ"

ہم نے کہا "محنت کا تو مجھ کو اندازہ نہیں مگر سوجھ بوجھ تو ورا نتاً آنا چاہیے ہمارے محبوب صاحب کی طرف سے"

محبوب صاحب نے کہا "جناب والا یہ خاکسار محنتی بھی کافی ہے۔ میری تو

اگر ہوا بھی لگ جائے تو خاک سے پاک ہو جائیں یہ صاحبزادے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ لاحول ولا قوۃ۔ نہ یہ محنتی ہیں نہ ہیں ان کی سوجھ بوجھ کا قائل۔ زندگی بھر ڈنڈے بجائے ہیں ان حضرت نے۔"

محبوب صاحب نے شیخ صاحب سے فرمایا۔ "اچھا اب ذرا ہم لوگ اندر چلیں مجھے کچھ خاص باتیں کرنا ہیں۔ شکیل میاں جب تک تم ساجد صاحب سے باتیں کرو۔ میں ابھی آتا ہوں چند منٹ میں۔"

محبوب صاحب کے جانے کے بعد شکیل نے کہا۔ "مجھ سے ڈیڈی۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ والد صاحب سب کچھ بتا چکے ہیں کہ آپ میری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ در اصل یہ روبی۔ یعنی میرا مطلب ہے روبی سے مس ولیم۔ تو اصل میں مس ولیم کا قصہ یہ ہے کہ لغزش کس سے نہیں ہوتی مجھ سے بھی لغزش ہو گئی تھی ولایت میں اس کا انجام یہ ہوا کہ یہی لغزش میری قسمت بن کر رہ گئی مارے شیخی کے بزرگوں کو دھوکے دے دے کر خدا جانے کتنا روپیہ منگایا اور سب اُڑا دیا۔ روبی خدا جانے میری دولت سے متاثر ہوئی یا کیا بہر حال شادی تک کی نوبت آ گئی اس وقت تو ہوش نہ آیا مگر جب یہ نشہ اُترا تو پتہ چلا کہ ہم نے کتنی بڑی حماقت کر لی ہے۔ لاکھ کترائے۔ لاکھ بھاگنے کی کوشش کی مگر شادی کی قانونی حیثیت نے راہ فرار نہ دی اور آخر ان کو ساتھ لانا پڑا۔ میں تو اس کے لئے بھی تیار تھا کہ روبی میرے ساتھ بیوفائی کر کے چلی جائے

کوئی میرا محسن اس کا اغوا کر لے جائے۔ مختصر یہ کہ کسی طرح اس سے نجات حاصل ہو بخدا مجھ کو اس سے کوئی لگاؤ اب نہیں ہے بلکہ یہ جو کچھ ہے مجبوری ہے اور میں اس مجبوری کو اپنی زندگی بنانا نہیں چاہتا۔ اگر واقعی آپ مجھ پر یہ احسان کرنے والے ہیں تو میں ہمیشہ آپ کا ممنون رہونگا"

ہم نے ہنس کر کہا "کوشش بہر حال میرا کام ہے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا مگر دو مرتبہ میں نے مسز شکیل سے مل کر یہ اندازہ کیا ہے کہ وہ واقعی بہت سخت قسم کی عورت ہیں"

شکیل نے کہا "بے حد سخت۔ بلا ہے۔ بلا۔ اُس کی ساری لطافتیں کرخت ہو چکی ہیں اب تو وہ ہر وقت اس طرح میرے ساتھ رہتی ہے گویا میں اس کا شوہر نہیں بلکہ قیدی ہوں"

ہم نے کہا "تو کیا ان کو اس بات کا اندازہ ہے کہ آپ ان سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں"

شکیل نے کہا "یہ اندازہ تو نہیں ہے مگر غالباً وہ میرے تیوروں سے کچھ نہ کچھ پڑھ چکی ہے خصوصاً جب سے وہ یہاں آئی ہے اس کے رویہ میں نمایاں تبدیلی ہے بیحد چڑچڑی ہو گئی ہے بات بات پہ کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ اور بات پیچھے یہ ضرور کہتی ہے کہ میں تمہاری قانونی بیوی ہوں یہ نہ سمجھ لینا کہ دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکو گے یاد رہے کہ میں ہندوستانی لڑکی نہیں ہوں"

ہم نے کہا "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کو ضرور کچھ اندازہ ہوا ہے"
شکیل نے کہا "جو کچھ بھی ہو مگر آپ اس مہم کو تو میرے سر ہی کر دیں پھر میرے
سر سے ایک بار اُتر جائے۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ میری سمجھ میں تو چھٹکارے
کی صورت آتی نہیں"
محبوب صاحب نے خدا جانے شیخ صاحب کو کیا حکم دیا کہ خود تنہا باہر آگئے
اور آتے ہی ہم سے کہا "بات کر لی ان حضرت سے تم نے"
ہم نے کہا "سب باتیں ہوگئیں وہ بے چارے تو خود پریشان ہیں"
محبوب صاحب نے کہا "سزا ہے ان کی یہی۔ کوئی پوچھے آپ سے ولایت پڑھنے
گئے تھے یا باپ کا سمدھیانہ قائم کرنے گئے تھے اور لائے بھی تو ایسی چڑیل
جو سر ہی پر سوار ہے نہ پیپل پر جاتی ہے نہ برگد پر"
ہم نے کہا "اب میں شکیل صاحب کو یہی مشورہ دونگا کہ وہ مسز شکیل سے"
محبوب صاحب نے بات کاٹ کر کہا "مسز شکیل کیا معنی۔ سبحان اللہ۔ اماں
ایسی بہت پھرا کرتی ہیں"
ہم نے کہا "خیر میرا مطلب یہ ہے مس ولیم کو ذرا آزاد چھوڑ دیں خود ان کے
پاس بہت نجایا کریں۔ تاکہ وہ آزادی سے میرے ساتھ نقل و حرکت کر سکیں"
محبوب صاحب نے کہا "اجی آپ کو پوری اجازت ہے مگر بس کام بن جائے
آج خدا خدا کر کے بڑے میاں ذرا ٹھکانے پر آئے ہیں مگر جب تک یہ چڑیل

دفعان نہیں ہوتی ان کو پوری طرح اطمینان نہیں ہو سکتا۔"

ہم نے کہا "امید تو ہے کہ یہ داؤں کامیاب رہے گا ——"

شکیل نے کہا "ضرور کامیاب رہے گا اس کو روپیہ کی بڑی طمع ہے اور یہ آپنے اچھا کیا اس کو سمجھا دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

ہم نے کہا "جناب وہ جو چڑ چڑی ہو رہی ہے اس کی خاص وجہ امی خاکسار نے پیدا کی ہے۔"

محبوب صاحب نے گھڑی دیکھ کر اُٹھتے ہوئے کہا "اچھا حضرت اجازت۔ اب آپ اپنے مشن کو کامیاب بنائیے۔ آداب عرض۔"

شکیل صاحب نے بھی رخصتی سلام کیا مصافحہ کو ہم خود ٹال گئے۔

جس وقت ہم دفتر پہنچے ہیں اپنے کمرے میں، خواجہ صاحب اور ڈاکٹر صاحب کو اپنا منتظر پایا۔ ہم نے جاتے ہی کہا "کیا آپ حضرات رات کو اسی کمرے میں سوئے تھے"؟

خواجہ صاحب نے فرمایا "صاحب سُنیئے میں ہوں صاف آدمی۔ آپ دونوں کے اغراض ایک دوسرے سے وابستہ ہیں بدتمیزی ضرور ہے مگر سچ بولنا گناہ نہیں لہٰذا گستاخی معاف۔ میرا مطلب یہ ہے۔ اچھا خیر جانے دو کہیں خفا نہ ہو جاؤ تم لوگ"۔

ہم نے کہا "سبحان اللہ یہ آپ گفتگو کرتے ہیں یا لکھنؤ کے بھانڈوں کے گھوڑے چھوڑتے ہیں کہ اماں چھوڑیں۔ ارے بھئی چھوڑیں۔ اچھا خیر نہیں چھوڑتے۔ آخر بات کیا تھی جو خلاف توقع آپ احتیاط سے کام لے گئے"۔

ڈاکٹر نے کہا "کوئی نہایت عمدہ بات تھی۔ کہتے کیوں نہیں"۔

خواجہ صاحب نے کہا "اب بُرا مانو گے تو مانا کرو۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ دونوں تو انشا اللہ کچھ دنوں کے بعد معاصرانہ تبادلہ کر کے آپس میں سالے بہنوئی

بہنوئی سالے۔ بن جائیں گے مگر اس خاکسار نے کیا گناہ کیا ہے کہ صبح سو کر بھی نہ اُٹھا تھا کہ یہ ڈاکٹر صاحب آدھمکے اور دفتر کے وقت سے ایک گھنٹہ قبل لا کر مجھ کو یہاں بٹھا دیا۔"

ہم نے کہا "بات آپ نے نہایت مہمل کہی ہے مگر خیر معاف کیا آپ کو۔ اچھا اب میں آپ کے فائدے کی بات بتاتا ہوں کہ مس ولیم جن کا اصل نام ہے روبی۔ عنقریب آزاد ہو رہی ہیں آپ کے لئے ——"

خواجہ صاحب نے ایک دم فرمایا "تمہیں میری قسم ——"

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا "ہائے ہائے۔ کیا اشتیاق ہے۔ کیوں شامت آئی ہے خواجہ تمہاری"

خواجہ صاحب نے کہا "میرا مطلب یہ ہے کہ آخر معاملات کا رُخ کیا ہے آخر صورت کیا پیدا ہوئی اب"

ہم نے نہایت تفصیل سے کل سے لیکر آج تک کے تمام واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ سب کو سنا دیئے اور اس طرح خراج تحسین حاصل کرتے گئے جیسے کوئی شاعر اپنا تازہ کلام سنا کر سلام کرتا جاتا ہے۔ تمام واقعات سُننے کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا:۔

"کہو استاد یہ اختر زمان والی ترکیب آخر کام آئی یا نہیں۔ تم لوگوں کو چاہیئے کہ اس دماغ کی پرستش شروع کر دو تم لوگ تو خیر مقتدی ہو مگر محبوب ایسے

مسلم الثبوت استاد نے بھی اس ترکیب کو پسند کیا یہ ہے دراصل سند"

ہم نے کہا "اچھا جناب ڈاکٹر صاحب اب ایک پروگرام بھی سن لیجئے کہ آج آپ کے درِ دولت پر ریحانہ، سلمیٰ اور روبی کا اجتماع ہو رہا ہے۔ میں روبی سے وعدہ کر چکا ہوں اور آج سینما کا بہانہ کر کے ریحانہ اور سلمیٰ کو بھی آپ کے یہاں کھینچ لاؤں گا"

ڈاکٹر نے کہا "بڑی خوشی کے ساتھ۔ مجھ کو سوائے اس کے انتظام ہی کیا کرنا ہے کہ طاقت مہماں نہ داشت کے اصول پر چلتے ہوئے خانہ بمہمان گذاشت پر عمل کر کے غائب ہو جاؤں گھر سے اور نوکروں کو ہدایت کر دوں کہ چائے پانی کا انتظام درست رکھیں۔ بس یہی نا"

خواجہ صاحب نے کہا "یار یہ سب ہے لغویت۔ میری بات مانو تو کہوں"

ہم نے کہا "فرمائیے ناممکن ہے جناب کوئی مفید بات کہہ جائیں بھولے سے"

ڈاکٹر نے کہا "نہیں صاحب وہ نہایت عمدہ تجاویز پیش کر رہا ہے آج کل"

خواجہ صاحب نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ حماقت آمیز تکلف اور احمقانہ رسم و رواج کو چھوڑ کر آج آپ دونوں وہاں موجود رہیں سلمیٰ کو ڈاکٹر کے اور ریحانہ کو تمہارے سامنے آنا چاہیئے میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس میں کیا نقصان ہے"

ہم نے کہا "سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ نامحرم ہیں مذہباً یہ بے پردگی"۔
بات کاٹ کر خواجہ صاحب نے کہا "بڑے آپ آئے مذہب کے پابند چغدِ صحرائی کہیں کے۔ اچھا یہی سہی تو آپ ان دونوں سے کہیئے کہ شرعی پردہ کریں۔ پردے کا یہ برقعہ والا اصول قطعاً مذہبی نہیں ہے رواجی ہے"۔

ہم نے کہا "اور اس لئے ہے کہ ہم اسلامی حکومت میں نہیں ہیں میں ہندوستانی پردے کا اس لئے قائل ہوں کہ شرعی پردہ یہاں اس لئے نہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی قوانین رائج نہیں ہیں"۔

خواجہ صاحب نے کہا "خیر آپ بڑے مفکّر۔ بڑے قابل اور بڑے علاّمۂ دہر سہی مگر میری قطعی رائے یہ ہے کہ اس اجتماع میں آپ لوگوں سے یہ لڑکیاں ہرگز پردہ نہ کریں اس کے مختلف فائدے آپ لوگ خود سمجھتے ہوں گے میاں جب ایک بات ہونا ہی ہے تو پھر یہ رسمی تکلّف کیسا"۔

ڈاکٹر نے کہا "مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں کہ ریحانہ ان کے سامنے آئیں"۔

ہم نے کہا "ذاتی طور پر مجھ کو بھی اس میں عذر نہیں کہ سلمیٰ آپ کے سامنے آئے"۔

خواجہ صاحب نے کہا "بس چلو چھٹی ہوئی اب کم سے کم تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ تو لوگے"۔

مسلم الثبوت استاد نے بھی اس ترکیب کو پسند کیا یہ ہے در اصل سند۔"

ہم نے کہا۔" اچھا جناب ڈاکٹر صاحب اب ایک پروگرام بھی سن لیجئے کہ آج آپ کے دیرہ دولت پر ریحانہ۔ سلمیٰ اور روبی کا اجتماع ہو رہا ہے۔ میں روبی سے وعدہ کر چکا ہوں اور آج سینما کا بہانہ کر کے ریحانہ اور سلمیٰ کو بھی آپ کے یہاں کھینچ لاؤں گا۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" بڑی خوشی کے ساتھ۔ مجھ کو سوائے اس کے انتظام ہی کیا کرنا ہے کہ طاقت مہمان نہ داشت کے اصول پر چلتے ہوئے خانہ بمہمان گذاشت پر عمل کر کے غائب ہو جاؤں گھر سے اور نوکروں کو ہدایت کر دوں کہ چاء پانی کا انتظام درست رکھیں۔ بس یہی نا۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" یار یہ سب ہے لغویت۔ میری بات مانو تو کہوں۔"

ہم نے کہا۔" فرمایئے ناممکن ہے جناب کوئی مفید بات کہہ جائیں بھولے سے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" نہیں صاحب وہ نہایت عمدہ تجاویز پیش کر رہا ہے آج کل۔"

خواجہ صاحب نے کہا۔" میری رائے یہ ہے کہ حماقت آمیز تکلف اور احمقانہ رسم و رواج کو چھوڑ کر آج آپ دونوں وہاں موجود رہیں سلمیٰ کو ڈاکٹر کے اور ریحانہ کو تمہارے سامنے آنا چاہیئے میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس میں کیا نقصان ہے۔"

ہم نے کہا "یہ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ نامحرم ہیں مذہباً یہ بے پردگی"۔
بات کاٹ کر خواجہ صاحب نے کہا "بڑے آپ آئے مذہب کے پابند جگیدِ صحرائی کہیں کے۔ اچھا یہی سہی تو آپ ان دونوں سے کہیئے کہ شرعی پردہ کریں۔ پردے کا یہ برقعہ والا اصول قطعاً مذہبی نہیں ہے رواجی ہے"۔

ہم نے کہا "اور اس لئے ہے کہ ہم اسلامی حکومت میں نہیں ہیں ہیں ہندوستانی پردے کا اس لئے قائل ہوں کہ شرعی پردہ یہاں اس لئے نہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی قوانین رائج نہیں ہیں"۔

خواجہ صاحب نے کہا "خیر آپ بڑے مفکر۔ بڑے قابل اور بڑے علامۂ دہر سہی مگر میری قطعی رائے یہ ہے کہ اس اجتماع میں آپ لوگوں سے یہ لڑکیاں ہرگز پردہ نہ کریں اس کے مختلف فائدے آپ لوگ خود سمجھتے ہوں گے میاں جب ایک بات ہونا ہی ہے تو پھر یہ رسمی تکلف کیسا"۔

ڈاکٹر نے کہا "مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں کہ ریحانہ ان کے سامنے آئیں"۔

ہم نے کہا "ذاتی طور پر مجھ کو بھی اس میں عذر نہیں کہ سلمیٰ آپ کے سامنے آئے"۔

خواجہ صاحب نے کہا "بس چلو چھٹی ہوئی اب کم سے کم تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ تو لوگے"۔

ڈاکٹر نے کہا "یار خواجہ موقع تو تمہارے لئے بھی اچھا تھا مس ولیم کی زیارت سے مشرف ہونے کا۔"

خواجہ صاحب نے کہا "نہیں صاحب میں ذرا اس قسم کے معاملات سے ڈرتا ہوں۔ آدمی ہوں بیوی بچوں والا مس ولیم کے تصور ہی سے میرا تمام زہد متزلزل ہو رہا ہے فرض کر لیجئے کہ وہ مجھ کو واقعی اچھی لگیں تو آپ لوگوں کا تو کچھ نہ جائے گا میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

ہم نے کہا "یار خواجہ خدا جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ تم کو کسی پر عاشق ہوتے ہوئے دیکھوں اور اس عشق کا انجام ہو ناکامی۔"

خواجہ صاحب نے کہا "جی ہاں اس قسم کی وحشیانہ حس کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو دوسروں کی اذیت میں اپنے لئے ایک راحت محسوس کرتے ہیں بلکہ میں نے تو کہیں پڑھا ہے کہ اکثر عشاق اس قسم کے ہوتے ہیں جو محبوب کو مارے محبت کے نہایت وحشیانہ طریقہ پر طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں اور پھر اس کا کرب دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔"

ہم نے کہا "خیر مجھ کو وحشی ہونے تک تو منظور ہے مگر یہ ہرگز منظور نہیں کہ آپ میرے محبوب خدانخواستہ بنیں۔ میں دنیا کی ہر مصیبت برداشت کر سکتا ہوں مگر ایسا محبوب برداشت نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "آپ لوگ معاشقہ ہی میں مبتلا رہیں گے یا یہ عظیم الشان

پروگرام بھی کچھ طے کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ مہمان کس وقت آئیں گے اور کتنی دیر قیام رہے گا۔"

ہم نے کہا "آپ غالباً گھبرائے ہوئے ہیں ورنہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ سینما جانے کے بہانے سے یہ لوگ آئیں گے گویا چھ بجے آپ کے یہاں پہنچیں گے اور پونے نو بجے تک قیام رہے گا۔"

خواجہ صاحب نے کہا "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سہ پہر کی چائے کا وقت بھی ہو سکتا ہے اور رات کے کھانے کا بھی۔"

ہم نے کہا "اجی کھانا وانا نہیں بس ذرا شاندار قسم کی چائے ہونا چاہیئے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "اسی شاندار کی تفصیل تو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ صاحب نے کہا "مجھ سے سُنیئے آپ اس وقت حضرت گنج ہوتے ہوئے تشریف لے جائیں آپ سب ہوں گے گویا پانچ عدد لہٰذا ایک بڑا کیک ——"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "خیر ایک نہیں بلکہ مختلف قسم کے دو۔ پیسٹری۔ چکن سینڈوچز۔ ٹماٹو سینڈوچز۔ چیز سینڈوچز۔ مس ڈیم کے خیال سے کہو تو کچھ ہندوستانی مٹھائی۔"

ہم نے کہا "ہندوستانی نہیں بنگالی۔ اور نمکین سنبوسے یا کوئی اور معقول نمکین چیز۔"

خواجہ صاحب نے کہا "نہایت گنوار پن ہے آجکل آئس کریم کا ذکر نہ کرنا۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "اور نہایت گنوار پن ہے آئس کریم کو یاد دلانا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب آپ چار۔ دو دو شکر کی بھی تفصیل بتائیں گے۔"

خواجہ صاحب نے کہا "میرے حصّہ کی یہ سب چیزیں اسی وقت آفس ریسٹوران سے منگا دیجئے خدا کی قسم سخت بھوکا ہوں یہ حضرت یونہی اُٹھا لائے۔"

ہم نے کہا "بڑا ذلیل ریسٹوران ہے آفس کا اگر آپ کو بھوک لگی ہے تو ہم لوگ بھی ساتھ دینے کو تیار ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا "میں تو احباب نوازی کے لئے مشہور ہی ہوں۔"

ہم نے چپراسی کو بلا کر ہدایت کر دی کہ ریسٹوران میں جو تازہ چیزیں ہوں وہ تھوڑی تھوڑی لے آؤ۔ تھوڑی ہی دیر میں ہماری وہ میز جو ایک کونہ میں اسی مقصد کے لئے لگی رہتی تھی خدا جانے کن کن لغویات سے بھر گئی مگر خواجہ صاحب نے دیکھتے ہی دیکھتے بہت کچھ صاف کر دی باقی صفائی میں ڈاکٹر اور ہم بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر نے انتظامات کی گھبراہٹ میں اس مہمل ناشتہ کے بعد ہی ہیٹ اٹھایا اور چل دیئے۔

## ۴۳

چونکہ ہم کو ریحانہ اور سلطانہ کو لے جانے کا انتظام کرنا تھا لہٰذا دفتر سے ذرا جلدی اُٹھے اور گھر پہنچتے ہی یہ پروگرام چپکے چپکے سلمیٰ کو بتا کر کہا کہ تم ریحانہ کو فوراً اطلاع کر دو اور سلمیٰ کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ بیگم صاحبہ کے سر ہو جائے کہ بڑا اچھا فلم آیا ہوا ہے آج آخری دن ہے میں بھائی جان کے ساتھ جا رہی ہوں آپ ریحانہ کو اجازت دے دیجئے۔ ریحانہ سے بھی کہہ دینا کہ وہ خود بھی زور لگائیں۔ سلمیٰ نے اس طریقہ سے اجازت طلب کرنے کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ میں خالہ جان سے یہ کہوں گی کہ میرا اور ریحانہ کا یہ فلم دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا ہے بہت تعریف سُنی ہے مگر بھائی جان کہتے ہیں کہ جب تک خالہ جان نہ کہیں گی میں نہ لے جاؤں گا۔ ہم نے اس تجویز کو پسند کیا اور سلمیٰ اسی ارادہ سے جب اندر چلی گئی تو ہم نے بھی غسل کر کے آدمی بننے کی کوشش کی۔ خدا جانے ہم کیوں اپنے متعلق صرف اُسی وقت آدمی ہونے کا یقین کرتے ہیں جب گرمیوں میں غسل کرنے کے بعد تنزیب کا کُرتہ اور ڈھیلا پاجامہ پہننے کا موقعہ مل جائے جمعہ کے غسل کے بعد جس قدر آدمیت حاصل ہوتی ہے اس سے زیادہ دفتر ہی

لباس پہن کر اپنے اوپر جو پائیت طاری کرنا پڑتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب پتلون پہننے کے بعد اپنے متعلق یہ اندازہ ہونے لگتا تھا کہ شاید ہم اب اشرف المخلوقات میں سے ہیں مگر اب تو انگریزی لباس اپنی غلامانہ ذہنیت کے ثبوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور بڑی خوشی ہوتی ہے سہ پہر کے غسل کے بعد نہایت سفید تنزیب کا کرتہ اور ڈھیلا پاجامہ پہنکر۔ اس لباس کو پہن کر اپنی شرافت کا یقین ہونے لگتا ہے۔ ہم کو دفتر سے آکر غسل خانہ میں ایک اسی قسم کا جوڑا ہمیشہ تیار ملتا ہے۔ بنیاین۔ کرتہ جس کی آستینیں نہایت نفاست سے چنی ہوئی ہوتی ہیں۔ پاجامہ جس میں ریشمی کمر بند رئیسانہ ٹھاٹھ پیدا کر دیتا ہے۔ اس لباس کی مناسبت سے ہم حیدر آباد کے وہ سفید جوتے پہنتے ہیں جن کو بوقت ضرورت رومال کی طرح لپیٹ کر جیب میں بھی رکھا جا سکتا ہے یہ جوتا پہننے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ موزے پہن لئے ہیں۔ بہرحال اس وقت بھی ہم لباس کے معاملہ میں جب یہ سوراج حاصل کر کے آزادی کی سانس لیتے ہوئے غسل خانہ سے نکلے تو بیگم صاحبہ نے دروازہ کی آڑ سے کہا "ساجد میاں کیا اس وقت کہیں جانا ہے ؟"

ہم نے بھولے پن سے کہا "جی نہیں تو۔ کیا کوئی کام ہے ؟"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "بھئی کام یہ ہے کہ یہ لڑکیاں میرے سر ہو رہی ہیں کہ کوئی فلم آیا ہوا ہے مہندی وہ ان کو جا کر دکھا دو۔"

ہم نے کہا "ہے تو ضرور وہ ان لڑکیوں کے دیکھنے کے قابل فلم ہیں نے بھی بہت تعریف سُنی ہے۔ اور اب تو آپ کا گویا حکم بھی ہے لہٰذا میں بھلا سرتابی کیونکر کر سکتا ہوں۔ کہہ دیجئے ان سے کہ تیار ہو جائیں"۔

بیگم صاحبہ نے غالباً ان دونوں ہی سے کسی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "لو بس۔ اب چھوڑو میری جان۔ مگر پہلے اس غریب کو ناشتہ تو کرا دو دن بھر کے بعد آیا ہے"۔

اس وقت بھلا ناشتہ میں کیونکر دیر ہو سکتی تھی۔ فوراً ہی ناشتہ آ گیا اور ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم دونوں لڑکیوں کو لیکر روانہ ہو گئے جس وقت ہم ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچے ہیں وہ ہم لوگوں کے انتظار میں سگریٹ پر سگریٹ پی رہے تھے۔ ہم نے پہنچتے ہی کہا "لیجئے حضرت اپنے دو مہمانوں کو تو سنبھالیئے اب مجھ کو فوراً مس ولیم کو لانا ہے اسی کار پر وہ انتظار کر رہی ہوں گی میں ان کو خط بھیجکر مطلع کر چکا ہوں"۔

ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں کو گول کمرے میں پہنچاتے ہوئے ہم سے کہا۔ "جناب والا۔ وہ جو پردہ کشائی کی رسم ہے اس کی تکمیل مس ولیم کی آمد سے پہلے ہی ہو جائے تو اچھا ہے ان کے سامنے میں نہیں چاہتا کہ یہ لغویت شروع ہو"۔

ہم نے کہا "اچھا تو پھر یہ کرو کہ ذرا ایک لفافہ اور خط کا کاغذ دو میں شوفر

کو خط لے کر بھیجے دیتا ہوں یہ واقعی مناسب ہے، کہ یہ رسم مس ولیم کے آنے سے
پہلے ہی ادا ہو جائے۔"

ہم نے پہلے تو خط لکھ کر ڈرائیور کو دیا اس کے بعد ہم نے سلمیٰ کو بلا کر اور
ڈاکٹر نے ریحانہ کو بلا کر سمجھا دیا کہ ہم دونوں یہ طے کر چکے ہیں کہ یہ پردہ ورہ
بالکل مہمل ہے۔ غالباً ہم سے زیادہ خود یہ دونوں بے پردگی کے لئے تیار تھیں
رسمی طور پر ہاں ہوں کرنے کے بعد دونوں تیار ہو گئیں اور ہم دونوں گول کمرے
میں پہنچ گئے اس میں شک نہیں کہ اُدھر تو وہ دونوں سمٹ رہی تھیں اور
ادھر ہم دونوں میں یہ ہمت نہ تھی کہ آنکھیں چار کریں مگر ڈاکٹر نے اس کیفیت
کو بھی ختم کرنے کے کہا۔

"میرے خیال میں یہ طریقہ پردہ کرنے سے بھی زیادہ بھونڈا ہے مس ولیم
نے اگر آ کر ہم لوگوں کو اس طرح دیکھ لیا تو وہ غالباً یہی سمجھیں گی کہ کسی بات پر
ناچاقی ہو گئی ہے۔"

ہم نے کہا "ناچاقی تو خیر نہیں مگر یہ ضرور سمجھیں گی کہ ان ہندوستانیوں
میں اگر مرد عورت کی طرف یا عورت مرد کی طرف دیکھ لے تو آشوب چشم کی
شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "اور یہ بھی سمجھیں گی کہ ہندوستانی لڑکیاں دوپٹہ کے آنچل
کھایا کرتی ہیں۔"

ریحانہ نے ہنسکر دوپٹہ کا آنچل چھوڑ دیا اور سلمیٰ نے بھی ہنسکر ذرا چہرہ کو صحیح جگہ پر لانے کی کوشش کی۔ تو ہم نے حالات کو امید افزا پاتے ہوئے کہا "جب ہم لوگ اس قدر روشن خیال بن چکے ہیں کہ پردہ تک اُٹھا دیا تو اس روشن خیالی کو اسٹیشن کیوں ثابت کر رہے ہیں"

ڈاکٹر نے کہا "خیر اس وقت تو کوئی ہرج نہیں مگر مس ولیم کے آنے کے بعد اگر یہ حماقت نہ ہو تو اچھا ہے"

بڑی عمر مس ولیم کی عین اسی وقت موٹر آکر پورٹیکو میں ٹھہرا اور ہم دونوں نے مس ولیم کا استقبال کیا۔ ہم نے ڈاکٹر سے مس ولیم کو ملاتے ہوتے کہا "آپ ہیں مسز شکیل"

مس ولیم نے بات کاٹ کر کہا "آپ غلط تعارف نہ کرائیے۔ مجھ کو آپ یا تو مس ولیم کہہ سکتے ہیں یا سب سے اچھا یہ کہ محض روبی"

ڈاکٹر نے کہا "بہر صورت میرے لئے تو کسی تعارف کی ضرورت ہی نہ تھی مجھ کو معلوم ہے کہ آپ کس حد تک مس روبی ہیں اور کس حد تک مسز شکیل میرا نام اشرف ہے"

ہم نے کہا "بہر حال یہ وہی ڈاکٹر اشرف ہیں جن سے آپ غائبانہ طور پر بیحد واقف ہیں۔ اور لیجئے یہ دونوں بھی آگئیں۔ یہ ہیں میری بہن سلمیٰ"

ڈاکٹر نے کہا "اور یہ ہیں میری بہن ریحانہ"

مس ولیم نے دونوں سے ہاتھ ملا کر کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ شکیل اُسی خاندان کا ایک فرد ہے جس خاندان کے یہ افراد میرے سامنے ہیں"

مس ولیم کی انگریزی کو یہ لڑکیاں بخوبی سمجھ رہی تھیں مگر یہ خیال ہم کو بھی نہ تھا کہ یہ دونوں مس ولیم کے سامنے انگریزی میں لب کشائی بھی کر سکیں گی مگر ریحانہ نے نہایت اچھی انگریزی بولتے ہوئے کہا "آپ کا خیال معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی ورنہ ہم لوگ تو اب تک شرمندہ تھے کہ آپ ہم کو شکیل کا رشتہ دار سمجھ کر خدا جانے کیا سمجھ رہی ہوں گی"

مس ولیم نے ریحانہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "میں تو حیران ہوں کہ ہندوستان میں کس قیامت کا حُسن ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں کے سُرخ و سفید رنگ میں یہ دلکشی کیوں نہیں ہوتی جو اس حُسن میں ہے۔ اور کیا یہ شکیل پاگل ہو گیا تھا یا اس کی آنکھوں میں کوئی نقص ہے کہ وہ ایسی حسین لڑکی کو ولایت جا کر بھول گیا اور وہاں بھی شادی کر بیٹھا"

سلمٰی نے بھی اچھی خاصی انگریزی میں کہا "اب تو آپ نے خاکساری شروع کر دی"

مس ولیم نے ذرا شرماتے ہوئے کہا "ولایت والے یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ ہندوستان میں بھی ایسا حُسن ایسی تعلیم ایسی ذہانت اور ایسی تہذیب ممکن ہے۔ ان کو تو یقین دلایا جاتا ہے کہ ہندوستان کالے کلوٹے وحشیوں

کا ملک ہے۔ مگر مجھ کو تو اب تک سوائے شکیل کے والد کے اور کوئی اس قسم کا وحشی نظر نہیں آیا۔"

اس بات پر سب ہی کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور ہماری آنکھوں کے سامنے تو محبوب صاحب کی تصویر پھر گئی واقعی عجیب حلیہ بنا رکھا ہے اس شخص نے۔ مس ولیم نے اس ہنسی کے ختم ہوتے ہی کہا۔ "غریب ریحانہ —— یہ آخر تمہارے والد کو سوجھی کیا ہے کہ وہ شکیل ایسے نامعقول کے حوالے ایسی اچھی لڑکی کو کر رہے ہیں وہ بیوقوف تمہاری کیا قدر کر سکتا ہے۔"

سلمیٰ نے کہا۔ "آپ تو بیوقوف نہ کہیئے جبکہ وہ اپنی چالاکیوں سے خود آپ کو ——"

مس ولیم نے کہا۔ "—— بیوقوف بنا چکا ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بالکل ٹھیک، مجھ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ایک انسان اس قدر سفید جھوٹ بول سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے خانساماں کو اشارہ کیا اور اس نے نہایت سلیقہ سے اسی کمرے میں چھوٹی تپائیوں پر ناشتہ چننا شروع کر دیا۔ ریحانہ نے چاء بنانے کا چارج لے لیا اور سلمیٰ نے نہایت مہذب طریقہ پر مس ولیم کو چائے سے پہلے دوسری چیزوں کی طرف متوجہ کیا اور چاء کے بعد آئس کریم کے ایک کے بجائے دو کپ کھلانے میں کامیابی حاصل کر لی نتیجہ یہ کہ اس پارٹی

کے اختتام تک ان دونوں میں اور مس ولیم میں کافی بے تکلفی پیدا ہو گئی مسٹر ولیم نے ان دونوں کو ہم دونوں کے ہمراہ اپنے یہاں بھی مدعو کیا اور اس وقت یہ دعوت منظور ہی کرنا پڑی -

یوں دیکھنے کو تو ہم پہچانے کو پہلے ہی تھوڑا بہت دیکھ چکے تھے جب سلمیٰ اور والدہ صاحبہ کے ساتھ وہ لکھنؤ کی سیر کو گئی تھیں مگر اب بالکل ہی بے نقاب دیکھ کر ہم کو پہلے تو حافظ کے بہت سے شعر خود بخود یاد آ گئے۔ پھر خود شعر کہنے کو جی چاہنے لگا اور آخر میں قائل ہونا پڑا کہ وہ تو خود فطرت کا کہا ہوا ایک ایسا شعر ہے جس کو سمجھنا اور سمجھ کر محض جھومنا بجائے خود شعریت ہے۔ نہ کوئی آرائش تھی نہ زیبائش۔ سادگی میں پرکاری تھی ہر شراب رنگین تو نہیں ہوتی ہمارے ایک پروفیسر صاحب پانی کے رنگ کی ایک شراب پیا کرتے تھے تاکہ ان کے شاگرد اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ پانی پیا جا رہا ہے اور پی پی کر ریاض کا شعر پڑھا کرتے تھے۔

عادت سی ہے نشہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا شراب پی لی

مگر شعر اس انداز میں پڑھتے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ پانی کو شراب کہہ رہے ہیں یا شراب کو پانی بہت دنوں کے بعد جا کر پتہ چلا کہ یہ بھی شراب ہے،

اور اسم مبارک ہے اس شراب کا "جن"۔ خیر یہ تو پروفیسر کا ذکر تھا عرض صرف یہ کرنا تھا کہ سفید کپڑے پہننے والی اور بالوں میں تیل نہ ڈالنے والی ریحانہ کو دیکھ کر ہم نے بھی "جن" پی لی - اس نے ہم کو سمجھا دیا کہ حسن کو واقعی صورت گری کی کوئی ضرورت نہیں نہ وہاں پاؤڈر تھا نہ لپ اسٹک نہ ناخنوں پر نیل پالش تھی نہ سر میں کوئی گلدستہ جو عورتوں کو گلدان بنا دیا کرتا ہے۔ سفید ریشم کا سادہ سا دوپٹہ تھا - لمبا سا کرتہ اور کھڑے پائنچوں کا سفید سلک کا پاجامہ کانوں میں دو سفید بندے بیٹے لیجئے قصہ ختم اب چاہے اس کو سادگی کہہ لیجئے یا پرکاری۔ مگر آنکھوں میں ذہانت کی چمک - چہرہ پر تازگی اور شگفتگی۔ خدوخال میں شاعرانہ لطافت۔ قد کی موزونیت اور ہر ادا میں خود اپنی طرف سے ایک بے فکری۔ معلوم ہوتا تھا کہ چنبیلی کی ایک کلی مجسم ہو کر ریحانہ بن گئی ہے۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہم اس وقت اُسی کے تصور میں کھوئے ہوئے اپنے کمرے میں لیٹے تھے کہ برابر والے کمرے سے سلمیٰ اور ریحانہ کی مشترکہ ہنسی کی آواز آئی اور ہم غیر ارادی طور پر بستر سے اُٹھ کر اس دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے جس کے ایک درز سے ان دونوں کو دیکھا بھی جا سکتا تھا۔ ریحانہ اس وقت سلمیٰ کو چھیڑ رہی تھی:۔

"بہن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم میرے بھائی کو جو دیکھو گی تو بس تمہاری نگاہیں پھر واپس ہی نہ آسکیں گی۔ دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئیں"۔

سلمیٰ نے کہا "مگر تم کو کیسے خبر ہوئی کیا تمہاری نگاہیں بھائی جان کی طرف سے کسی وقت ہٹنے میں کامیاب ہوگئی تھیں"

ریحانہ نے کہا "خیر میرے لئے تو جناب کے بھائی جان کوئی نئی چیز تھے نہیں جو میں ندیدوں کی طرح ان کو گھورنا شروع کر دیتی ہیں تو روز ہی دیکھ لیا کرتی ہوں"

سلمیٰ نے کہا "گویا یہ اقرار ہے کہ دیکھتی ضرور ہوں"

ریحانہ نے کہا "میں نے تو شاید کبھی انکار نہیں کیا"

سلمیٰ نے کہا "کیوں دیکھتی ہیں آپ ——"

ریحانہ نے کہا "کیا اس کے لئے بھی کسی لائسنس کی ضرورت ہے۔ میرا جی چاہتا ہے دیکھنے کو لہٰذا دیکھتی ہوں"

سلمیٰ نے کہا "بس بس یہی پوچھنا تھا۔ مگر کل تو بھائی جان نے بھی کمال ہی کر دیا کہ ؎

یوں نظر تو مجھ پہ ڈالی جائے گی
جب میں دیکھوں گا ہٹالی جائے گی

وہ محض اُس وقت کسی اور کی طرف دیکھتے تھے جب کوئی ان کو تمہاری طرف دیکھتا ہوا دیکھ لے"

ریحانہ نے شرارت سے کہا "آدمی خوش مذاق ہیں۔ دیکھنے کو جی چاہتا

ہوگا ان بیچارے کا بھی لہٰذا دیکھ رہے تھے مگر اس سلسلہ میں آپ اپنا قصّہ میں دیکھ رہی ہوں کہ کچھ گول کئے جاتی ہیں۔"

سلمیٰ نے کہا "میرا کیا قصّہ۔ میں نہ آپ کے بھائی صاحب کو جانوں نہ وہ بیچارے مجھ سے واقف ——"

ریحانہ نے کہا "کیا بیچارہ کہا ہے۔ مکرّر ارشاد۔ بیوقوف لڑکی تو اب ہم کو بھی بنانے چلی ہے۔ میں نے ان حضرت کو بھی خوب دیکھا کہ بس گھوم پھر کر اسی طرف نظر جم جاتی تھی اور خود بدولت کا بھی یہ حال تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے دیدار کر ہی لیتی تھیں۔"

سلمیٰ نے کہا "اس میں دیدار کرنے کی کونسی بات ہے۔ جب پردہ ہی اُٹھا دیا گیا تھا تو پھر دیکھنے کے سوا نہ میرے لئے کوئی چارہ تھا نہ ان کے لئے کوئی چارہ۔"

ریحانہ نے کہا "ان کے لئے؟ اللہ رے تیرے اُن کے، خیر صاحب پردہ اُٹھا دیا گیا تھا تو کیا یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ بس آپ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں اور سوال یہ ہے کہ جب پردہ ہی اُٹھ گیا تھا تو آخر دیکھنے کے سلسلہ میں یہ چوریاں کیوں ہو رہی تھیں۔"

سلمیٰ نے لاجواب ہو کر مبحث بدلا "خیر یہ تو آپ کی بکواس ہے نہ چوری نہ ساہوکاری۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اب تم کو میرے بھائی جان پسند ہیں یا

اب بھی شکیل ــــــ"

ریحانہ نے بدمزہ ہو کر کہا "نہایت بدمذاقی کا ثبوت دیا ہے تم نے ایسی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی اور تم نے اس منحوس کا نام لے کر وہ کیفیت پیدا کر دی گویا نہایت خوش ذائقہ پلاؤ کھاتے کھاتے دانت کے نیچے یکدم کنکر آجائے۔ افسوس یہ ہے کہ میں اس قسم کا کوئی انتقام تم سے نہیں لے سکتی۔ میں نے تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ تم مجھ کو میرا یہ درد یاد نہ دلایا کرو۔"

سلمیٰ نے غالباً اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "تو یہ ہے میں تو چھیڑ رہی تھی تم کو خدا نہ کرے وہ کیوں ہوتا تمہارا درد اس کو تو تم اپنا درد بھی نہ کہا کرو وہ کمبخت تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ تم اس کو اپنے سے یہ نسبت بھی دو۔ مگر خیر اسی طرح سہی یہ تو معلوم ہو گیا کہ جناب کم سے کم میرے بھائی جان کو پسند فرماتی ہیں اپنے بھائی کی اس عزت افزائی کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

ریحانہ نے کہا "مگر آپ تو ایسی خوددار ہیں کہ کسی کا احسان قبول ہی نہیں کرتیں فوراً ہی اس قسم کا احسان جناب نے مجھ پہ لاد دیا اب میں کس زبان سے اپنے بھائی کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کروں۔ مگر میرے خیال میں یہ معاملات مول تول کے نہیں ہوتے ہم دونوں کے باہمی تعلقات حساب کتاب سے بالا ہیں۔ حساب دوستاں دردل۔ ہونا چاہیئے۔"

کتنی اچھی باتیں ہم سُن رہے تھے اور کس قدر لُطف آرہا تھا ہم کو کہ عین اسی وقت شیخ صاحب کو بھی آنا تھا۔ یہ آمد سے ہی سے آواز آئی :۔ "میں نے کہا کیا ہو رہا ہے ساجد میاں"۔

اب بتائیے کہ ہم کیا بتاتے کہ کیا ہو رہا تھا۔ نہ اتو ان حضرت کی ہی تھی کہ ان سے صاف کہہ دیتے کہ آپ کی صاحبزادی کو ذرا جھانک رہے تھے مگر عرض یہ کیا کہ "کچھ نہیں اتوار منایا جا رہا ہے"۔

شیخ صاحب نے فرمایا: "آج ایک عجیب لطیفہ ہونے والا ہے یعنی درزی بلایا گیا ہے جو تمہارے کپڑے ناپے گا اور تم حیران ہو گے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے"۔

ہم نے کہا: "حیران تو خیر میں یہ خبر سُنکر ہی ہو گیا کچھ معلوم تو ہو کہ آخر قصہ کیا ہے۔ میری پیمائش کی کس سلسلہ میں ضرورت پیش آگئی"۔

شیخ صاحب نے ہنسکر فرمایا: "بات یہ ہے کہ تم اور میاں شکیل ڈیل ڈول میں بالکل ایک ہی ہو بالکل یکساں جسمانی حالت اور بالکل ایک سا قد۔ شادی کے لئے ان کے کپڑے تیار ہونا ہیں نا لہذا بیگم نے مشورہ دیا ہے کہ تمہاری ناپ درزی کو دے دی جائے اب یہ طوالت کون کرے کہ درزی کو بنارسی باغ بھیجا جائے جبکہ پیمائش گھر ہی میں موجود ہے۔ درزی باہر منتظر ہے تکلیف تو ہو گی کہو تو اس کو یہیں بلا لوں۔ بھئی یہ نہایت

مبارک فال ہے ممکن ہے اسی تحریک سے تم کو بھی دولہا بننے کا بھولا ہوا خیال آجائے "

ہم نے کہا "جی میں بھولا تو بالکل نہیں ہوں اس خیال کو مگر اس سلسلہ میں جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مجھ کو اب تک حاصل نہیں ہوئی ہے۔ یعنی شادی تو انسان اس وقت کرتا ہے جب اس کو کچھ اور کرنا نہ ہو۔ گویا یہ بھی ایک قسم کا شغل بیکاری ہے "

شیخ صاحب نے فرمایا "کیا خوب اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پنشن لینے کے بعد مجھ کو سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیئے تھا کہ شادی کر لیتا "

ہم نے کہا "آپ کہ تو رہے ہیں شادی اپنی شادی تو خیر آپ کر ہی چکے ہیں اور اس جرم کی سزا ابھی بھگت چکے ہیں مگر پنشن لینے کے بعد آخر صاحبزادی کی شادی کا خیال آپ کو ستا رہا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ ایک شغل ہے بیکاری کا چنانچہ جب والدین خود اس سلسلہ میں مجبور ہوتے ہیں تو بیکاری کے زمانے میں اولاد ہی کی شادی سے دل بہلاتے ہیں "

شیخ صاحب نے درزی کو بلا کر ہماری ناپ لینے کے لئے ارشاد فرمایا۔ وہ ایسا نامعقول کہ لگا ہم کو دعائیں دینے اور مبارکباد دینے کہ خدا ہمارے سہرے کے پھولوں کو ہمیشہ شگفتہ رکھے۔ شیخ صاحب نے لاکھ لاکھ تردید کی کہ بھائی یہ

دُولہا نہیں ہیں مگر اس کو یقین نہ آسکا آخر پیمائش کے بعد اس کو کمخواب کا تھان شیروانی کے لئے دیا گیا قمیص کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کا سلک اور سب سے زیادہ زور پاجامہ کے لئے شیخ صاحب نے دیا کہ جالی نہایت عمدہ کھولی جائے اور پنڈلیوں پر فٹنگ نہایت اچھی ہونا چاہیئے۔ ہم اپنی ناپ دیتے جاتے تھے اور غور کرتے جاتے تھے کہ کیا واقعی اتفاقات اسی قسم کے مناسب مواقع پیدا کر سکتے ہیں ۔

محبوب صاحب نے اپنے ذرا سے اشارے سے اختر زمان کو مس ولیم کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا اور ادھر ہم مس ولیم کو اس اسکیم کی اطلاع دے چکے تھے کہ آپ کے غیرت دار خسرِ محترم آپ کے لئے عشق کا بندوبست کر رہے ہیں اس کے علاوہ شکیل سے اور ہم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس کی تفصیل بھی مس ولیم کو معلوم تھی اور وہ اب قطعی طور پر یہ طے کر چکی تھی کہ شکیل کے اور اس کے درمیان میاں بیوی کے رشتے سے زیادہ مصلحت کا رشتہ ہے وہ تو خیر اس مصلحت کی بھی قائل نہ تھی مگر ہم نے اس کو بیحد کوشش کے بعد اب تک چپ رکھا تھا ورنہ بات بات پر وہ قابو سے باہر ہوئی جاتی تھی خصوصاً یہ سنکر تو وہ بالکل اُبل ہی پڑی کہ شکیل نے خود ہم سے درخواست کی ہے کہ کسی طرح مس ولیم سے اسکی جان چھوڑائی جائے وہ اس کیلئے اسی وقت تیار تھی کہ ابھی کسی ہوٹل میں چلی جائے اور شکیل کے خلاف قانونی کارروائی شروع کردے مگر ہم نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح ہماری وہ بہت بڑی اسکیم گڑبڑ ہو جائیگی جس کے ماتحت شکیل اور محبوب دونوں کو جہنم واصل ہونا ہے اب وہ ہمارے سر تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد اس اسکیم کو ہم منظرِ عام پر لا کر اس لغویت کو ختم کریں اسکی

سمجھ میں بالکل نہ آتا تھا کہ آخر اب ہم کو انتظار کس بات کا ہے۔ آج جبکہ اسکی دعوت پر ہمارے اور ڈاکٹر کے علاوہ ریحانہ اور سلمیٰ بھی لیڈیز پارک میں مسز نائیڈو کی تقریر سننے کے بہانے سے یہاں آئی ہوئی تھیں۔ یہی مسئلہ زیر بحث تھا مس ولیم کا جوش دیکھنے کے قابل تھا اس نے ڈاکٹر کو متوجہ کرتے ہوئے کہا "آپ لوگوں کی منطق میری سمجھ میں بالکل نہیں آتی کہ آخر اس محبوب اور شکیل کی رسی آپ لوگوں نے دراز کیوں کر رکھی ہے اور انتظار کس بات کا ہے"

ڈاکٹر نے کہا "انتظار۔ اب صرف یہی ہے کہ آپکا اور اختر زمان کا جو معاشقہ آپکے خسر محترم نے طے کیا ہے اس سلسلہ میں ہمارے رجسٹر مال غنیمت میں کچھ اندراج اور ہو جاتے تو اچھا تھا اور اس بہانے کم سے کم آپ کو شکیل سے مقدمہ لڑنے کی رقم تو مل جاتی"

مس ولیم نے کہا "خیر مجھ کو اس رقم کی ضرورت نہیں اتنا روپیہ میرے پاس موجود ہے البتہ اگر آپ لوگ میرے صبر کو آزمانا چاہتے ہیں تو دوسری بات ہے آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اس گھر میں اس حیثیت سے رہنا اب مجھ کو کس قدر ناگوار ہو سکتا ہے میرے دل و دماغ پر بلکہ میری روح پر ایک قسم کا بار ہے میں اپنے غصہ کو خدا جانے کس طرح ضبط کرتی ہوں جب شکیل میرے سامنے آتا ہے اگر میں اسی طرح ضبط کرتی رہی تو آپ یقین جانیئے کہ میں بیمار ہو جاؤنگی"

ہم نے کہا "دیکھیئے جناب مس صاحبہ بات اصل میں یہ ہے کہ عورت خواہ

دیسی ہو یا ولائتی نہایت غلط قسم کی جلد بازی سے کام لیتی ہے۔ اس وقت اگر آپ نے شکیل سے علیحدگی اختیار کر لی تو قانونی طور پر آپ گویا اپنے حق میں کانٹے بولیں گی آخر آپ دعویٰ کس بات کا کریں گی؟"

سلمیٰ نے قانونی مشورہ دیا "دعویٰ فریب دہی کا ——"

ہم نے کہا "آپ بڑی ایل ایل۔ بی ہی تو ہیں۔ فریب کا ثبوت بھی تو ہونا چاہیئے میں تو یہ چاہتا تھا کہ محبوب کو بے نقاب کرنے کے بعد جب نوبت یہ پہنچ جائے کہ شیخ صاحب شکیل کو اس کوٹھی سے نکالیں تو ——"

ریحانہ نے کہا "آخر اس طول عمل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کام کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم بی خود ابا جان کے پاس جا کر کہدیں کہ شکیل کی میں قانونی بیوی ہوں ——"

مس ولیم نے کہا "یہ بھی ہو سکتا ہے اور رہ گیا ثبوت میرے پاس اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ شکیل نے اپنے کو نواب لکھنؤ ثابت کر کے میرے ساتھ شادی کی ہے"

ڈاکٹر نے کہا "مگر اس طرح ڈرامہ کا انجام اُس حد تک ڈرامٹک نہ ہو گا جس طرح ہم لوگ چاہتے ہیں"

ہم نے کہا "اور اس انجام کا سلسلہ بس گویا شروع ہی ہونے والا ہے اس لئے کہ کل مرزا معصوم علی صاحب ملے تھے خدا جانے ان کو کس طرح یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ ان کو اور اختر زمان دونوں کو محبوب نے بیوقوف بنا رکھا ہے وہ تو یہاں تک کہہ

رہے تھے کہ مجھ کو وثوق سے معلوم ہوا ہے کہ محبوب صاحب نے میرے نام سے خوب اچھی طرح اختر زماں کو لوٹا ہے۔ جب میں نے بہت اصرار سے پوچھا تو صرف اسی قدر معلوم ہو سکا کہ خود اختر زماں کا کوئی ملازم ان کے یہاں کا پروردہ ہے اور وہی یہ خبریں لاتا ہے میں نے نام پوچھنے کی کوشش کی مگر محبوب کی طرف سے یہ تجربہ کرنے کے بعد مرزا صاحب کو اب کسی پر اعتبار نہیں رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "بندہ نواز اس کا مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسی ملازم نے مرزا صاحب کو آپ کی طرف سے بھی بھر دیا ہو ورنہ وہ آپ کو نام بتانے میں عذر نہ کرتے۔"

ہم نے کہا "ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو مگر اس بات سے اگر آپ مجھ کو دھمکانا چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی پوزیشن اس سلسلہ میں کس حد تک مستحکم کر رکھی ہے۔"

سلمٰی نے کہا "بھائی جان پوزیشن کا سوال نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ ایک منٹ کے لئے سہی آپ کے متعلق کوئی ایسی ناپاک رائے ہی کیوں قائم کرے۔ آخر اب اس قصہ کو ختم ہی کیوں نہیں کر دیتے۔"

ڈاکٹر نے کہا "دیکھو اسکی صورت یہ کرو کہ تم تو رہو فی الحال علیحدہ میں کل جا کر ابا جان اور امی جان سے ملتا ہوں۔"

ریحانہ نے ایکدم خوش ہو کر کہا "آپ۔ آپ آئیں گے گھر۔"

ڈاکٹر نے کہا "ہاں میں ابا جان سے جا کر کہونگا کہ مجھ سے اور مس ولیم سے ملاقات ہوئی تھی اور مجھ کو مس ولیم نے یقین دلایا ہے کہ وہ شکیل کی منکوحہ بیوی ہے۔ اس

معلومات کو حاصل کرنے کے بعد میرے لئے یہ ناممکن تھا کہ میں اب بھی کنارہ کش رہتا خدا کے واسطے اس سلسلہ میں پوری تحقیقات کر لیجئے اس کے بعد آپ کو اختیار ہے۔"

ہم نے کہا "مگر خواجہ سے مشورہ نہیں کیا ہے ابھی ـــــ"

ڈاکٹر نے کہا "وہ بیچارہ تو خود اب اس سلسلہ کو طول دینے کے خلاف ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوّل تو میری صفائی کا نہایت خوشگوار اثر پڑے گا اماں جان اور ابّا جان دونوں پر دوسرے اس تحقیقات کے طور پر میں مس ولیم کو واقعی ملا دونگا ان دونوں سے اور پھر میں مشورہ دونگا کہ اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے کہ پہلے ریحانہ کا عقد کہیں اور کر دیجئے اس کے بعد محبوب کو اطلاع دیجئے کہ مجھ کو تمہارے لڑکے کا کچا چٹھا معلوم ہے اب خیریت اسی میں ہے کہ اپنے لڑکے کو خود سمیٹو مجھ سے کوئی مطلب نہیں اور میں ریحانہ کا عقد کر چکا ہوں۔ کہیں اور عقد کر دیجئے کا مطلب غالباً تم سمجھ گئے ہو گے۔"

سلمیٰ نے کہا "ظاہر ہے کہ جب آپ کے ساتھ عقد کی خبر محبوب کو پہنچے گی تو محبوب کے اور آپ کے تعلقات انشاء اللہ ایسے ہو جائیں گے کہ آپ اس کو بے نقاب کر سکیں۔"

ہم نے کہا "اس انشاء اللہ کی داد نہیں دی جا سکتی۔"

مس ولیم نے کہا "میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے وہ جلد کیجئے تاکہ مجھ کو بھی اپنے ارمان نکالنے کا موقع جلد سے جلد مل سکے۔"

ریحانہ نے کہا "بڑی بات ہے۔ سب سے بڑا انتقام یہی ہے کہ تم کوئی بدلہ نہ لو۔"

مس ولیم نے کہا "اچھا اب شروع ہوئی شکیل کی طرفداری۔ دیکھو ساجد یہ لڑکی اب تک شکیل کی اتنی طرفدار ہے اس بات کو ذہن میں رکھنا اور بعد میں پوچھنا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی۔"

سلمیٰ نے ریحانہ کی طرف سے کہا "شکیل کی طرفدار ہو اس کی جوتی۔ مگر تم کیوں اس گندگی میں اپنے کو پھنساؤ گی۔"

مس ولیم نے کہا "کیا خوب گندگی میں تو اب پھنسی ہوئی ہوں کیا میں اس دغاباز کو یونہی چھوڑ دوں گی نہ میں ایسی فرشتہ ہوں کہ چپ ہو رہوں اور نہ میرے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں شکیل کا ہر حال میں ساتھ دوں میں یقیناً شکیل کا اس سے بدتر حالات میں نہایت خوشی سے ساتھ دے سکتی تھی بشرطیکہ وہ میرے ساتھ دغابازی نہ کر چکا ہوتا اور اب تو وہ خود مجھ سے جان چھوڑانے کے لئے بے قرار ہے۔ لہذا میں اس کی جان چھوڑ دونگی مگر اس آسانی کے ساتھ جس طرح وہ سمجھ رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "مس ولیم آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کو غصہ ہے شکیل پر مگر سزا دے رہی ہیں آپ ہم لوگوں کو اب تو مصیبت یہ ہے کہ چائے کی خواہش کے علاوہ بھوک بھی لگنے لگی ہے دوسرے مجھ کو یہاں سے براہ راست ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے۔"

مس ولیم نے گویا چاء کو یاد کر کے ایک جست لگائی اور بہت کچھ مغربی قسم کی معذرتیں کرنے کے بعد فوراً چاء کا انتظام کر دیا۔ ڈاکٹر کو اگر جانا نہ ہوتا تو یہ محفل ابھی کچھ اور جمتی۔

# ۴۶

ڈاکٹر صاحب کا اپنے گھر آنا ایسی بات نہ تھی جس کی ہم کو اطلاع نہ ہوتی ایک طوفان سا آگیا گویا تو چل ہیں چل۔ سب ہی کو حیرت تھی کہ یہ حضرت آج کیسے راستہ بھول گئے۔ سلمیٰ آپا اسی سلسلہ میں بجانہ کے پاس سے اٹھ کر اپنی طرف آ چکی تھی اور دروازے کے سوراخ سے اس سنجوگ کا تماشہ دیکھ رہی تھی ہم سلمیٰ آپا کی وجہ سے یہ حرکت نہ کر سکتے تھے ورنہ شاید ہم خود بھی کر رہے ہوتے۔ آخر سلمیٰ آپا نے واپس آتے ہوئے کہا "توبہ ہے کس بری طرح خالو جان رو رہے تھے بیٹے کو گلے سے لگا کر وہ تو خالہ جان سے بھی گئے گذرے ہیں"

ہم نے کہا "میل ہو گیا بیٹے سے"

سلمیٰ آپا نے کہا "اب تو ماں بیٹھی پنکھا جھل رہی ہیں اور باپ سے بڑی گھلی ملی باتیں ہو رہی ہیں"

ہم نے کہا "آخر ہوا کیا ڈاکٹر نے بڑے میاں کو راضی کیسے کیا"

سلمیٰ آپا نے کہا "اس منظر پہ تو میرے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی باپ کو سلام کیا تو آپ نے منہ موڑ لیا خالہ جان نے کہا کہ واہ یہ بھی کوئی

بات ہے وہ سلام کر رہا ہے تو کم سے کم دعا تو دے دی ہوتی۔ اس پر خالو جان نے کہا کہ ان کو نہ میری دعا کی ضرورت ہے نہ بد دعا کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھ سے آپ لوگ جس بات پر ناراض ہیں اسی سلسلہ میں اپنی بیگناہی ثابت کرنے کے لئے آیا ہوں اور چونکہ آج میرا بے قصور ہونا ثابت ہو چکا ہے لہذا اب میں آپ دونوں کو اپنے سے ناراض نہیں رکھ سکتا۔ یہ کہہ کر وہ خالو جان کے گلے سے چمٹ گئے اور خالہ جان نے شروع کر دیا رونا۔ مگر ان سے زیادہ خالو جان نے کمال کر دیا کہ بچوں کی طرح بیٹے کو گلے لگا کر بیٹھ گئے ــــــــ"

سلمیٰ یہ گفتگو کر ہی رہی تھی کہ اندر سے شیخ صاحب کے ڈانٹنے کی آواز آئی "میں گولی مار دوں گا"

شیخ صاحب کے پاس بندوق نہیں ہے مگر گولی وہ اکثر مارا کرتے ہیں۔ اس آواز کو سنکر سلمیٰ کے ساتھ اس مرتبہ ہم بھی دوڑ کر دروازہ کے پاس آکر جھانکنے لگے یہاں سے گفتگو بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ شیخ صاحب نے نہایت غصہ کے ساتھ فرمایا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ میرے ساتھ یہ دغابازی ہو رہی ہے مگر ان بڑی بی نے مجھ کو ہمیشہ بیوقوف بنایا"

بیگم صاحبہ نے کہا "تو اب مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یہ کمبخت جس تھالی میں کھائے گا اسی میں چھید بھی کریگا۔ تو کیا اس فرنگن کے ساتھ سچ مچ شادی ہو چکی ہے"

ڈاکٹر نے کہا "اس کا پتہ تو آپ کو اسی وقت چل سکتا ہے۔ باہر ہوں گے

ساجد صاحب ذرا ان کو بلوا لیجئے ان کے سامنے ہی مس ولیم نے ہم لوگوں سے کہا ہے کہ شکیل کے ساتھ میری شادی ہو چکی ہے بلکہ ہم لوگوں کو کچھ خطوط ایسے دکھائے ہیں جن پہ پتہ ہی اس کا یہ لکھا ہوا ہے یعنی مسز شکیل ——"

شیخ صاحب نے زور سے آواز دی "ساجد صاحب!"

بیگم صاحبہ نے کہا "ٹھہرو تو سہی میں تو ہٹ جاؤں"

شیخ صاحب نے کہا "بس ہو چکا یہ ڈھکوسلا پردے ورد ے کا"

ڈاکٹر صاحب نے بھی تائید کی "اماں جان اس وقت یہ باتیں رہنے دیجئے ساجد صاحب سے آپ کو بھی حالات دریافت کرنا ہیں اور ان ہی کو بھیجکر میں مس ولیم کو اسی وقت بلواتا ہوں"

ہم اس آواز کی تعمیل میں دروازہ پہ پہنچ چکے تھے۔ باہر ہی سے عرض کیا۔ "میں حاضر ہوں"

شیخ صاحب نے کہا "اندر آجاؤ بھئی"

ہم نے اندر پہنچکر سب سے پہلے تو بیگم صاحبہ کو تسلیم کی جو دوپٹہ میں اپنے کو غالباً چھپانے کی کوشش فرما رہی تھیں۔ مگر شیخ صاحب نے ہم کو یہ منظر دیکھنے کا موقعہ نہ دیتے ہوئے کہا "کیوں جناب یہ کیا حرکت ہے مجھ کو آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ مجھ کو اس طرح لاعلم رکھیں گے جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شکیل اس میم سے شادی کر چکا ہے تو آپ کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ مجھ کو مطلع کرتے"

ہم نے کہا "گستاخی معاف۔ میری پوزیشن اس سلسلہ میں بعید نازک تھی آپ دونوں پر محبوب صاحب کا اتنا جادو چل چکا تھا کہ آپ اپنے بیٹے تک سے بیزار تھے میں کس کھیت کی مولی ہوں۔ میرے متعلق تو آپ یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ شاید میرا اس سلسلہ میں کوئی مطلب ہو —"

شیخ صاحب نے کہا "مطلب؟ مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ اور جو مطلب ہو سکتا ہے وہ تو انشاء اللہ پورا ہی ہوگا بشرطیکہ — بشرطیکہ — خیر یہ قبل از وقت بات ہے۔ گویا مجھ کو اس محبوب نے شروع سے آخر تک دھوکا دیا۔ ہر بار کچھ میں اس شخص کو صاف آدمی تو کبھی نہ سمجھتا تھا مگر مجھ کو اس شخص کی صداقت کا یقین دلانے والی یہ کھڑی ہیں بیگم صاحبہ ہماری۔ ناقص العقل کہیں کی —"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے میں نے کہا غصہ میں اب اتنے بھی بے قابو نہ ہو جاؤ۔ مگر میرے تو جیسے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی"۔

شیخ صاحب نے کہا "کوئی شخص روپیہ صرف کر کے خان بہادر بنتا ہے۔ کوئی نائٹ بنتا ہے ہم احمق بنے ہیں"۔

بیگم صاحبہ نے کہا "اشرف نے ہمیشہ ہم دونوں کو یہی سمجھایا مگر سچ مچ ہماری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا تھا کہ محبوب کے مقابلہ میں اپنی اولاد تک کی پروا نہ کی"۔

شیخ صاحب نے کہا "میں نے کہا سنتی ہو اب خیریت اسی میں ہے کہ یہ بدمعاش میرے سامنے نہ آئے ورنہ میں قسم کھا چکا ہوں خدا کی قسم گولی مار دونگا۔ اور میاں اشرف تم اس کو میرا حکم سمجھو کہ شکیل فوراً بیک بینی و دو گوش کوٹھی سے معہ اس میم کے فوراً نکل جائے اس کے ذمہ دار تم ہو"

ہم نے کہا "اگر میری رائے قابل قبول ہو تو عرض کروں کہ اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہے اس کو تو خود دھوکا دیا گیا ہے اور اس نے دراصل ہم لوگوں کو ایک بہت بڑے فریب سے آگاہ کیا ہے۔ شکیل کے ساتھ آپ کا جو چاہے سلوک کیجئے مگر مس ولیم کو اپنا مہمان ــــــ"

شیخ صاحب نے کہا "اجی مہمان ہی بنکر تو آئی ہے وہ چڑیل ــــــ"

ڈاکٹر نے کہا "اباجان اس کا کیا قصور ہے اس کو تو جب یہ معلوم ہوا ہے کہ شکیل کی شادی ریحانہ سے ہونے والی ہے ــــــ"

بیگم صاحبہ نے کہا "نوج ہو ریحانہ کی اس بدمعاش سے شادی"

شیخ صاحب نے کہا "اب نوج اور دوبارہ شروع ہوا"

ڈاکٹر نے کہا "اس نے تو یہ ذکر سنتے ہی سب سے پہلے مجھ سے ملنے کی کوشش کی تاکہ مجھ کو اس فریب سے آگاہ کر دے اور اسی نے مجھ کو دراصل آج یہاں بھیجا ہے کہ یہ وقت ان رسمی رنجشوں کا نہیں ہے والد صاحب قبلہ کو جاکر فوراً اس راز سے مطلع کر دو اور اگر میری ضرورت پیش آئے تو مجھ کو بھی بلوا سکتے

ہو۔ وہ نواب شکیل صاحب کو خود مزہ چکھائے گی کہ نواب لکھنؤ کی حیثیت سے اس سے شادی کی ہے۔"

شیخ صاحب نے جل کر کہا "نواب کا بچہ۔ دغا باز۔ مکار۔ بدمعاش۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں تو اس بیچاری کا کیا قصور۔ بہرحال اب ہم لوگوں سے کوئی مطلب نہیں تم دونوں کو اختیار ہے جو سلوک چاہے اس شکیل اور اس محبوب سے کرو۔"

شیخ صاحب نے کہا "ٹھہرو جی۔ لاؤ ذرا قلم دوات میں محبوب کو لکھتا ہوں کہ مجھ کو تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں اور ان کی ساری قلعی کھل چکی ہے بہتر یہی ہے کہ وہ اب مجھ سے ملنے کی کوشش نہ فرمائیں اور اپنے صاحبزادے کو جہاں چاہے لے جائیں ہم سے اور ان سے اب کوئی مطلب نہیں ——"

ہم نے کہا "خط تو آپ ضرور لکھ دیں ——"

شیخ صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا "بلکہ میں اس جھگڑے ہی کو ختم کرتا ہوں آج ہی تار دیئے دیتا ہوں آپ کے والد اور والدہ صاحبہ کو کہ وہ ذرا الف انشر لے آئیں مجھے ریحانہ کے متعلق ان سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "ضرور یہ تار ضرور دے دیجئے۔ میں سمجھ گیا آپ کا جو مطلب ہے ——"

شیخ صاحب نے اسی وقت محبوب کو نہایت سخت قسم کا خط لکھا حالانکہ

ہم نے اس خط کا لب و لہجہ ذرا نرم کرنے کا مشورہ بھی دیا مگر جب شیخ صاحب نے یہ فرمایا کہ میں گولی مارنے کے بجائے یہ خط لکھ رہا ہوں تو ہم کو بھی قائل ہونا پڑا۔ تار بھی شیخ صاحب نے ڈاکٹر سے لکھوا کر روانہ کیا اور اس کے بعد ذرا دل بہلانے کو شیخ صاحب بیگم صاحبہ ریحانہ سلمیٰ اور ہم سب ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی چلے گئے۔

ہم دفتر میں یہ تفصیلات خواجہ صاحب کو بتا ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے والدین میں کس طرح میل ہوا اور پھر محبوب کو شیخ صاحب نے کیا خط لکھا کہ عین اسی وقت شیطان کو یاد کرو اور وہ موجود کے مصداق چپراسی نے آکر کہا کہ محبوب صاحب تشریف لائے ہیں۔ خواجہ صاحب نے سمجھداری سے کام لیکر اپنے کمرے کی راہ لی اور محبوب صاحب پریشان اور حواس باختہ سے آکر بیٹھ گئے۔ ہم نے کہا۔ "کہیئے مرشد خیریت۔ یہ اس وقت آپ کہاں ؟"

محبوب صاحب نے بجائے کوئی جواب دینے کے وہی پرچہ جو شیخ صاحب نے ان کو بھیجا تھا ہمارے سامنے رکھدیا۔ ہم پرچہ تو خیر پڑھ ہی چکے تھے مگر اس وقت بھی ہم کو محبوب صاحب کے سامنے پڑھنا ہی پڑا۔ پرچہ پڑھکر ہم نے نہایت حیرت سے کہا "یہ کیا ؟"

محبوب صاحب نے فرمایا "بس سارا قصہ ختم۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ مس ولیم کی بچی چڑیل اس بدمعاش ڈاکٹر اشرف سے جا کر کسی طرح ملی اور اسی نے یہ بدلہ لیا ہے مجھ سے۔"

ہم نے کہا "محبوب صاحب آپ کو مس ولیم یا ڈاکٹر اشرف یا کسی اور سے شکایت کا کیا موقع ہے جبکہ یہ سب کچھ خود آپکے صاحبزادے کا کیا دھرا ہے"

محبوب صاحب نے نہایت فصاحت سے فرمایا "صاحبزادہ نہیں حرامزادہ کہیئے اس اُلّو کے پٹھے کو اس نے مجھ کو کہیں کا نہ رکھا۔ مگر دوست میرا بھی نام بدل دینا اگر میں نے اس مس ولیم اور اس ڈاکٹر اشرف کو چھٹی کا دودھ نہ یاد دلا دیا ہو۔ ان دونوں نے ہاتھی سے گنّے کھانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ شیخ صاحب غالباً یہ بھول گئے ہیں کہ اگر محبوب سے اُلجھے تو اس کو یہ بھی آتا ہے کہ ننگی کا ناچ نچا دے اب میں ان سب سے ایسا سمجھونگا کہ آپ بھی دیکھیئے گا تماشہ"

غصّہ تو بہت آرہا تھا مگر ہم نے ضبط کر کے کہا "آخر آپ کو ان باتوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ اپنے گھر خوش آپ اپنے گھر خوش جو کوشش آپ ان کو مٹانے کے سلسلہ میں کریں گے وہ خود اپنے کو بنانے کے سلسلہ میں کیوں نہ کیجئے"

محبوب نے کہا "دوست اگر اس وقت تم ایک کام کرو تو لطف ہی آجائے"

ہم نے کہا "وہ کیا ـــــــ"

محبوب صاحب کی بدمعاشی ملاحظہ ہو "آج کسی طرح شام کو مس ولیم کو لیکر ڈاکٹر کے بنگلہ پر چلے جاؤ اور ان دونوں کو ذرا تنہائی کا موقع دو میں اس موقع کی تصویریں لینا چاہتا ہوں"

ہم نے کہا "آپ تصویر کس طرح لیں گے۔ آپ کی پہنچ وہاں کیسے ہوگی"

محبوب نے کہا "میری پہنچ کی نہ پوچھو آج ہی ڈاکٹر کے یہاں ایک نیا بوائے نوکر رکھا گیا ہے وہ دراصل میرا ہی آدمی ہے اور وہی یہ تصویر لے گا۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ مس ولیم اور ڈاکٹر کسی ایک ہی صوفہ پر بیٹھے باتیں کر رہے ہوں یہ تصویر میرے لئے بیحد ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ مس ولیم کی طرف سے مجھ کو یقین ہے کہ وہ شکیل پر مقدمہ چلائے گی اس وقت یہ تصویر کام دے گی بلکہ یہ تصویر آنے ہی میں خود شکیل کی طرف سے طلاق کی درخواست دلوا دونگا اور اس بدنامی میں ڈاکٹر صاحب کو ایسا لپیٹوں گا کہ ان کی نوکری بھی جائے اور پریکٹس پر بھی اثر پڑے۔ یہ بہت بڑی اسکیم ہے"

ہم نے کہا "میں اس تجویز میں ایک اضافہ چاہتا ہوں۔ تصویر نہایت مکمل ہو جائے گی"

محبوب نے کرسی کھسکاتے ہوئے کہا "کیا۔ کیا؟"

ہم نے کہا "جس وقت ڈاکٹر اور مس ولیم یکجا ہوں اس وقت آپ ایک دم سے پہنچ جائیں ظاہر ہے کہ ڈاکٹر اور مس ولیم دونوں آپ کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے اور آپ نہایت غضب ناک ہوں گے گویا یہ چوری پکڑ کر۔ اگر اس وقت تصویر لی جائے تو اس تصویر کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گا"

محبوب نے خوش ہو کر کہا "نہایت عمدہ تجویز ہے میں بالکل سمجھ گیا۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر بس یہی خیال ہے کہ ڈاکٹر کا گھر ہو گا"

ہم نے کہا، "سبحان اللہ۔ یعنی آپ ڈر بھی رہے ہیں۔ ارے صاحب ایک تو آپ خود ہوں گے۔ دوسرے آپ کا وہ آدمی۔ تیسرا میں۔ اوّل تو ڈاکٹر کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مقابلہ کرنے کی جرأت کرے اور اگر ایسا ہوا بھی تو میں مسلح ہو کر جاؤں گا اور اس معرکہ میں شکست ان ہی کو ہو گی بلکہ اگر کچھ جھگڑا ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے ثبوت مل جائے گا پورا۔"

محبوب نے کہا، "میں دو چار آدمی کوٹھی کے باہر تعینات کر دوں گا تاکہ اگر معاملہ بڑھے تو کمک پہنچ سکے۔ بہر حال یہ طے ہے۔ میں تو ان ڈاکٹر صاحب کی دم کو جیل میں مڑوا دونگا یہ سمجھا کیا ہے اپنے کو۔"

ہم نے بھی تائید کی کہ بے شک اب ڈاکٹر صاحب بجائے ڈاکٹری کرنے کے انشاء اللہ چکی پیسا کریں گے جیل میں۔ محبوب صاحب نے وقت کی تصدیق کر لی کہ ٹھیک چھ بجے میں کوٹھی میں پہنچ جاؤنگا ہم نے وعدہ کر لیا کہ ہم آپ کو کوٹھی کے کسی کمرے میں پہنچا دیں گے اور پھر خود آپ کو بتا دیں گے کہ اب موقع ہے۔ اس تمام پروگرام کو طے کرنے کے بعد محبوب صاحب اس سلسلہ کے انتظامات کو مکمل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے اور ہم نے خواجہ صاحب کو بلا کر پہلے تو اس سازش کا تمام حال بتایا اس کے بعد یہ طے کر لیا کہ کل اس ڈرامہ کا آخری سین پیش کر دیا جائے۔ خواجہ صاحب نے اسی وقت ٹیلیفون پر ڈاکٹر کو بلا کر فوراً آنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا ٹیلیفون خان بہادر

ایوب حسن خان ڈی۔ایس۔پی کو کیا یہ بیچارہ ہم لوگوں کا یوں ہی نہایت نیاز مند تھا تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر صاحب سے بھی پہلے آ موجود ہوا مگر ڈاکٹر صاحب بھی تھوڑی ہی دیر بعد میں آ گئے۔"

ہم نے ایوب سے کہا " دوست ایک نہایت عمدہ ڈرامہ کل ہونے والا ہے جس میں تم کو بھی حصہ لینا ہے اس کے بعد شروع سے آخر تک کے تمام واقعات ایوب کو سنا دیئے کہ محبوب صاحب دراصل کیا ہیں کیسے کیسے جال اس شخص نے پھیلا رکھے ہیں اور کیسے کیسے جرائم یہ شخص کر چکا ہے۔ اپنا رجسٹر ان کو دکھایا تو وہ بیحد ہنسے۔ پھر پاس بک دیکھی اور بیحد لطف اندوز ہوئے۔ آخر میں ہم نے ان کو بتایا کہ کل کا پروگرام کیا ہے۔"

ایوب نے کہا " کمال کر دیا تم نے تو ایسا سالے کو پھانسا ہے کہ اب جنبش بھی نہیں کر سکتا اور میں تو داد دیتا ہوں اس بات کی کہ اس مقدمہ کو قابل دست اندازی پولیس بنانے کے لئے کل آپ نے بدمعاشوں کو بھی بلوا لیا ہے۔ میں پہلے ہی سے کوٹھی میں پولیس کا انتظام رکھونگا اور دیکھئے گا کہ کیسا گرفتار کرتا ہوں اس نامعقول کو۔ مگر افسوس یہ ہے کہ شکیل رہا جاتا ہے۔"

ہم نے کہا " چھوڑو اسے اس سے تو مس ولیم سمجھ ہی لیں گی۔"

ڈاکٹر نے کہا " اس موقع کے لئے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اختر زمان اور مرزا معصوم علی کو بھی مدعو کر لیا جائے۔"

ہم نے کہا "ان دونوں کو مدعو کرنے میں اندیشہ ہے افشائے راز کا البتہ میرا پروگرام یہ ہے میں ان دونوں کو کل چار بجے تمہارے یہاں پہنچا دونگا۔ شیخ صاحب۔ بیگم صاحبہ۔ ریحانہ سلمیٰ۔ اختر زمان۔ مرزا معصوم علی سب ہی کردار ہوں گے موجود"

ڈاکٹر نے کہا "ایوب تم کل کھانا میرے ہی ساتھ کھاؤ"

ایوب نے کہا "یہ ارادہ تو میرا پہلے سے تھا۔ مگر میں حاضرین کی فہرست میں مس ولیم کا نام نہ سنکر ذرا مایوس سا ہو گیا ہوں"

ہم نے کہا "کیا میں نے مس ولیم کا نام نہیں لیا۔ سخت فروگذاشت ہو گئی معافی چاہتا ہوں۔ صاحب وہ ضرور موجود ہونگی بلکہ آپ بیوقوف ہیں یعنی وہ اور ڈاکٹر تو گویا اس سین کے ہیرو اور ہیروئن ہی قرار پائے ہیں۔ یہ آپ ڈی۔ ایس۔ پی ہیں یا چغد اچھے خاصے"

ایوب نے کہا "تم دورسے نہ کہو ورنہ اتنی ہی سی نااہلی پہ برطرف کیا جاسکتا ہوں واقعی میں بھول گیا تھا کہ مس ولیم تو ضروری کردار ہیں۔ اچھا شرط یہ ہے کہ مس ولیم سے میرا تعارف ذرا شاندار الفاظ میں کرایا جائے یعنی میں ایسا عالی خاندان ایسا عالی مقام اور ایسا عالی مرتبت ہوں کہ اس زمانہ میں میری مثال گویا مل ہی نہیں سکتی"

ہم نے کہا "خیر یہ سب تو ہو ہی جائیگا۔ مگر جناب خواجہ صاحب کل آپ

اور ہم دونوں دفتر سے رخصت پر ہوں گے بڑے کام کرنا ہیں "

ایوب نے کہا " اور ڈاکٹر صاحب آپ ذرا میرے ساتھ چل کر اس بوائے کو اسی وقت دکھا دیجئے مجھے تاکہ کل سب سے پہلے میں اس کو حراست میں لے لوں اور آج سے کل تک ذرا اس پر نظر ضرور رکھیے گا اس لئے ممکن ہے کہ محبوب اپنا پروگرام بدلنے کی کوشش کرے "

ہم نے کہا " خیر تم اس بوائے کو ضرور دیکھ لو مگر محبوب پروگرام اب نہ بدلے گا اس کا مجھ کو یقین ہے "

ایوب ڈاکٹر صاحب کو لے کر روانہ ہو گئے اور ہم اپنے کام میں مشغول ہو گئے ۔

آج کا دن ہمارے لئے بیحد مصروفیت کا دن تھا۔ ہم نے اور خواجہ صاحب نے اپنے اپنے فرائض تقسیم کر لئے تھے مثلاً ٹھیک چار بجے ہم نے ادھر سے تو شیخ صاحب بیگم صاحبہ ریحانہ اور سلمیٰ کو روانہ کیا اور ادھر مس ولیم کو ڈاکٹر کے یہاں بھیجکر خود اختر زمان اور مرزا معصوم علی کو لیکر ڈاکٹر صاحب کے یہاں جو پہنچے تو ایک درخت کی آڑ سے پستول کی نالی عین ہمارے سینہ پہ آگئی اور ہم کلمۂ شہادت تک بھول گئے۔ مگر فوراً ہی ایوب مسکراکر سامنے آیا۔ اس نے جلدی سے ہم کو بتایا کہ اس بوائے کو گرفتار کر لیا ہے تاکہ ان سب کے آنے کی اطلاع محبوب کو نہ ہو جائے اور اب آپ بھی ان سب کو کسی ایک کمرے میں پہنچا کر محبوب کا انتظار کیجئے پانچ بج چکے ہیں وہ اب آتا ہی ہوگا۔ ہم نے جلدی سے سب کو لے جا کر ڈاکٹر صاحب اور خواجہ صاحب کے سپرد کیا اور تاکید کر دی کہ اب بالکل سناٹا ہونا چاہیئے گول کمرے میں صرف آپ مس ولیم اور میں یہ تین آدمی ہوں گے بلکہ میں خود برآمدے میں محبوب کا انتظار کرتا رہونگا۔ چنانچہ فوراً ہی سب اپنی اپنی جگہ پہ پہنچ گئے اور ہم برآمدے میں آکر ٹہلنے لگے۔ ابھی ہم کو برآمدے میں انتظار کرتے ہوئے زیادہ

دیر نہ ہوئی تھی کہ محبوب کو ہم نے دبے پاؤں کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کمرے کی طرف آنے کا اشارہ کیا جو ان کے لئے پہلے سے مقرر تھا۔ محبوب اس کمرے میں چپکے سے آگئے اور ہم نے سرگوشی کے انداز میں کہا "میں نے فوٹوگرافر کو سامنے والے کمرے میں چھپا دیا ہے اور یہ ہدایت کر دی ہے کہ جیسے ہی تم گول کمرے میں داخل ہو کر نہایت زور سے کہو گے "تم یہاں" اسی وقت تصویر لے لی جائے گی اور دوسرا پوز اگر ممکن ہوا تو اس وقت جب تم ڈاکٹر کا کالر پکڑو گے غصہ میں"۔

محبوب نے کہا "ٹھیک ہے۔ مس ولیم آگئی ہے نا"

ہم نے کہا "آگئی ہے اور دونوں گول کمرے میں ہیں۔ تمہارا سامان مکمل ہے یعنی وہ آدمی وغیرہ"

محبوب نے کہا "پانچ آدمی کوٹھی کے باہر ہیں۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی آسکتے ہیں"۔

ہم نے کہا "خیر اسکی ضرورت نہ پڑے گی۔ اچھا اب تم مجھ کو تو چھوڑو یہاں اور خود اپنا کام شروع کرو وہ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہیں یہ یاد رہے کہ جاتے ہی تم کو کہنا ہے "تم یہاں" اسی وقت تصویر لی جائے گی"

محبوب نے اپنے کو پہلے سنبھالا پھر کمرے میں جھانک کر دیکھا اور آخر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ تعریف نہیں کی جا سکتی مس ولیم اور ڈاکٹر کی ایکٹنگ کی کہ کیسے پریشان ہوئے ہیں وہ محبوب کو دیکھ کر۔ محبوب نے ہماری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے غصہ سے بے قابو ہو کر کہا "تم یہاں"۔

اور ڈاکٹر اور مس ولیم دونوں گویا کانپ گئے۔ محبوب نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کا کالر پکڑتے ہوئے کہا "بڑا ڈاکٹر کا بچہ بنا ہے شریف بہو بیٹیوں کو پھانستے ہوئے شرم نہیں آتی تجھ کو؟"

عین اسی وقت دروازہ کھلا اور سب سے پہلے شیخ صاحب تشریف لائے "کون محبوب؟"

محبوب نے غصہ میں کانپ کر کہا "بڑے میاں خیریت اسی میں ہے کہ تم الگ ہی رہنا ورنہ ان ہڈیوں کو چُرمُرا کر رکھ دونگا۔"

دوسرے دروازے سے اختر زماں نے داخل ہوتے ہوئے کہا "ایں یعنی قبلہ آپ۔"

اور فوراً ہی مرزا معصوم علی داخل ہوئے "بھائی صاحب یہ کیا قصہ ہے۔"

اب محبوب بیحد پریشان اس نے فوراً سیٹی بجائی۔ پھر بجائی اور تیسری بار پوری قوت سے بجائی مگر بجائے اس کے ساتھیوں کے ایوب نے تین چار سپاہیوں کے ساتھ داخل ہو کر محبوب کو سلام کرنے کے بعد کہا "جن لوگوں کے لئے آپ سیٹیاں بجا رہے ہیں وہ بیچارے تو پولیس کی لاری میں روانہ ہو کر حوالات میں غالباً آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے مگر آپ کو تو غالباً اتنی جلدی نہ ہو گی تشریف رکھیئے۔"

محبوب نے گھبرا کر کہا "کیا مطلب۔"

ایوب نے ڈانٹ کر کہا "مطلب کا بچہ بیٹھ یہاں حرامزادہ۔"

محبوب کی حالت پر اس وقت ترس آرہا تھا اس کی عقل اس وقت چکرائی ہوئی تھی کہ آخر یہ ہو کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم کو آواز دے کر کہا "ساجد صاحب حسابات پیش کیجیے"

ہم رجسٹر۔ پاس بک۔ چیک بک وغیرہ لیکر حاضر ہوئے۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اس وقت محبوب سے آنکھ چار کرنے کے قابل نہ تھے مگر دل کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ ہمارے ہاتھوں وہ شخص اپنے اعمال کی سزا کو پہنچ رہا ہے جس نے واقعی ایک اُدھم مچا رکھا تھا۔

شیخ صاحب نے کہا "ساجد میاں یہ کیا جھگڑا لے بیٹھے اس مردود ازلی کو جانے دو جیل میں، اس کی صورت دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا جی چاہتا ہے کہ گولی مار دوں"

ایوب نے کہا "قبلہ ذرا دیر کے بعد آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی پہلے اس ملک الموت کو یہ بتا دیا جائے کہ اس کے لئے بھی قضا بر حق ہے۔ اس نے جتنے جوڑ کیے ہیں ان سب کا توڑ ساجد نے نہایت قابلیت سے کیا ہے آپ حیران ہو جائیں گے اپنے برادرِ عزیز کے کرتوت سنکر"

خواجہ صاحب نے کہا "ساجد صاحب ایک تعارفی تقریر کے بعد حساب کتاب شروع کر دیجیے"

ہم نے ایک تعارفی تقریر میں اپنی اور محبوب صاحب کی تقریب ملاقات کا

ذکر کیا پھر ان کے شریک سازش ہونے کی روداد بیان کی پھر ان کی ڈکیتیوں میں حصّہ دار ہونے کا حال نہایت تفصیل سے بتایا جس کو اختر زمان نہایت حیرت سے سنتے رہے آخر میں ہم نے رجسٹر کے اندراج سب کے سامنے پیش کئے پاس بک اور چیک بک دکھائے ایک ایک پائی کا حساب پیش کیا۔ جاندانی کے تھان وغیرہ سب کو دکھائے اور آخر میں کہا کہ "میرا ارادہ تو تھا کہ اسی وقت یہ چیزیں اختر زمان صاحب کے حوالے کر دوں مگر خان بہادر ایوب حسن صاحب اس کو خلاف قانون سمجھتے ہیں لہذا میں مجبوراً ان چیزوں کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہوں تاوقتیکہ عدالت کا فیصلہ نہ ہو جائے یہ چیزیں میرے پاس محفوظ رہیں گی"۔

شیخ صاحب نے سب کچھ سُنکر کہا "الحمد اللہ۔ میں بیحد خوش ہوں کہ میرے آستین کے اس سانپ کو اسکی شامتوں نے خود گھیر لیا۔ افسوس صرف اس قدر ہے کہ سانپ کا بچّہ سنپولیا بچا جاتا ہے"۔

مس ولیم نے کہا "ان کی طرف سے آپ اطمینان رکھیئے ان کے لیئے میں کافی ہوں میں کوشش کرونگی کہ جیل میں باپ بیٹے کا ساتھ رہے"۔

ایوب نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور محبوب صاحب کے ہاتھ میں پولیس نے زیور پہنا دیا۔ ایوب نے چلتے ہوئے کہا "میں ذرا ان حضرت کو ان کی منزل اول تک پہنچا دوں پھر حاضر ہوتا ہوں"۔

ایوب کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے اختر زمان اور مرزا معصوم علی صاحب کو بھی

رخصت کیا اب صرف خواجہ صاحب ایسے رہ گئے تھے جن کے سامنے بیگم صاحبہ نہ آ سکتی تھیں مگر ڈاکٹر نے بیگم صاحبہ کو لا کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ "اماں جان یہ اور ایوب میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں آپ کے لئے جیسے ہم لوگ ویسے ہی یہ ــــــ"

بیگم صاحبہ نے کہا "بھیّا میری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اللہ بچائے نگوڑ مار ڈاکو ہے پورا۔"

ہم نے کہا "آپ نے ابھی سنا ہی کیا ہے آپ کو معلوم ہے آج اس نے کوٹھی کے باہر چار پانچ مسلح بدمعاش بھی جمع کئے تھے۔"

شیخ صاحب نے کہا "بدمعاش۔ یعنی یہ جو ہوتے ہیں جرائم پیشہ۔ یعنی واقعی بدمعاش۔"

ہم نے کہا "جی ہاں واقعی بدمعاش۔"

ڈاکٹر نے کہا "مگر سب سے بڑے بدمعاش تو تم ہو کہ اس غریب کو معہ ان بدمعاشوں کے چوہے کی طرح پھانس لیا۔"

شیخ صاحب نے کہا "کمال ہے صاحب واقعی کمال ہے۔"

رات تک یہ دلچسپ صحبت قائم رہی ایوب بھی آ کر اس میں شریک ہو چکے تھے اور وہ بار بار شیخ صاحب کو مطمئن کر رہے تھے کہ محبوب اب لمبی مدت کیلئے سلاخوں کے اندر رہے گا۔"

دوسرے دن سے شکیل کی جستجو میں مس ولیم سرگرداں ہیں مگر ان کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

شیخ صاحب کو والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی آمد کا انتظار ہے۔

ایوب اور مس ولیم میں جو دوستی ہو گئی ہے اس کو خواجہ صاحب شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

سلمیٰ کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک میز پوش ڈاکٹر صاحب کے یہاں ڈرائنگ روم میں ریڈیو کی میز پر بچھا ہوا ہے۔

ریحانہ اب تک ہمارے کرتے کی آستین روز چن دیا کرتی ہیں۔

گڑیا ساجد صاحب کے بجائے بھائی جان کہنے لگی ہے۔

بیگم صاحبہ اب سمجھاتی رہتی ہیں کہ ان کی شروع ہی سے توجہ کا مطلب آخر کیا تھا۔

شیخ صاحب اب ہماری الماری سے چاکلیٹ نہیں چراتے — اب دیکھیں خدا کو کیا منظور ہے۔

# ادارۂ فروغ اردو لاهور

نے تقسیم ملک کے وقت شوکت تھانوی کو اپنے لئے حاصل کرلیا ھے - اس لئے اب ان کی کتابیں صرف ادارۂ فروغ اردو هی قانونی طور پر چھاپنے کا مجاز ھے - لهذا اگر آپ یه چاهتے هوں - که شوکت تھانوی کی نئی نئی کتابیں سب سے پهلے آپ هی پڑھیں تو براہ کرم اپنے ایڈریس سے همیں مطلع فرمائیں -

## تصانیف شوکت تھانوی

جن کے کئی کئی ایڈیشن چھپ کر هاتھوں هاتھ بک چکے هیں

| | | |
|---|---|---|
| سودیشی ریل | افسانے | -/-/۳ |
| وغیرہ وغیرہ | ,, | -/ /۳ |
| خدا نخواستہ | ناول | -/-/۳ |
| کارٹون | ,, | -/۸/۳ |
| مابدولت | ,, | /۸/۲ |
| کتیــا | ,, | -/۸/۳ |
| بیوی | ,, | -/۱۲/۲ |
| انشــاء الله | ,, | -/-/۳ |
| قاضی جی | حصہ اول | -/۸/۳ |
| ,, | حصہ دوم | -/۸/۳ |
| ,, | حصہ سوم | -/۸/۳ |
| غــزالــہ | ناول | -/-/۶ |
| جوڑ توڑ | ,, | -/۴/۴ |
| بقراط | ,, | -/۸/۲ |
| سانچ کو آنچ | ,, | -/۸/۲ |
| کچھ کا کچھ | ,, | -/۸/۲ |
| چونچلے | ,, | -/۸/۲ |

مطبوعہ جدید اردو ٹائپ پریس لاهور